سیرت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

نصاب علمی ریلی 2018/2017

Lajna Ima'illah Norway

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ

(الہام حضرت مسیح موعود علیہ السلام)

(تذکرۃ۔صفحہ 70 ایڈیشن پنجم 2004 قادیان)

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود مہدی موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم نَحۡمَدُہٗ وَ نُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم

وَ عَلٰی عَبۡدِہِ الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡد

خدا کے فضل و رحم کے ساتھ

نصاب علمی ریلی

زیرِنگرانی:	نیشنل صدر لجنہ اماء اللہ ناروے محترمہ بشریٰ خالد صاحبہ
فائنل چیکنگ:	محترم شاہد محمود کاہلوں صاحب مربی سلسلہ عالیہ احمدیہ
نیشنل سیکرٹری تعلیم:	محترمہ سعیدہ فرحت رانا صاحبہ
مرتبہ:	محترمہ سعیدہ فرحت رانا صاحبہ
کتابت:	محترمہ بلقیس اختر صاحبہ، محترمہ مدیحہ محمود صاحبہ، محترمہ شازیہ نعیم صاحبہ، محترمہ شمائلہ ظہیر صاحبہ، محترمہ صدیقہ وسیم صاحبہ
ترتیب:	محترمہ سعیدہ فرحت رانا صاحبہ
سرورق:	محترمہ طاہرہ پرویز صاحبہ
پروف ریڈنگ:	محترمہ لبنیٰ غزالہ صاحبہ، محترمہ طیبہ رضوان صاحبہ

شائع کردہ شعبہ تعلیم لجنہ اماء اللہ ناروے 2017

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر	نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
1	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندانی حالات	10	27	آپؑ کا خطرناک بیماری سے معجزانہ شفا پانا	29
2	حلیہ مبارک	11	28	شہب ثاقب کا نشان	30
3	خوراک	13	29	لدھیانہ اور ہوشیار پور کا سفر	31
4	کس طرح کھانا تناول فرماتے ہیں	14	30	شرائط بیعت	32
5	الہام	16	31	سلسلہ کی بنیاد اور مصلح موعود کی پیدائش کے اجتماع میں مخفی نشان	32
6	ادویات	16	32	بیعت اُولیٰ	33
7	حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بچپن	16	33	دار البیعت	33
8	حضرت اقدسؑ کی تعلیم	17	34	یوم البیعت	33
9	نوجوانی کا زمانہ اور عبادت	17	35	بیعت کے الفاظ	34
10	آنحضرتؐ کی زیارت	20	36	ستارہ نکلنے کا نشان	34
11	سیالکوٹ میں ملازم	21	37	سرخی کے چھینٹوں کا نشان 10 جولائی	34
12	ملازمت قید خانہ ہے	21	38	مجددیت اور ماموریت کا بارہ میں پہلا الہام	35
13	حفاظت الٰہی کا معجزانہ واقعہ	22	39	دعوت نشان نمائی اور اعلان مجددیت و ماموریت	37
14	قیام سیالکوٹ کے بعض حالات	22	40	دعویٰ مسیح موعود	37
15	والد صاحب کی طرف سے ملازمت چھوڑ کر قادیان پہنچنے کا ارشاد	22	41	سفر ہوشیار پور اور پیشگوئی حضرت مصلح موعود	38
16	آپؑ کی والدہ ماجدہ کا انتقال	23	42	نشان رحمت یعنی پیشگوئی حضرت مصلح موعود	39
17	کشوف میں گزشتہ بزرگوں سے ملاقات	23	43	پہلا جلسہ سالانہ 1891ء	40
18	آٹھ یا نو ماہ کے روزے اور انوار سماوی کا نزول	23	44	جلسہ سالانہ 1892ء	40
19	آپؑ کے والد ماجد کی وفات	24	45	رسول اللہ کی زیارت	41
20	حضرت مسیح موعودؑ کی پہلی شادی	25	46	اپنے دلی محبوں کی نسبت پیشگوئی	41
21	حضرت مسیح موعودؑ کی خلوت نشینی	25	47	حضرت مسیح موعودؑ کے دشمنوں کا انجام	42
22	حضرت مسیح موعودؑ کی دوسری شادی	25	48	عبداللہ آتھم	42
23	حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی اولاد	27	49	حضرت مسیح موعودؑ کی غیرت دینی	43
24	تین انگوٹھیاں	28	50	اپنے حقیقی چچی کے ہاں جانا چھوڑ دیا	43
25	کثرت مطالعہ	28	51	اقارب سے قطع تعلق	43
26	محنت انہماک	29	52	پنڈت لیکھرام	44

53	جنگ مقدس میں اس خلق کا اظہار	44	82	مدرسہ تعلیم الاسلام مڈل سے ترقی کر کے ہائی سکول بن گیا	56
54	لاہور آریہ سماج کا واقعہ	44	83	جماعت کا نام ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' رکھا جانا	57
55	صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کا واقعہ	44	84	ریویو آف ریلیجنز کا اجراء	57
56	مذہبی بزرگوں کا احترام	45	85	اشتہار چندہ منارۃ المسیح 28 مئی 1900ء	58
57	سفر ڈیرہ بابا نانک	45	86	منارۃ المسیح کا سنگ بنیاد رکھا جانا	58
58	حضرت مسیح موعودؑ کا صبر و استقلال	46	87	جماعت کے چندوں کا باقاعدہ اجراء	59
59	اعلیٰ ایمان	48	88	بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کی شرائط	60
60	بغیر امتحان ترقی محال	48	89	انجمن کارپردازان مصالح قبرستان کا قیام	60
61	رضا بالقضا کو نمونہ	49	90	الہامات قُرب وصال	60
62	مرزا افضل احمد صاحب کی وفات	49	91	آخری نصیحت	61
63	حضرت مسیح موعودؑ کے سفر بغرض تبلیغ اسلام	50	92	مرض الموت	61
64	حضرت اقدس کے کمال ضبط کا ایک واقعہ	51	93	وصال	62
65	سفر سیالکوٹ	51	94	آپؑ کی عمر	63
66	سفر کپورتھلہ	52	95	اچانک وفات کا صدمہ	63
67	سفر جالندھر	52	96	مخالفوں کی حالت	63
68	سفر لدھیانہ	52	97	تجہیز و تکفین	64
69	سفر دہلی 22 اکتوبر 1905ء	52	98	جنازہ قادیان پہنچایا گیا	64
70	خواجہ باقی باللہؒ کے مزار پر دُعا	53	99	اخلاق فاضلہ	66
71	جامع مسجد دیکھ کر	53	100	محبت الٰہی	66
72	ملاقات کے قابل لوگ	53	101	حضرت مسیح موعودؑ کا عشق رسولؐ	68
73	قبروں کی زیارت	53	102	نعتیہ منظوم کلام	
74	دہلی سے روانگی	54	103	حضرت مسیح موعودؑ عشق قرآن	68
75	لدھیانہ میں ورود	54	104	سورہ الفاتحہ	74
76	ورود امرتسر	54	105	منظوم کلام	75
77	ورود قادیان	55	106	حضرت مسیح موعودؑ کی عائلی زندگی	76
78	حضرت مسیح موعودؑ کا جماعت کے استحکام کے لیے کام	56	107	دوسری شادی	76
79	اخبار الحکم کا اجراء	56	108	حضرت اُمّ المؤمنین حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں	77
80	اخبار البدر کا اجراء	56	109	میاں بیوی کے جھگڑوں میں سے ایک جھگڑا	77
81	مدرسہ تعلیم القرآن کا اجراء	56	110	اس واقعہ سے سبق	78

111	اس واقعہ کی تائید میں ایک اور واقعہ	78	140	حضرت مسیح موعودؑ کا دشمنوں سے سلوک	92
112	حضرت مسیح موعودؑ حضرت اُمّ المؤمنین کو شعائر اللہ میں سے سمجھتے تھے	79	141	شوکت میرٹھی کے متعلق	93
113	مولوی سیّد محمد احسن صاحب کا واقعہ	80	142	ڈاکٹر کلارک کو معاف کر دیا میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے	94
114	حضرت اُمّ المؤمنین کے احترام کے متعلق ایک اور روایت	80	143	مولوی محمد حسین بٹالوی پر احسان	95
115	حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کا عینی مشاہدہ	81	144	قادیان کے سکھوں اور ہندوؤں کا مقدمہ	95
116	بیوی کا تعلق حضرت مسیح موعودؑ کی نگاہ میں	81	145	اپنے عم زاد بھائیوں کو باوجود اُن سے دُکھ اُٹھانے کے معاف کر دیا	97
117	حضرت مسیح موعودؑ بحیثیت باپ، تربیت اولاد، بچوں سے شفقت	83	146	مرزا نظام الدین صاحب کا ایک اور واقعہ	99
118	بچوں کی پرورش اور خبر گیری	83	147	حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئیاں	100
119	بچوں کو سزا دینے کی ممانعت	83	148	اپنے چچازاد بھائیوں کے اہل وعیال کی نسبت پیشگوئی	102
120	حضرت مرزا بشیر صاحب کو آداب مسجد سکھاتے ہیں	84	149	کثرت اولاد کی پیشگوئی	102
121	بڑوں کا ادب کرنے کی تعلیم دیتے	84	150	زار روس کا المناک انجام	102
122	بچوں کی دلداری کا کہاں تک خیال رہتا	84	151	آہ نادر شاہ کہاں گیا	102
123	حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی ایام طفولیت کا ایک واقعہ	84	152	کوریا کی نازک حالت	103
124	بچوں کی باتوں سے اُکتاتے نہیں	85	153	تزلزل 15 جنوری 1906ء	105
125	ابا بوا کھول	85	154	اہل بنگال کی دلجوئی 11 فروری 1906ء	105
126	دینی معاملات میں بچوں کے سوال کو بھی اہمیت دیتے	85	155	زلزلوں سے متعلق بقیہ اشتہارات کا ذکر	106
127	محبت پدری کا مظاہرہ	86	156	حضرت مسیح موعودؑ کی مہمان نوازی	106
128	بچوں کی تربیت کہانیوں کے ذریعے	87	157	حضرت مسیح موعودؑ کے مباہلہ کے چیلنج	111
129	بچوں کی خوابوں کو بھی نظر انداز نہ فرماتے	87	158	مخالف مسلمانوں ومشائخ کو دعوت مباہلہ	111
130	آپؑ بچوں کو گود میں اُٹھایا کرتے تھے	88	159	مولوی ابوالحسن تبّتی اور جعفر زٹلی کا ردّ عمل	113
131	بچوں کی خوشیوں میں شریک ہوتے تھے	88	160	حافظ محمد یعقوب صاحب کی بیعت	114
132	حضرت مسیح موعودؑ کا خدام سے عفو درگزر	88	161	غزنوی کے ساتھ مباہلہ کا اثر	114
133	محمد اکبر خان سنوری کا واقعہ	88	162	تمام آریہ کو دعوت مباہلہ	115
134	ایک اور واقعہ	89	163	لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل کو دعوت مباہلہ	116
135	ایک چاول چرانے والی خادمہ کا واقعہ	89	164	سردار جندر سنگھ کو قسم کھانے کا چیلنج	116
136	حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک واقعہ	90	165	عیسائیوں کو مباہلہ کے چیلنج	116
137	حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح کا واقعہ	90	166	عبداللہ آتھم کا ردّ عمل	117
138	حافظ حامد علی مرحوم کا واقعہ	91	167	تمام پادریوں اور عیسائیوں کو مباہلہ کا چیلنج	117
139	حافظ غلام محی الدین مرحوم کا واقعہ	92	168	شیعہ حضرات کا مباہلہ کا چیلنج	118

169	حضرت مسیح موعودؑ کے علمی معجزات	119	189	چند خاص ورد اور دُعائیں	136
170	اوّل چالیس ہزار عربی لغات کا عظیم معجزہ	119	190	مصیبت اور بیماری سے نجات کی الہامی دُعا	136
171	اعجاز احمدی (عربی کتاب)	119	191	اسم اعظم	137
172	حضور اقدس کی تحدّی	120	192	شفائے مرض کی ایک دُعا	137
173	اعجاز المسیح	120	193	موذی بیماری سے شفا کی دُعا	137
174	عربوں کے لیے خوشخبری	120	194	مرض سے شفا کی ایک اور دُعا	138
175	دوسرا علمی معجزہ	121	195	مصیبت سے بچنے کی دُعا	138
176	حضرت مسیح موعودؑ کے چند عربی اشعار کا ترجمہ	122	196	محبت الٰہی اور بخشش کی دُعا	138
177	تیسرا علمی معجزہ	123	197	محبت الٰہی سے بھری ہوئی ایک اور دُعا	138
178	روایت بھائی عبدالرحمٰن صاحبؓ	123	198	انصار دین عطا کیے جانے کی دُعا	138
179	خطبہ الہامیہ بموقعہ عیدالاضحیٰ	124	199	دائمی برکت کے لیے دُعا	139
180	خطبہ الہامیہ کی اشاعت 17 اکتوبر 1902ء	125	200	مال میں برکت کی دُعا	139
181	بشپ آف لاہور کو چیلنج	125	201	اضافہ علم و معرفت کے لیے دُعائیں	139
182	حضرت مسیح موعودؑ کے قبولیت دُعا کے واقعات	127	202	توفیق و فہم و علم کی دُعا	139
183	حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت	130	203	حق و ہدایت کی دُعا	140
184	صاحبزادہ صاحب کی اپنے ملک کو واپسی اور لاہور میں قیام	131	204	رحم کی دُعائیں	140
185	حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت	132	205	شدید منکرین اور دشمنان دین حق کی تباہی کی دُعا	140
186	اس ناحق خون کا نتیجہ	133	206	اصلاح اُمت محمدیہ کے لیے دُعا	140
187	حضرت مسیح موعودؑ کی الہامی دعائیں	134	207	حضرت مسیح موعودؑ کی بعض خاص الہامی دُعائیں	141
188	دعائے مغفرت و انجام بخیر	136			

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم   نَحمَدُہ وَ نُصَلّی عَلیٰ رَسُولِہِ الکَرِیم   وَعَلیٰ عَبدِہِ المَسِیح المَوعُود

اللہ کے فضل اور رحم کے ساتھ وہی مددگار ہے

ہوا میں تیرے فضلوں کا منادی

لجنہ اماء اللہ ناروے کی خوش قسمتی ہے کہ ہمیں محض خُدا تعالیٰ کے فضل اور خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دُعاؤں سے ''سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام'' کی اشاعت کی توفیق مل رہی ہے۔ **الحمدللہ علیٰ ذالك**

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

''جیسا کہ کوئی باغ بغیر پانی کے سرسبز نہیں رہ سکتا ایسا ہی کوئی ایمان بغیر نیک کاموں کے زندہ ایمان نہیں کہلا سکتا۔ اگر ایمان ہو اور اعمال نہ ہوں تو وہ ایمان ہیچ ہے اور اگر اعمال ہوں اور ایمان نہ ہو تو وہ اعمال ریاکاری ہے۔ اسلامی بہشت کی یہی حقیقت ہے کہ وہ اس دنیا کے ایمان اور عمل کا ظِل ہے۔ وہ کوئی نئی چیز نہیں جو باہر سے آکر انسان کو ملے گی بلکہ انسان کے اندر سے ہی نکلتی ہے۔ ہر ایک کی بہشت اسی کا ایمان اور اسی کے اعمالِ صالح ہیں جن کی اسی دنیا میں لذت شروع ہو جاتی ہے۔''

(اسلامی اصول کی فلاسفی جلد 10 ص 390)

حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کے ارشاد کے مطابق انسان کے اعمال صالح ہی بخشش کا ذریعہ ہیں۔ کسی کی سیرت کو بیان کرنے کا اصل مقصد ان راہوں کی تلاش ہے جس پر چل کر اللہ تعالیٰ کو حاصل کر سکیں اور ایمانِ صالح اپنا سکیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اخلاقِ محمدی ﷺ کے کامل حامل اور آنحضرت ﷺ کے بعد بہترین اخلاق کے مالک ہیں۔ آپ کے اخلاق ہمارے لیے نمونہ ہیں جن پہ چل کر ہم اپنے اخلاق بلند کر سکتے ہیں اور تقویٰ کی راہوں کو اپنا سکتے ہیں۔ اس اشاعت کا اصل مقصد یہ ہے کہ ہم ان کے نقشِ قدم پر چل کر اپنے اندر یہی اوصاف و اخلاق پیدا کریں۔ انشاء اللہ

شعبہ تعلیم اور ان کی معاونات کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا کرے، یہ سراسر اللہ کا فضل اور احسان ہے کہ اللہ نے ان سے یہ خدمت لی اور حضرت مسیح موعود علیہ اسلام کی سیرت کے باغ سے پھول چن کے گلدستہ بنانے کی توفیق پائی۔ اللہ تعالیٰ اس کی خوشبو سے ہمارے اور ہماری نسلوں کے اعمال معطر کر دے۔ آمین ثمہ آمین

والسلام اور طالبِ دعا

سیّدہ بشریٰ خالد

صدر لجنہ اماء اللہ ناروے

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم　　نَحمَدُہ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُولِہِ الکَرِیم　　وَ عَلٰی عَبدِہِ المَسِیح المَوعُود

پیش لفظ

خدا تعالیٰ کی دی ہوئی توفیق سے لجنہ اماء اللہ ناروے کو شعبہ تعلیم کے تحت گذشتہ تین سال سے علمی ریلی منعقد کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔اس سلسلہ میں ممبرات نصاب میں دی گئی کتب کا مطالعہ کرتی ہیں اور علمی ریلی کے موقع پر متعلقہ کتاب میں سے کچھ موضوعات کو پاور پوائنٹ کے ذریعے بیان کرنے اور باقی حصہ کتاب سے سوالات پوچھے جانے کا مقابلہ رکھا جاتا ہے۔متعلقہ کتب کی عدم فراہمی ایک بڑا مسئلہ رہی۔ابتدا میں اس مسئلے کو کتابوں کی نقول کروا کے تقسیم کرنے کے ذریعہ حل کرنے کی کوشش کی گئی۔مگر اس پر بہت سا وقت اور لاگت خرچ ہوئی۔

سیرت حضرت مسیح موعودؑ پر کتب کا جائزہ لیا گیا تو پتہ چلا کہ ایک بہت قلیل تعداد میں کتب گھروں یا لائبریری میں موجود ہیں۔جو ہماری ضرورت کیلئے بہت ناکافی ہیں۔کتابوں کو بیرون ملک سے منگوانا اور بروقت ممبرات تک پہنچانا بھی ایک وقت طلب مسئلہ تھا۔ان تمام مسائل کے پیش نظر شعبہ تعلیم ناروے نے اِرادہ کیا کہ کیوں نہ اپنی ضرورت کے مطابق کتاب مرتب کر لی جائے۔جس سے سب مجالس کو علمی ریلی کا مکمل نصاب ایک جگہ مل جائے اور ہمارے علم میں اضافہ ہو۔

سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کافی کتابیں مختلف انداز میں لکھی جا چکی ہیں۔ہمیں ایک ایسی کتاب کی ضرورت تھی۔جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی اور سیرت کا مکمل احاطہ ہو جائے۔اور تمام ممبرات کو نصاب کے طور پر ایک جیسی کتاب مہیا ہو جائے۔

خُدا تعالیٰ کے خاص فضل و احسان ہے کہ شعبہ تعلیم لجنہ اماء اللہ ناروے کو اس سال سیرت حضرت مسیح موعودؑ کے موضوع پر کتاب مرتب کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔**فالحمد للّٰہ علیٰ ذٰلک**

اس کتاب میں سیرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام،حضرت مسیح موعود علیہ لسلام کے اخلاق فاضلہ،پیشگوئیاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ،حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مباہلہ کے چیلنج،حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علمی معجزات ،حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دُعائیں غرض کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کے ہر پہلو کو اس میں شامل کرنے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔یہ کتاب مرتب کرنے کیلئے سیرت کی مختلف کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔

اس کتاب کی تیاری میں حیاتِ طیّبہ مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم (سابق سوداگر مل) سوانح عمری آف امام المتقین ومہدی دوراں عالی حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام سن اشاعت جنوری 2002،مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی ،حیات احمدؑ جلد اوّل حضرت مسیح موعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سوانح حیات سن اشاعت نومبر 1928 طبع راست گفتار پریس ہال بازار امرتسر مرتبہ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ،سیرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سن اشاعت 1924 مرتبہ یعقوب علی تراب احمدی عرفانی،حیاتِ مہدی دوراں سن اشاعت 1990 طبع اے جے ایس پرنٹرز ہاکی اسٹیڈیم کراچی محمد اشرف ناصر شاہد مربی سلسلہ احمدیہ،حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کی پیشگوئیاں عالمی تغیرات کے بارے میں سن اشاعت 2006 مطبع printwell Amritsar-India فضل احمد انوری،حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردِّ عمل ونتائج واثرات سن اشاعت مارچ 2008 مطبع عرفان افضل لاہور،مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ۔

اس کی تیاری میں نیشنل عاملہ کی ممبرات میں محترمہ بلقیس اختر صاحبہ نے مضمون اکٹھے کرنے اور لکھنے میں مدد کی۔محترمہ مدیحہ محمود صاحبہ،محترمہ شازیہ نعیم صاحبہ،محترمہ صدیقہ وسیم صاحبہ،محترمہ شمائلہ ظہیر صاحبہ نے مضامین لکھنے میں مدد کی۔پروف ریڈنگ اور حوالہ جات چیک کرنے میں محترمہ لبنیٰ غزالہ صاحبہ اور محترمہ طیبہ رضوان صاحبہ نے پُرخلوص تعاون کیا۔ٹائٹل صفحہ بنانے میں محترمہ طاہرہ پرویز صاحبہ نے بہت جانفشانی سے کام کیا۔

فجزاھم اللّٰہ تعالیٰ احسن الجزاء

تمام ممبرات لجنہ سے گزارش ہے کہ شعبہ تعلیم کو اپنی دُعاؤں میں یاد رکھیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو بے لوث خدمتِ دین کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

والسلام

خاکسار

سعیدہ فرحت رانا

سیرت حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندانی حالات

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اہل فارس کی مشہور قوم برلاس کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔اس قوم کے مورثِ اعلیٰ قراچار نامی نے جو چھٹی صدی ہجری میں گذرے ہیں اسلام قبول کیا تھا۔قراچار نے جو چغتائی کے وزیر اور مشہور سپہ سالار تھے اپنی قوم کو سمرقند کے جنوب کی طرف تخمیناً تیس میل کے فاصلہ پر شہر کِش کے گردونواح میں آباد کیا تھا۔اس کے پوتے برقال کے ہاں دو بیٹے ہوئے۔ایک کا نام طراغے اور دوسرے کا نام حاجی برلاس تھا۔مشہور ایرانی بادشاہ تیمور صاحبقران طراغے کا بیٹا تھا۔کِش کی حکومت حاجی برلاس کے حصہ میں تھی لیکن جب حاجی صاحب کے بھتیجے تیمور نے زور پکڑا تو حاجی برلاس اس علاقہ سے نکلنے پر مجبور ہو گئے۔

اس وقت کی تاریخ سے جو جغرافیائی کیفیت معلوم ہوتی ہے اس سے پتہ لگتا ہے کہ تمام علاقہ جو والگا سے بحیرہ فارس تک اور افغانستان و بلوچستان سے بخارا تک پھیلا ہوا ہے۔فارس کہلاتا تھا۔اور کِش انہی حدود کے اندر ہے۔جب کِش کی حکومت سے تیمور نے اپنے چچا حاجی برلاس کو نکال دیا تو انہوں نے خراسان میں پناہ لی اور وہیں فوت ہو گئے تیمور نے بعد ازاں خراسان کا علاقہ فتح کر کے اپنے چچا کی اولاد کو جاگیر میں دے دیا۔اس لیے انہوں نے وہاں ہی رہائش اختیار کر لی۔

مگر کچھ عرصہ بعد اس خاندان کے ایک بزرگ مرزا ہادی بیگ صاحب اپنے کنبے کے تمام افراد کو لے کر دوبارہ اپنے آبائی وطن علاقہ سمرقند واپس آگئے اور کچھ مدت وہاں رہنے کے بعد نہ معلوم کن وجوہ کی بنا پر اپنے وطن عزیز کو خیر باد کہہ کر عازمِ ہند ہو گئے۔

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 1، سن اشاعت 1960ء)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنے خاندانی حالات کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: ''ہماری قوم مغل برلاس ہے۔اور میرے بزرگوں کے پُرانے کاغذات سے جواب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے اور ان کے ساتھ قریباً۔دوسو آدمی ان کے توابع اور خُدام اور اہل وعیال میں سے تھے اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے اور اس قصبہ کی جگہ جو اس وقت ایک جنگل پڑا ہوا تھا جو لاہور سے تخمیناً پچاس کوس گوشہ شمالی مشرق واقع ہے فروکش ہو گئے۔جس کو انہوں نے آباد کر کے اس کا نام اسلام پورہ رکھا جو پیچھے اسلام پورہ قاضی ماجھی کے نام سے مشہور ہوا اور رفتہ رفتہ اسلام پورہ کا لفظ لوگوں کو بھول گیا اور قاضی ماجھی کی جگہ قاضی رہا اور پھر آخر قادی بنا اور اس سے بگڑ کر قادیان بن گیا۔(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 2، سن اشاعت 1960ء)

مرزا ہادی بیگ کی وفات کے بعد ان کے خاندان کی عظمت وجلال میں اضافہ ہوتا گیا یہاں تک کہ ان کی نویں پشت میں مرزا فیض محمد صاحب کے عہد اقتدار میں اس خاندان کے سلطنت مغلیہ کے ساتھ اور بھی گہرے تعلقات قائم ہو گئے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں: کہ میرے پردادا مرزا گل محمد صاحب ایک نامور اور مشہور رئیس اس نواح کے تھے جن کے پاس اس وقت پچاسی گاؤں تھے اور بہت سے گاؤں سکھوں کے متواتر حملوں کی وجہ سے ان کے قبضہ سے نکل گئے۔تاہم ان کی جوانمردی اور فیاضی کی یہ حالت تھی کہ اس قدر قلیل میں سے بھی کئی گاؤں انہوں نے مروّت کے طور پر بعض تفرقہ زدہ مسلمان رئیسوں کو دے دیئے تھے۔ان کی وفات کے بعد بجائے ان کے میرے دادا صاحب یعنی مرزا عطا محمد صاحب فرزندِ رشید اُن کے گدی نشین ہوئے۔اُن کے وقت میں خدا تعالیٰ کی حکمت اور مصلحت سے لڑائی میں سکھ غالب آئے دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لیے سب تدبیریں کیں مگر قضا وقدر اُن کے اِرادہ کے

موافق نہ تھی۔اس لیے ناکام رہے یہاں تک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس ایک قادیان رہ گئی اور قادیان اس وقت ایک قلعہ کی صورت پر قصبہ تھا اور اس کے چار بُرج تھے اور بُرجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے اور چند توپیں تھیں اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اُونچی اور خاصی چوڑی تھی۔اور ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا اوّل فریب کی راہ سے اجازت لے کر قادیان میں داخل ہوا اور پھر قبضہ کر لیا۔اور اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی مانند پکڑے گئے اور ان کے مال ومتاع سب لوٹی گئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کیے گئے اور جہالت اور تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔اور بعض مسجدیں جن میں اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرمسالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلایا گیا جس میں پانچ سو نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا جو نہایت بے اَدبی سے جلایا گیا۔اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔چنانچہ تمام مردوزن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔تھوڑے عرصے کے بعد انہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی۔پھر رنجیت سنگھ کے آخری زمانہ میں میرے والد صاحب قادیان واپس آئے اور مرزا صاحب موصوف کو اپنے والد صاحب کے دیہات میں سے پانچ گاؤں واپس ملے۔بلحاظ پُرانے خاندان کے میرے والد صاحب غلام مرتضٰی صاحب اس نواح میں مشہور رئیس تھے۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 5، سن اشاعت 1960ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حلیہ مبارک

آپ کے تمام حلیہ کا خلاصہ ایک فقرہ میں یہ ہوسکتا ہے کہ ''آپ مردانہ حُسن کے اعلےٰ نمونہ تھے'' مگر یہ فقرہ نامکمل رہے گا اگر اس کے ساتھ دُوسرا یہ نہ ہو کہ ''یہ حُسن ایک رُوحانی چمک دمک اور اَنوار اپنے ساتھ لیے ہوئے تھا'' اور جس طرح آپؑ جمالی رنگ میں اس اُمّت کے لیے مبعوث ہوئے تھے اسی طرح آپؑ کا جمال بھی خدا کی قدرت کا نُمونہ تھا اور دیکھنے والے کے دل کو اپنی طرف کھینچتا تھا۔آپؑ کے چہرہ پر نُورانیت کے ساتھ رعونت، ہیبت اور اِستکبار نہ تھے بلکہ فروتنی، خاکساری اور محبت کی آمیزش موجود تھی۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 365، سن اشاعت 1960ء)

آپ کا جسم نہ دُبلا تھا نہ آپ بہت موٹے تھے البتہ آپ دوہرے جسم کے مالک تھے قد متوسط تھا اندازاً پانچ فٹ آٹھ انچ کے قریب ہوگا۔کندھے اور سینہ چوڑا اور آخر تک سیدھے رہے نہ کمر جھکی نہ کندھے۔تمام جسم کے اعضاء میں تناسب تھا۔غرض کسی قسم کی بدصورتی آپؑ کے جسم میں نہ تھی۔جلد آپ کی متوسط درجہ کی تھی نہ سخت نہ کُھردری اور نہ ایسی ملائم جیسی عورتوں کی ہوتی ہے۔آپ کا جسم پلپلا اور نرم نہ تھا بلکہ مضبوط اور جوانی کی سختی لیے ہوئے۔آخر عمر میں آپؑ کی کھال کہیں سے بھی نہیں لٹکی نہ آپؑ کے جسم پر جُھریاں پڑیں۔

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 366، سن اشاعت 1960ء)

آپؑ کا رنگ گندمی اور نہایت اعلیٰ درجہ کا گندمی تھا یعنی آپؑ میں ایک نورانیت اور سُرخی جھلک مارتی تھی اور یہ چمک جو آپؑ کے چہرہ کے ساتھ وابستہ تھی عارضی نہ تھی بلکہ دائمی۔کبھی کسی صدمہ، رنج، ابتلاء، مقدمات اور مصائب کے وقت آپؑ کا رنگ زرد ہوتے نہیں دیکھا۔اور ہمیشہ چہرہ مبارک کندن کی طرح دمکتا رہتا تھا کسی مصیبت اور تکلیف نے اس چمک کو دُور نہیں کیا۔علاوہ اس چمک اور نُور کے آپؑ کے چہرہ پر ایک بشاشت اور تبسم ہمیشہ رہتا تھا۔(حیاتِ طیبہ: حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل: صفحہ 366، سن اشاعت 1960ء)

آپؑ کے سر کے بال نہایت باریک، سیدھے، چکنے، چمکدار اور نرم تھے اور مہندی کے رنگ سے رنگین ہی رہتے تھے۔گھنے اور کثرت سے نہ تھے بلکہ کم کم اور نہایت ملائم تھے۔گردن تک لمبے تھے۔(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 367، سن اشاعت 1960ء)

آپؓ کی داڑھی اچھی گھندار تھی۔ بال مضبوط، موٹے اور چمکدار سید ھے اور نرم حنا سے سُرخ رنگے ہوتے تھے۔ داڑھی کو لمبا چھوڑ کر حجامت کے وقت فاضل بال آپؓ کتروا دیتے تھے۔ (حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 367، سن اشاعت 1960ء)

آپؓ کا چہرہ کتابی یعنی معتدل لمبا تھا اور حالانکہ عمر شریف 70 اور 80 کے درمیان تھی پھر بھی جھریوں کا نام ونشان نہ تھا اور نہ متفکر اور غصہ وَر طبیعت والوں کی طرح پیشانی پرشکن کے نشانات نمایاں تھے۔ رنج، فکر، تردّد یا غم کے آثار چہرہ دیکھنے کی بجائے زیارت کنندہ اکثر تبسم اور خوشی کے آثار ہی دیکھتا تھا۔ آپؓ کی آنکھوں کی سیاہی، سیاہی مائل شربتی رنگ کی تھی اور آنکھیں بڑی بڑی تھیں۔۔۔۔۔۔۔ رُخسار مبارک آپؓ کے نہ پچکے ہوئے اَندر کو تھے نہ اتنے موٹے کہ بہت باہر کو نکل آئیں۔ نہ رخساروں کی ہڈیاں اُبھری ہوئی تھیں۔ بھنویں آپؓ کی الگ الگ تھیں۔ پیوستہ اُبرو نہ تھے۔
(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 368، سن اشاعت 1960ء)

پیشانی مبارک آپؓ کی سیدھی اور بلند چوڑی تھی اور نہایت درجہ کی فراست اور ذہانت آپؓ کی جبین سے ٹپکتی تھی آپؓ کے لب مبارک پتلے نہ تھے مگر تاہم ایسے موٹے نہ تھے کہ بُرے لگیں۔ دہانہ آپؓ کا متوسط تھا........ دندانِ مبارک آپؓ کے آخر عمر میں کچھ خراب ہو گئے تھے۔ یعنی کیڑا بعض داڑھوں کو لگ گیا تھا۔ جس سے کبھی کبھی تکلیف ہوتی تھی.......... مسواک آپؓ اکثر فرمایا کرتے تھے۔ پیر کی ایڑیاں آپؓ کی بعض دفعہ گرمیوں کے موسم میں پھٹ جایا کرتی تھیں۔ اگر چہ گرم کپڑے سردی گرمی میں برابر پہنتے تھے تاہم گرمیوں میں پسینہ بھی خوب آتا تھا۔ مگر آپؓ کے پسینہ میں کبھی بُو نہیں آتی تھی خواہ کتنے ہی دن بعد کُرتا بدلیں اور کیسا ہی موسم ہو..............

آپؓ کی گردن متوسط لمبائی اور موٹائی میں تھی۔ غسل جمعہ، حجامت، حنا، مسواک، روغن اور خوشبو اور آئینہ کا استعمال برابر مسنون طریق پر آپؓ فرمایا کرتے تھے آپؓ کو کسی قسم کے خاص لباس کا شوق نہ تھا۔ آخری ایام کے کچھ سالوں میں آپ کے پاس کپڑے سادے اور سلے سلائے بطورتحفہ کے بہت آتے تھے۔ خاص کر کوٹ، صدری اور پائجامہ قمیض وغیرہ جو اکثر شیخ رحمت اللہ لاہوری ہر عید، بقرعید کے موقعہ پر اپنے ہمراہ نذرانہ لاتے تھے۔ وہی آپؓ استعمال فرمایا کرتے تھے۔ مگر علاوہ ان کے کبھی کبھی آپؓ خود بھی بنوا لیا کرتے تھے۔ عمامہ تو اکثر خود ہی خرید کر باندھتے تھے جس طرح کپڑے بنتے تھے اور استعمال ہوتے تھے۔ اسی طرح ساتھ ساتھ خرچ بھی ہوتے جاتے تھے یعنی ہر وقت تبرک مانگنے والے طلب کرتے رہتے تھے۔ بعض دفعہ تو یہ نوبت پہنچ جاتی کہ آپؓ کپڑا بطور تبرک کے عطا فرماتے تو دوسرا بنوا کر اس وقت پہننا پڑتا۔

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:369، سن اشاعت 1960ء)

بنیان آپؓ کبھی نہ پہنتے تھے بلکہ اس کی تنگی سے گھبراتے تھے۔ گرم قمیض اور کوٹ جو پہنتے تھے ان کا اکثر اُوپر کا بٹن کُھلا رکھتے تھے اور قمیض کے کفوں میں اگر بٹن ہوں تو وہ بھی ہمیشہ کھلے رہتے تھے۔ آپؓ کی توجہ ہمہ تن اپنے مشن کی طرف تھی اور اصلاحِ اُمّت میں اتنے محو تھے کہ اصلاحِ لباس کی طرف توجہ نہ تھی۔۔۔۔۔ آپؓ ہمیشہ بڑا رومال رکھتے تھے۔ نہ کہ چھوٹا رومال جو آج کل بہت مروّج ہے۔ اس کے کونوں میں آپ مُشک اور ایسی ہی ضروری ادویہ جو آپؓ کے استعمال میں رہتی تھیں اور ضروری خطوط وغیرہ باندھ رکھتے تھے اور اسی رومال میں نقدی وغیرہ جو نذر لوگ مسجد میں پیش کر دیتے تھے باندھ لیا کرتے۔ گھڑی بھی آپؓ ضرور اپنے پاس رکھا کرتے مگر اُس کی کُنجی دینے میں چونکہ اکثر ناغہ ہوتا۔ اس لیے اکثر وقت غلط ہی ہوتا تھا اور چونکہ گھڑی جیب میں سے اکثر نکل پڑتی اس لیے آپؓ اسے بھی رُومال میں باندھ لیا کرتے۔ گھڑی کو ضرورت کے لیے رکھتے نہ زیبائش کے لیے۔ (حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 370، سن اشاعت 1960ء)

آپؓ کو دیکھ کر کوئی شخص ایک لمحہ کے لیے بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس شخص کی زندگی یا لباس میں کسی قسم کا تصنّع ہے یا یہ زیب و زینتِ دینوی کا دلدادہ

ہے۔ہاں البتہ **وَ الرُّجزَ فَاھجُرۡ** کے ماتحت آپؑ صاف اور سُتھری چیز ہمیشہ پسند فرماتے اور گندی اور میلی چیز سے سخت نفرت رکھتے۔۔۔۔ عمامہ شریف آپؑ ململ کا باندھا کرتے تھے اور اکثر دس گز یا کچھ اُوپر لمبا ہوتا تھا۔شملہ آپؑ لمبا چھوڑتے تھے کبھی شملہ کو آگے ڈال لیا کرتے اور کبھی اس کا پلّہ دہنِ مبارک پر بھی رکھ لیتے جب کہ مجلس میں خاموشی ہوتی۔۔۔۔۔۔جرابیں آپؑ سردیوں میں استعمال فرماتے اور ان پر مسح فرماتے۔ بعض اوقات زیادہ سردی میں دو دو جرابیں اُوپر تلے چڑھا لیتے۔۔۔۔۔۔ جوتی آپؑ کی دیسی ہوتی خواہ کسی وضع کی ہو۔پٹھواری، لاہوری، لدھیانوی، سلیم شاہی، ہر وضع کی پہن لیتے مگر ایسی جو کُھلی کُھلی ہو۔انگریزی بوٹ کبھی نہیں پہنا۔

لباس کے ساتھ ایک چیز کا اُور بھی ذکر کر دیتا ہوں۔وہ یہ کہ آپؑ عصا ضرور رکھتے تھے۔گھر میں یا جب مسجد مبارک میں روزانہ نماز کو جانا ہوتا تب تو نہیں مگر مسجد اقصیٰ کو جانے کے وقت یا جب باہر سیر وغیرہ کے لیے تشریف لے جاتے تو ضرور ہاتھ میں ہوا کرتا تھا اور موٹی اور مضبوط لکڑی کو پسند فرماتے مگر کبھی اس پر سہارا یا بوجھ دیکر نہ چلتے تھے۔(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 371، سن اشاعت 1960ء)

آپؑ کے پاس اکثر کنجیاں بھی رہتی تھیں یہ یا تو رُومال میں یا اکثر ازار بند میں باندھ کر رکھتے۔روئی دار کوٹ پہننا آپؑ کی عادت میں داخل نہ تھا نہ ایسی رضائی اُوڑھ کر باہر تشریف لاتے بلکہ چادر پشمینہ کی یا دُھسّہ رکھا کرتے تھے اور وہ بھی سر پر کبھی نہیں اوڑھتے تھے بلکہ کندھوں اور گردن تک رہتی تھی۔گلوبند اور دستانوں کی آپؑ کو عادت نہ تھی۔بستر آپؑ کا ایسا ہوتا تھا کہ ایک لحاف جس میں 6-5 سیر روئی کم از کم ہوتی تھی اور اچھا لمبا چوڑا ہوتا تھا چادر بستر کے اُوپر اور تکیہ اور توشک۔توشک آپؑ گرمی جاڑے دونوں موسموں میں بسبب سردی کے ناموافقت کے بچھاتے تھے۔

تحریر وغیرہ کا کام پلنگ پر ہی اکثر فرمایا کرتے اور دوات قلم بستر اور کتابیں یہ سب چیزیں پلنگ پر موجود رہا کرتی تھیں۔کیونکہ یہی میز، کُرسی اور لائبریری سب کا کام دیتی تھی اور "**مَا اَنَا مِنَ الۡمُتَکَلِّفِیۡنَ**" کا عملی نظارہ خوب واضح طور پر نظر آتا تھا۔

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 372، سن اشاعت 1960ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خوراک

حضرت اقدسؑ بہت ہی کم خور تھے اور بمقابلہ اس کام اور محنت کے جس میں حضورؑ دن رات لگے رہتے تھے۔اکثر حضورؑ کی غذا دیکھی جاتی تو بعض اوقات حیرانی سے بے اختیار لوگ یہ کہہ اُٹھتے تھے کہ اتنی خوراک پر یہ شخص کیونکر زندہ رہ سکتا ہے۔خواہ کھانا کیسا ہی عُمدہ اور لذیذ ہو اور کیسی بھوک ہو آپؑ کبھی حلق تک ٹھونس کر نہیں کھاتے تھے۔عام طور پر دن میں دو وقت مگر جب طبیعت خراب ہوتی تو دن بھر میں ایک ہی دفعہ نوش فرمایا کرتے تھے علاوہ اس کے چائے وغیرہ ایک پیالی صبح کو بطور ناشتہ بھی پی لیا کرتے تھے۔مگر جہاں تک میں نے غور کیا آپؑ کو لذیذ مزیدار کھانے کا ہرگز شوق نہ تھا۔

عموماً آپؑ صبح کا کھانا 10 بجے سے لے کر ظہر کی اذان تک اور شام کا نمازِ مغرب کے بعد سے سونے کے وقت تک کھا لیا کرتے تھے، کبھی شاذ و نادر ایسا بھی ہوتا تھا کہ دن کا کھانا آپؑ نے بعد ظہر کھایا ہو۔

مدتوں آپؑ باہر مہمانوں کے ہمراہ کھانا کھایا کرتے تھے اور یہ دسترخوان گول کمرہ یا مسجد مبارک میں بچھا کرتا تھا اور خاص مہمان آپؑ کے ہمراہ دسترخوان پر بیٹھا کرتے تھے یہ عام طور پر وہ لوگ ہوا کرتے تھے جن کو حضرت صاحب نامزد کر دیا کرتے تھے ایسے دسترخوان پر کھانے والوں کی تعداد دس سے بیس پچیس تک ہو جایا کرتی تھی۔

گھر میں جب کھانا نوش جان فرماتے تھے تو آپؑ کبھی تنہا مگر اکثر حضرت اماں جان یا کسی ایک یا سب بچوں کو ساتھ لے کر تناول فرمایا کرتے تھے۔

سحری آپؑ ہمیشہ گھر میں ہی تناول فرمایا کرتے تھے اور ایک دو موجودہ آدمیوں کے ساتھ یا تنہا۔۔۔۔۔جب کھانا آگے رکھ دیا جاتا یا خوان بچھتا تو آپؑ اگر مجلس میں ہوتے تو یہ پوچھ لیا کرتے کیوں جی، شروع کریں؟ مطلب یہ کہ کوئی مہمان رہ تو نہیں گیا۔ یا سب کے آگے کھانا آ گیا۔

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 373-372، سن اشاعت 1960ء)

کھانے سے پہلے اور بعد میں ضرور ہاتھ دھویا کرتے تھے۔ (حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 377، سن اشاعت 1960ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب: بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ صاحب سنوری نے کہ حضرت صاحب فرماتے تھے کہ مجھے وہ لوگ جو دُنیا میں سادگی سے زندگی گزارتے ہیں بہت ہی پیارے لگتے ہیں۔ (سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ 240 نمبر 266 سن اشاعت 2008ء)

کس طرح کھانا تناول فرماتے تھے۔

جب کھانا آگے رکھ دیا جاتا یا خوان بچھتا تو آپ اگر مجلس میں ہوتے تو یہ پوچھ لیا کرتے۔ کیوں جی۔ شروع کریں؟ مطلب یہ کہ کوئی مہمان رہ تو نہیں گیا۔ یا سب کے آگے کھانا آ گیا۔ پھر آپ جواب ملنے پر کھانا شروع کرتے اُور تمام دوران میں نہایت آہستہ آہستہ چبا چبا کر کھاتے۔ کھانے میں کوئی جلدی آپ سے صادر نہ ہوتی۔ آپ کھانے کے دوران میں ہر قسم کی گفتگو فرمایا کرتے تھے۔ سالن آپ بہت کم کھاتے تھے اُور اگر کسی خاص دعوت کے موقعہ پر دو تین قسم کی چیزیں سامنے ہوں تو اکثر صرف ایک ہی پر ہاتھ ڈالا کرتے تھے اور سالن کی جو رکابی آپ کے آگے سے اُٹھتی تھی وہ اکثر ایسی معلوم ہوتی تھی کہ گویا اسے کسی نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ بہت بوٹیاں اور ترکاری آپ کو کھانے کی عادت نہ تھی۔ بلکہ صرف لعاب سے اکثر چھوءا کر ٹکڑا کھا لیا کرتے تھے۔ لقمہ چھوٹا ہوتا تھا اور روٹی کے ٹکڑے آپ بہت سے کر لیا کرتے تھے اُور یہ آپ کی عادت تھی۔ دستر خوان سے اُٹھنے کے بعد سب سے زیادہ ٹکڑے روٹی کے آپ کے آگے سے ملتے تھے اور لوگ بطور تبرک کے اُن کو اُٹھا کر کھا لیا کرتے تھے۔ آپ اس قدر کم خور تھے کہ باوجودیکہ سب مہمانوں کے برابر آپ کے آگے کھانا رکھا جاتا تھا۔ مگر پھر بھی سب سے زیادہ آپ کے آگے سے بچتا تھا۔ بعض دفعہ تو دیکھا گیا کہ آپ صرف روکھی روٹی کا نوالہ منہ میں ڈال لیا کرتے تھے اور پھر اُنگلی کا سرا شوربے میں تر کر کے زبان سے چھوءا دیا کرتے تاکہ لقمہ نمکین ہو جائے۔ پچھلے دنوں میں جب آپ گھر میں کھانا کھاتے تھے تو آپ اکثر صبح کے وقت مکّی کی روٹی کھایا کرتے تھے اور اس کے ساتھ کوئی ساگ یا صرف لسّی کا گلاس یا کچھ مکھن ہوا کرتا تھا یا کبھی اچار سے بھی کھا لیا کرتے تھے۔ آپ کا کھانا صرف اپنے کام کے لیے قوت حاصل کرنے کے لیے ہوا کرتا تھا نہ کہ لذّتِ نفس کے لیے۔ بارہا آپ نے فرمایا کہ ہمیں تو کھانا کھا کر یہ بھی معلوم نہیں ہوا کہ کیا پکا تھا اور ہم نے کیا کھایا۔ ہڈیاں چوسنے اور بڑا نوالہ اُٹھانے۔ زور زور سے چپڑ چپڑ کرنے، ڈکاریں مارنے یا رکابیاں چاٹنے یا کھانے کی مدح و ذم اور لذائذ کا تذکرہ کرنے کی آپ کو عادت نہ تھی۔ بلکہ جو پکتا تھا۔ وہ کھا لیا کرتے تھے کبھی کبھی آپ پانی کا گلاس یا چائے کی پیالی بائیں ہاتھ سے پکڑ کر پیا کرتے تھے اور فرماتے تھے ابتدائی عمر میں دائیں ہاتھ میں ایسی چوٹ لگی تھی کہ اب تک بوجھل چیز اس ہاتھ سے برداشت نہیں ہوتی اُکڑوں بیٹھ کر آپ کو کھانے کی عادت نہ تھی بلکہ آلتی پالتی مار کر بیٹھتے یا بائیں ٹانگ بٹھا دیتے اور دایاں گھٹنا کھڑا رکھتے۔

آپ صرف وہ چیزیں کھاتے تھے جو آپ کی طبیعت کے موافق ہوتی تھیں اور جن سے دماغی قوت قائم رہتی تھی تاکہ آپ کے کام میں حرج نہ ہو۔ اس لیے کہ آپ کو چند بیماریاں بھی تھیں۔ جن کی وجہ سے آپ کو کچھ پرہیز بھی رکھنا پڑتا تھا۔ مگر عام طور پر آپ سب طیّبات ہی استعمال فرما لیتے تھے۔ روٹی آپ تندوری اُور چولھے کی دونوں قسم کی کھاتے تھے۔ مکی کی روٹی بہت مدّت آپ نے آخری عمر میں استعمال فرمائی۔ کیونکہ آخری سات آٹھ سال سے آپ کو دستوں کی بیماری ہو گئی تھی اور ہضم کی طاقت کم ہو گئی تھی۔ سالن آپ بہت کم کھاتے تھے گوشت آپ کے

ہاں دو وقت پکتا تھا۔ مگر دال آپ کو گوشت سے زیادہ پسند تھی یہ دال ماش کی یا اُڑد کی ہوتی تھی۔ سالن ہر قسم کا اَور ترکاری عام طور پر ہر طرح کی آپ کے دستر خوان پر دیکھی گئی ہے اَور گوشت بھی ہر حلال اور طیّب جانور کا آپ کھاتے تھے۔ پرندوں کا گوشت آپ کو مرغوب تھا۔ مُرغ کا گوشت ہر طرح کا آپ کھا لیتے تھے سالن ہو یا بھنا ہوا، کباب ہو یا پلاؤ مگر اکثر ایک ران پر ہی گزارہ کر لیتے تھے۔ اور وہی آپ کو کافی ہو جاتی تھی بلکہ کبھی کچھ بچ بھی رہا کرتا تھا۔ پلاؤ بھی آپ کھاتے تھے، مگر ہمیشہ نرم گداز اور گلے گلے ہوئے چاولوں کا اور میٹھے چاول تو کبھی خود کہہ کر پکوا لیا کرتے تھے مگر گُڑ کے اور وہی آپ کو پسند تھے۔ عمدہ کھانے یعنی کباب مُرغ، پلاؤ یا انڈے اَور اسی طرح فیرنی، میٹھے چاول وغیرہ تب ہی آپ کہہ کر پکوایا کرتے تھے۔ جب ضعف معلوم ہوتا تھا۔ جن دنوں میں تصنیف کا کام کم ہوتا یا صحت اچھی ہوتی تو ان دنوں معمولی کھانا ہی کھاتے تھے اور وہ بھی کبھی ایک وقت ہی صرف اور دوسرے وقت دُودھ وغیرہ سے گزارہ کر لیتے۔ دُودھ، بالائی، مکھن یہ اشیاء بلکہ بادام روغن تک صرف قوت کے قیام اَور ضعف کے دُور کرنے کو استعمال فرماتے تھے اور ہمیشہ معمولی مقدار میں۔ دُودھ کا استعمال آپ اکثر رکھتے تھے اَور سوتے وقت تو ایک گلاس ضرور پیتے تھے اور دن کو بھی۔ دن کے کھانے کے وقت پانی کی جگہ گرمی کے موسم میں آپ لسّی بھی پی لیا کرتے تھے۔ اور برف موجود ہو تو اس کو بھی استعمال فرما لیا کرتے تھے۔ ان چیزوں کے علاوہ شیرہ بادام بھی گرمی کے موسم میں جس میں چند دانہ مغز بادام اور چند چھوٹی الائچیاں اور کچھ مصری پیس کر چھن کر پڑتے تھے۔ پیا کرتے تھے۔ اور اگرچہ معمولاً نہیں مگر کبھی کبھی رفعِ ضُعف کے لئے آپ کچھ دِن متواتر یخنی گوشت یا پاؤں کی پیا کرتے تھے۔ یہ یخنی بھی بہت بدمزہ چیز ہوتی تھی۔ یعنی صرف گوشت کا اُبلا ہوا رَس ہوا کرتا تھا۔

میوہ جات آپ کو پسند تھے اور اکثر خدام بطور تُحفہ کے لایا بھی کرتے تھے۔ گاہے گاہے خود بھی منگواتے تھے پسندیدہ میوؤں میں سے آپ کو انگور، بمبئی کا کیلا، ناگپوری سنگترے، سیب، سردے اور سرولی آم زیادہ پسند تھے۔ باقی میوے بھی گاہے گاہے جو آتے رہتے تھے کھا لیا کرتے تھے۔ گنّا بھی آپ کو پسند تھا۔ شہتوت بیدانہ کے موسم میں آپ بیدانہ اکثر اپنے باغ کی جنس سے منگوا کر کھاتے تھے اور کبھی کبھی ان دنوں سیر کے وقت باغ کی جانب تشریف لے جاتے اور مع سب رفیقوں کے اسی جگہ بیدانہ تڑوا کر سب کے ہمراہ ایک ٹوکرے میں نوشِ جان فرماتے اَور خشک میوؤں میں سے صرف بادام کو ترجیح دیتے تھے۔ چائے آپ جاڑوں میں صبح کو اکثر مہانوں کے لیے بنواتے تھے اَور خود بھی پی لیا کرتے تھے۔ مگر عادت نہ تھی۔ سبز چائے استعمال کرتے اور سیاہ کو ناپسند فرماتے تھے۔ اکثر دُودھ والی میٹھی پیتے تھے۔

زمانہ موجودہ کے ایجادات مثلاً برف اور سوڈا لیمونیڈا۔ جنجر وغیرہ بھی گرمی کے دنوں میں پی لیا کرتے تھے۔ بلکہ شدّت گرمی میں برف بھی امرتسر، لاہور سے خود منگوا لیا کرتے تھے۔ بازاری مٹھائیوں سے بھی آپ کو کسی قسم کا پرہیز نہ تھا۔ نہ اس بات کی پرچول تھی کہ ہندو کی ساخت ہے یا مسلمانوں کی۔ لوگوں کی نذرانہ کے طور پر آوردہ مٹھائیوں میں سے بھی کھا لیتے تھے اور خود بھی روپیہ دو روپیہ کی مٹھائی منگوا کر رکھا کرتے تھے۔ یہ مٹھائی بچوں کے لیے ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ اکثر حضور ہی کے پاس چیزیں یا پیسہ مانگنے دوڑے آتے تھے۔ میٹھے بھرے ہوئے سموسے یا بیدانہ عام طور پر یہ دو ہی چیزیں آپ بچوں کے لئے منگوا رکھتے کیونکہ یہی قادیان میں ان دنوں میں اچھی بنتی تھیں۔

آپ کو کوئی عادت کسی چیز کی نہ تھی۔ پان البتہ کبھی کبھی دل کی تقویت یا کھانے کے بعد منہ کی صفائی کے لیے یا کبھی گھر میں سے پیش کر دیا گیا تو کھا لیا کرتے تھے۔ یا کبھی کھانسی نزلہ یا گلے کی خراش ہوئی تو بھی استعمال فرمایا کرتے تھے۔ حُقّہ تمباکو کو آپ کو ناپسند فرمایا کرتے تھے۔

کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ ضرور دھو لیا کرتے تھے اور سردیوں میں اکثر گرم پانی استعمال فرماتے۔ صابون بہت ہی کم برتتے تھے۔ کپڑے یا تولیے سے ہاتھ پونچھا کرتے تھے۔ کلّی بھی کھانے کے بعد فرماتے تھے۔ اور خلال بھی ضرور رکھتے تھے۔ جو اکثر کھانے کے بعد کیا کرتے تھے۔

رمضان کی سحری کے لیے آپ کے لیے سالن یا مرغی کی ایک ران اور فرنی عام طور پر ہوا کرتے تھے اَور سادہ روٹی کے بجائے ایک پراٹھا ہوا کرتا تھا۔ اگرچہ آپ اس میں سے تھوڑا سا ہی کھاتے تھے۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 378.372، سن اشاعت 1960ء)

الہام

کھانا کھلانے کی نسبت آپ کو ایک الہامی حکم ہے۔ یَا اَیُّهَا النَّبِیُّ اَطْعِمُوا الْجَائِعَ وَالْمُعْتَرَّ۔ اے نبی بھوکے اور سوال کرنے والے کو کھلاؤ۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:378، سن اشاعت 1960ء)

ادویات

آپ خاندانی طبیب تھے۔ آپ کے والد ماجد اس علاقہ میں نامی گرامی طبیب گزر چکے ہیں اور آپ نے بھی طِب سبقاً سبقاً پڑھی ہے مگر باقاعدہ مطب نہیں کیا۔ کچھ تو خود بیمار رہنے کی وجہ سے اَور کچھ چونکہ لوگ علاج پوچھنے آجاتے تھے آپ اکثر مفید اَور مشہور ادویہ اپنے گھر میں موجود رکھتے تھے نہ صرف یونانی بلکہ انگریزی بھی۔ آپ کئی قسم کی مقوی دماغ ادویات کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔ مثلاً کوکا، کولا، مچھلی کے تیل کا مرکب، ایسٹن سِرپ، کونین، فولاد وغیرہ اور خواہ کیسی ہی تلخ یا بدمزہ دوا ہو۔ آپ اس کو بے تکلّف پی لیا کرتے۔ سر کے دَورے اور سردی کی تکلیف کے لیے سب سے زیادہ آپ مشک یا عنبر استعمال فرمایا کرتے تھے۔ (حیاتِ طیّبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 372 تا 378، سن اشاعت 1960ء)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السّلام کا بچپن

حضرت مسیح موعودؑ کا بچپن نہایت ہی پاکیزہ اور درخشندہ تھا۔ نہ آپؑ کو دوسرے بچوں کے ساتھ فضول کھیلنے کودنے کی عادت تھی اور نہ شوخی و شرارت میں آپؑ دوسرے بچوں کا ساتھ دیتے تھے۔ آپؑ کو ایک دفعہ اَپنے عہدِ طفولیت میں سنّتِ انبیاء کے مطابق کچھ وقت بکریاں چرانے کا بھی موقعہ ملا۔ اور یہ تقریب اس طرح پیدا ہوئی کہ ایک مرتبہ آپؑ گاؤں سے باہر ایک کنوئیں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ آپؑ کو گھر سے کسی چیز کے منگوانے کی ضرورت محسوس ہوئی آپؑ نے ایک شخص کو جو قریب ہی بکریاں چرا رہا تھا۔ فرمایا کہ مجھے گھر سے یہ چیز لادو۔ اس نے کہا۔ میاں! میری بکریوں کی نگہداشت کون کرے گا؟ آپؑ نے فرمایا تم جاؤ! میں ان کی حفاظت کروں گا۔ چنانچہ آپؑ نے اس کی بکریوں کی نگرانی کی۔ اور اس طرح سے خُدا تعالیٰ نے ایک رنگ میں آپؑ سے سُنّتِ انبیاء پوری کروادی۔

(سیرۃ المہدی حصّہ اوّل صفحہ:250 طبع ثانی) (حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 10، سن اشاعت 1960ء)

آپؑ کے سوانح نگار اور مشہور مؤرّخ سلسلہ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانیؓ نے آپؑ کے بچپن کا ایک عجیب واقعہ یوں بیان کیا ہے کہ آپؑ چھوٹی عمر میں ہی اپنی ایک ہم عمر سے (جو بعد میں آپ کے ساتھ بیاہی گئی) فرمایا کرتے تھے کہ ''دُعا کر کہ خُدا میرے نماز نصیب کرے''۔

آپؑ کی پاکیزہ فطرت اور عمدہ عادات و خصائل ہی کا نتیجہ تھا کہ جس شخص نے بھی آپؑ کو بصیرت کی نگاہ سے دیکھا وہ آپؑ کا والہ وشیدا ہو گیا۔

ایک احمدی ٹیچر میاں محمد حسین صاحب سکنہ بلوچستان کی روایت ہے کہ:

''مجھے مولوی برہان الدین صاحب رضی اللہ عنہ نے بتایا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام مولوی غلام رسول صاحب قلعہ میہاں سنگھ کے پاس گئے اور اس وقت حضور ابھی بچہ ہی تھے۔ اس مجلس میں کچھ باتیں ہو رہی تھیں۔ باتوں باتوں میں مولوی غلام رسول صاحب نے جو کہ ولی اللہ و صاحبِ کرامات تھے فرمایا کہ: ''اگر اس زمانہ میں کوئی نبی ہوتا تو یہ لڑکا نبوت کے قابل ہے''۔

اُنہوں نے یہ بات حضرت مسیح موعود علیہ السّلام پر محبت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہی۔مولوی برھان الدین صاحبؓ کہتے ہیں کہ مَیں خود اس مجلس میں موجود تھا۔(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ صفحہ:11-10، سن اشاعت 1960ء)

حضرت اقدس کی تعلیم

انگریزی حکومت سے قبل پنجاب میں سکھوں کی حکومت تھی اور سکھ حکومت کی تعلیم کی طرف مطلقاً توجہ نہ تھی۔روسائے ملک اپنے گھروں میں ہی اُساتذہ کو بطور اتالیق رکھ لیتے تھے انگریزوں کے ابتدائی زمانہ میں کم وبیش یہی نظام قائم رہا۔اسی طرح پر حضرت اقدس کی تعلیم کے لیے بھی انتظام کیا گیا۔چونکہ حضرت اقدس نے اپنی ابتدائی تعلیم کا خود ذکر فرمایا ہے اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضورؑ ہی کے الفاظ میں اسے دُہرایا جائے۔

حضورؑ فرماتے ہیں:''جب میں چھ سال کا تھا تو ایک فارسی خواں معلم میرے لیے نوکر رکھا گیا۔جنہوں نے قرآن شریف اور چند فارسی کتابیں مجھے پڑھائیں اور اس بزرگ کا نام فضل الٰہی تھا اور جب میری عمر قریباً دس برس کی ہوئی تو ایک عربی خواں مولوی صاحب میری تربیت کے لیے مقرر کیے گئے جن کا نام فضل احمد تھا۔میں خیال کرتا ہوں کہ چونکہ میری تعلیم خدا تعالیٰ کے فضل کی ایک ابتدائی تخم ریزی تھی اس لیے ان اُستادوں کا پہلا لفظ بھی فضل ہی تھا۔مولوی صاحب موصوف جو ایک دین دار اور بزرگ آدمی تھے وہ بہت توجہ اور محنت سے پڑھاتے رہے اور میں نے صرف کی بعض کتابیں اور کُچھ قواعدِ نحو اُن سے پڑھے اور بعد اس کے جب میں سترہ یا اٹھارہ برس کا ہوا تو ایک اور مولوی صاحب سے چند سال پڑھنے کا اتفاق ہوا اور ان کا نام گل علی شاہ تھا۔ان کو بھی میرے والد صاحب نے نوکر رکھ کر قادیان پڑھانے کے لیے مقرر کیا تھا اور ان آخر الذکر مولوی صاحب سے میں نے نحو اور منطق اور حکمت وغیرہ علوم مروجہ کو جہاں تک خدا تعالیٰ نے چاہا حاصل کیا اور بعض طبابت کی کتابیں میں نے اپنے والد صاحب سے پڑھیں۔اور وہ فن طبابت میں بڑے حاذق طبیب تھے۔''

اس اقتباس میں تین اساتذہ کا ذکر ہے اُن میں سے پہلے اُستاد یعنی مولوی فضل الٰہی صاحب قادیان کے باشندہ اور مذہباً حنفی تھے دوسرے اُستاد یعنی مولوی فضل احمد صاحب فیروز والہ ضلع گوجرانوالہ کے باشندہ اور مذہباً اہلحدیث تھے اور تیسرے استاد مولوی گل علی شاہ بٹالہ کے باشندہ اور مذہباً شیعہ تھے گویا خدا تعالیٰ نے آپ کی تعلیم کے لیے ایسے اُساتذہ مہیا کیے جو مسلمانوں کے مشہور فرقوں کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔اور ایسا اس لیے ہوا کہ آپ کے ذمہ مستقبل قریب میں تمام مسلمانوں کی اصلاح کا ایک عظیم الشان کام سپرد کیا جانے والا تھا اور اس انتظام کی وجہ سے آپ کو ہر فرقہ کے عقائد اور اعمال سے ان اُساتذہ کی وجہ سے کچھ نہ کچھ واقفیت پیدا ہوگئی۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:12-11 سن اشاعت 1960ء)

نوجوانی کا زمانہ اور عبادت:

حضرت مسیح موعودؑ کی نوجوانی کے زمانے کے بعض واقعات جو عبادت کے متعلق ہیں درج ذیل ہیں:

''قادیان کے پاس کا ایک ہندو جاٹ بیان کیا کرتا تھا کہ میں مرزا صاحب سے بیس سال بڑا ہوں بڑے مرزا صاحب کے پاس میرا بہت آنا جانا تھا میرے سامنے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کوئی بڑا افسر یا رئیس بڑے مرزا صاحب سے ملنے کے لیے آتا تو باتوں باتوں میں ان سے پوچھتا کہ مرزا صاحب آپ کے بڑے لڑکے (یعنی مرزا غلام قادر صاحب کے ساتھ تو ملاقات ہوتی رہتی ہے لیکن آپ کے چھوٹے بیٹے کو کبھی نہیں دیکھا وہ جواب دیتے تھے کہ ''ہاں میرا دوسرا لڑکا غلام قادر سے چھوٹا ہے تو سہی پر وہ تو الگ ہی رہتا ہے''۔پھر وہ کسی کو بھیج کر مرزا صاحب کو بُلواتے تھے۔چنانچہ آپ آنکھیں نیچی کیے ہوئے آتے اور والد صاحب کے پاس ذرا فاصلہ پر بیٹھ جاتے اور یہ عادت تھی کہ بایاں ہاتھ اکثر منہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور

کچھ نہ بولتے۔اورنہ کسی کی طرف دیکھتے۔بڑے مرزا صاحب فرماتے کہ''اب تو آپ نے اس دُلہن کو دیکھ لیا'' بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا مسیتڑ ہے نہ نوکری کرتا ہے نہ کماتا ہے اور پھر وہ ہنس کر کہتے کہ چلو تمہیں کسی مسجد میں ملّا کروا دیتا ہوں۔دس من دانے تو گھر میں کھانے کو آجایا کریں گے۔۔۔آج وہ زندہ ہوتے تو دیکھتے کہ کیا بادشاہ بنا بیٹھا ہے اور سینکڑوں آدمی اس کے دَرّ کی غلامی کے لیے دُور دُور سے آتے ہیں۔(حیات طیبہ،حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ 13 سن اشاعت 1960ء)

حضرت مرزا بشیر احمد فرماتے ہیں:''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ذکر فرمایا کہ ایک دفعہ میں کسی مقدمہ کی پیروی کے لیے گیا۔عدالت میں اور مقدمے ہوتے رہے اور میں باہر ایک درخت کے نیچے انتظار کرتا رہا۔چونکہ نماز کا وقت ہو گیا تھا اس لیے میں نے وہیں نماز پڑھنا شروع کر دی۔مگر نماز کے دوران ہی مجھے آوازیں پڑنی شروع ہو گئیں مگر میں نماز پڑھتا رہا جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرے پاس عدالت کا بہرا کھڑا ہے۔سلام پھیرتے ہی اس نے مجھے کہا کہ مرزا صاحب مبارک ہو آپ مقدمہ جیت گئے ہیں۔

(سیرۃ المھدی صفحہ 14 روایت نمبر 17،سن اشاعت اگست 2008ء)

ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب فرماتے ہیں:''کہ 1895ء میں مجھے تمام ماہ رمضان قادیان میں گزارنے کا اتفاق ہوا اور میں نے تمام مہینہ حضرت صاحب کے پیچھے نماز تہجد یعنی تراویح ادا کی۔آپ کی یہ عادت تھی کہ وتر اوّل شب میں پڑھ لیتے تھے اور نماز تہجد آٹھ رکعت دو دو رکعت کر کے آخر شب میں اَدا فرماتے تھے۔جس میں آپ ہمیشہ پہلی رکعت میں آیت الکرسی تلاوت فرماتے تھے یعنی **اَللّٰہُ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ** سے **وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ** تک اور دوسری رکعت میں سورۃ اخلاص کی قرأت فرماتے تھے اور رکوع اور سجود میں **یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ** اکثر پڑھتے تھے اور ایسی آواز سے پڑھتے تھے کہ آپ کی آواز میں سن سکتا تھا۔........(سیرت المھدی جلد اوّل ص 295 روایت نمبر 320،سن اشاعت اگست 2008ء)

حضرت مرزا بشیر احمد بیان کرتے ہیں کہ:''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعودؑ اپنی جوانی کا ذکر فرمایا کرتے تھے کہ اس زمانہ میں مجھ کو معلوم ہوا یا فرمایا اشارہ ہوا کہ اس راہ میں ترقی کرنے کے لیے روزے رکھنے بھی ضروری ہیں۔فرماتے تھے پھر میں نے چھ ماہ لگاتار روزے رکھے اور گھر میں یا باہر کسی شخص کو معلوم نہ تھا کہ میں روزہ رکھتا ہوں۔صبح کا کھانا جب گھر سے آتا تھا تو میں کسی حاجت مند کو دے دیتا تھا اور شام کا خود کھالیتا تھا۔میں نے حضرت والدہ صاحبہ سے پوچھا کہ آخر عمر میں بھی آپ نفلی روزے رکھتے تھے یا نہیں؟ والدہ صاحبہ نے کہا کہ آخر عمر میں بھی آپ روزے رکھا کرتے تھے خصوصاً شوال کے چھ روزے التزام کے ساتھ رکھتے تھے اور جب کبھی آپ کو کسی خاص کام کے متعلق دُعا کرنا ہوتی تھی تو آپ روزہ رکھتے تھے ہاں مگر آخری دو تین سالوں میں بوجہ ضُعف و کمزوری رمضان کے روزے بھی نہیں رکھ سکتے تھے۔''

(سیرت المھدی جلد اوّل صفحہ 14 روایت نمبر 18،سن اشاعت اگست 2008ء)

حضرت مرزا بشیر احمد بیان کرتے ہیں کہ:''بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ ایک دفعہ جب مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اوّل) قادیان سے باہر گئے ہوئے تھے میں مغرب کی نماز میں آیا تو دیکھا کہ آگے حضرت مسیح موعودؑ خود نماز پڑھا رہے تھے۔قاضی صاحب نے فرمایا کہ حضرت صاحب نے چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھیں مگر سوز و درد سے لوگوں کی چیخیں نکل رہی تھیں۔جب آپ نے نماز ختم کرائی تو میں آگے ہوا مجھے دیکھ کر آپ نے فرمایا قاضی صاحب میں نے آپ کو بہت تلاش کیا مگر آپ کو نہیں پایا۔مجھے اس نماز میں سخت تکلیف ہوئی ہے۔عشاء کی نماز آپ پڑھائیں۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کی بات ہو گی۔(سیرت المھدی جلد اوّل صفحہ 21 نمبر روایت 28،سن اشاعت اگست 2008ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ:''بیان کیا ہم سے قاضی امیر حسین صاحب نے کہ مَیں اوائل میں اس بات کا قائل تھا کہ سفر میں قصر نماز عام حالات میں جائز نہیں بلکہ صرف جنگ کی حالت میں فتنہ کے خوف کے وقت جائز ہے اور اس معاملہ میں مولوی صاحب (حضرت

خلیفہ اوّل) کے ساتھ بہت بحث کیا کرتا تھا۔قاضی صاحب نے بیان کیا کہ جن دنوں میں حضرت مسیح موعودؑ کا گورداسپور میں مقدمہ تھا ایک دفعہ میں بھی وہاں گیا۔حضرت صاحب کے ساتھ مولوی صاحب (حضرت خلیفہ اوّل) اور مولوی عبدالکریم صاحب بھی تھے مگر ظہر کی نماز کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ قاضی صاحب آپ نماز پڑھائیں۔میں نے دل میں پختہ اِرادہ کیا کہ آج مجھے موقعہ ملا ہے میں قصر نہیں کروں گا بلکہ پوری پڑھوں گا تا اس مسئلہ کا کچھ فیصلہ ہو۔قاضی صاحب بیان کرتے ہیں کہ میں نے یہ اِرادہ کر کے ہاتھ اُٹھائے کہ قصر نہیں کروں گا حضرت صاحب میرے پیچھے دائیں طرف کھڑے تھے۔آپ نے فوراً قدم آگے بڑھا کر میرے کان کے پاس منہ کر کے فرمایا قاضی صاحب دو ہی پڑھیں گے نا؟ میں نے عرض کیا حضور دو ہی پڑھوں گا۔بس اس وقت سے ہمارا مسئلہ حل ہو گیا اور میں نے اپنا خیال ترک کر دیا۔

(سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ 25.24 روایت نمبر 33،سن اشاعت اگست 2008ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب:''بیان کیا مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے کہ جب 4 اپریل 1905ء کا زلزلہ آیا اس دن میں نے حضرت صاحب کو باغ میں آٹھ نو بجے صبح کے وقت نماز پڑھتے دیکھا اور میں نے دیکھا کہ آپ نے بہت لمبی نماز پڑھی تھی۔

(سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ 204 روایت نمبر 203،سن اشاعت اگست 2008ء)

شیخ کرم الٰہی صاحب پٹیالوی بیان کرتے ہیں کہ:''میں نے جب لدھیانہ میں حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کی تو میں نے اس خلوت کو غنیمت جان کر حضور سے دو تین امور کے متعلق استفسار کیا۔وہ سوالات اور جوابات جو حضور نے از راہ شفقت فرمائے وہ یہ ہیں:

سوال نمبر 1: خاکسار نقش بندیہ طریق میں بیعت ہونے سے قبل فرقہ اہل حدیث جس کو عام لوگ وہابی کے لفظ سے یاد کرتے ہیں میں بھی شامل رہا ہے اس وقت سے نمازوں کو جمع کرنے کی عادت پڑ گئی ہے اس بارہ میں حضور کا کیا ارشاد ہے:

جواب:حضور نے فرمایا کہ جمع صلاتین کے بارہ میں میرے نزدیک مخالف و موافق ہر دو فریق نے افراط و تفریط سے کام لیا ہے ایک طرف اس پر عاملین کا تو یہ حال ہے کہ بلا عذر شرعی یا جائز ضرورت کے نمازیں جمع کر لیتے ہیں یہاں تک کے حقہ ذرا اچھا چل رہا ہے یا تاش وغیرہ کھیل رہے ہیں اذان ہوئی تو ان کو چھوڑ کر کون جائے جھٹ نماز جمع کرنے کی ٹھان لیتے ہیں چاہے دوسری نماز بھی اَدا ہو جائے یا دونوں ضائع ہو جائیں فرمایا! یہ بہت بُری بات ہے نماز جیسے ضروری فرض میں کوتاہی اور غفلت ایمان کی کمزوری پر دال ہے اور دوسری طرف حنفی صاحبان کا یہ حال ہے کہ کیسی ہی ضرورت اور عذر جائز ہو تو نماز قضاء تو کر دیں گے مگر اہل حدیث کی ضد اور مخالفت میں جمع نہ کریں گے فرمایا کہ کوئی ان لوگوں سے پوچھے کہ حج کے موقع پر ایک نماز ہر حاجی کو ٹھیک ادائے رسوم حج کے وقت لازمی طور پر جمع کرنی پڑتی ہے اگر یہ فعل ایسا ہی ممنوع ہوتا جیسا آپ لوگوں کے عمل سے ہویدا ہے تو ایسے مقدّس مقام پر اس کی اجازت کیسے ہوتی۔دراصل ضرورت اور عدم ضرورت کا سوال ہے اور یہی اس بارہ میں معیار ہے۔

سوال نمبر 2: خاکسار نے عرض کیا کہ میں نے بارہا صوفیاء کی مجلس حال و قال میں اور شیعہ وغیرہ کی مجالس میں محرم وغیرہ میں قصداً اس غرض سے شامل ہو کر دیکھا ہے کہ یہ اس قدر گریہ و بکا اور چیخ و پکار جو کرتے ہیں مجھ پر بھی کوئی حالت کم از کم رقت وغیرہ ہی طاری ہو مگر مجھے کبھی رقت نہیں ہوئی۔

جواب:حضور نے فرمایا کہ ان مجالس میں جو شور و شغب ہوتا ہے اس کا بہت حصہ تو محض دکھاوے یا بانی مجلس کے خوش کرنے کے لیے ہوتا ہے اور باقی رسم اور عادت کے طور پر بھی ایسا کرتے ہیں کیونکہ اُنکا خیال ہوتا ہے کہ اس موقعہ پر ایسا کرنا موجب ثواب ہے لیکن مومن کے لیے رقیق القلب ہونا ضروری ہے اس کے لیے نمازیں وقت پر اور خشوع خضوع سے اَدا کرنا اور کثرت استغفار درود شریف اور نمازوں میں سورہ فاتحہ کی

تلاوت کے وقت **اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ** کا تکرار بطور علاج فرمایا۔

سوال نمبر 3: خاکسار نے بطور درود و وظائف کچھ پڑھنے کے واسطے دریافت کیا۔

جواب: تو حضورؑ نے فرمایا کہ آپ کی ملازمت بھی نازک اور ذمہ داری کی ہے بس نمازوں کو سنوار کر وقت پر اَدا کرنا اور اتباع سنت اور چلتے پھرتے درود شریف، استغفار پڑھنے اور وقت فرصت قرآن مجید کی سمجھ کر تلاوت کو کافی فرمایا۔ خاکسار کے مکرر اصرار پر نماز فرض کے بعد اُسی نشست میں گیارہ دفعہ **لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ** پڑھنے کے لیے ارشاد فرمایا۔ (سیرت المہدی جلد دوم ص88 روایت نمبر 1114، سن اشاعت اگست 2008ء)

میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضورؑ نے فرمایا کہ ''مشکلات کیا چیز ہیں؟ دس دِن کوئی نماز تہجد پڑھے خواہ کیسی ہی مشکل ہو خدا تعالیٰ حل کر دے گا۔ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْر**۔ (سیرت المہدی حصہ دوم ص171 روایت نمبر 1253، سن اشاعت اگست 2008ء)

میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضورؑ کی مجلس میں **''لَا صَلٰوةَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْب''** پر ذکر فرمایا کہ ''حضور قلب یہی ہے کہ جب اذان ہو مسجد میں چلا جاوے۔ آگے نماز میں توجہ قائم ہو یا نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اختیار کی بات ہے بندہ کا کام ہے کہ وقت پر حاضر ہو جائے۔ (سیرت المہدی جلد دوم ص258 روایت نمبر: 1462، سن اشاعت اگست 2008ء)

میاں خیر الدین سیکھوانی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ (حضرت مسیح موعودؑ نے۔ ناقل) ایک دفعہ فرمایا کہ ''دُعا نماز میں کرنی چاہیے رکوع میں، سجدہ میں، بعد تسبیحات مسنونہ اپنی زبان میں دُعا مانگے بعض لوگ نماز تو جلدی جلدی پڑھ لیتے ہیں اور بعد نماز ہاتھ اُٹھا کر لمبی لمبی دُعائیں کرتے ہیں اس کی مثال ایسی ہے کہ جب سامنے کھڑا ہوا اُس وقت مانگتا نہیں، جب باہر آ جائے تو پھر دروازہ جا کر کھڑکانے لگے۔ نمازی نماز کے وقت خدا تعالیٰ کے حضور سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اس وقت تو جلدی جلدی نماز پڑھ لیتا ہے اور کوئی حاجت یا ضرورت خدا تعالیٰ کے حضور پیش نہیں کرتا لیکن جب نماز سے فارغ ہو کر حضوری سے باہر آ جاتا ہے پھر مانگنا شروع کرے (یہ ایک قسم کی سوءِ ادبی ہوگی) اس کے یہ معنے نہیں کہ بغیر نماز دُعا جائز نہیں صرف یہ مطلب ہے کہ نماز کے وقت خاص حضوری ہوتی ہے اس وقت ایسا نہیں کرنا چاہیے بلکہ بہتر ہے کہ نماز کے اندر دُعا کرے وہ قبولیت کا وقت ہوتا ہے۔ (سیرت المہدی جلد دوم ص261 روایت نمبر: 1471، سن اشاعت اگست 2008ء)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی زیارت

1864ء یا 1865ء میں جب آپ کی عمر تیس یا اکتیس برس کی تھی۔ آپ نے ایک کشف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کو دیکھا۔ اس کشف میں چونکہ آپ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے محبت اور عشق پر روشنی پڑتی اور آپ کے شاندار مستقبل کی نشاندہی ہوتی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں: اوائل جوانی میں ایک رات مَیں نے رؤیا میں دیکھا کہ مَیں ایک عالی شان مکان میں ہوں جو نہایت پاک اور صاف ہے اور اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا ذکر اور چرچا ہو رہا ہے۔ مَیں نے لوگوں سے دریافت کیا کہ حضورؐ کہاں تشریف فرما ہیں؟ انہوں نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ چنانچہ میں دوسرے لوگوں کے ساتھ مل کر اس کے اَندر چلا گیا اور جب میں حضورؐ کی خدمت میں پہنچا تو حضورؐ بہت خوش ہوئے اور آپؐ نے مجھے بہتر طور پر میرے سلام کا جواب دیا۔ آپؐ کا حسن و جمال اور ملاحت اور آپؐ کی پُر شفقت و پُر محبت نگاہ مجھے اب تک یاد ہے اور مجھے کبھی بھول نہیں سکتی۔ آپؐ کی محبت نے مجھے فریفتہ کر لیا اور آپؐ کے حسین و جمیل چہرہ نے مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اس وقت آپؐ نے مجھے فرمایا۔ اے احمد تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا چیز ہے؟ جب مَیں نے اپنے دائیں ہاتھ کی طرف دیکھا تو معلوم ہوا کہ میرے ہاتھ میں ایک کتاب ہے اور وہ مجھے اپنی ہی ایک تصنیف معلوم ہوئی۔ مَیں نے عرض کیا۔ حضورؐ! **یہ میری ایک تصنیف ہے**"۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے اس کتاب کو دیکھ کر عربی زبان میں پوچھا۔ کہ تُو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا ہے؟ خاکسار نے عرض کیا کہ اس کتاب کا نام مَیں نے قُطبی رکھا ہے غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے وہ کتاب مجھ سے لے لی اور جب وہ کتاب حضرت مقدسؐ نبوی کے ہاتھ میں آئی تو آنجنابؐ کا ہاتھ مبارک لگتے ہی ایک نہایت خوشرنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی کہ جو اُمرود سے مشابہ تھا۔ مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کے لیے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا کہ آنجنابؐ کا ہاتھ مبارک مرفق تک شہد سے بھر گیا۔ تب ایک مُردہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا۔ آنحضرتؐ کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا اور یہ عاجز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے سامنے کھڑا تھا۔ جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور آنحضرتؐ بڑے جاہ وجلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے۔

پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ تا مَیں اس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے سے زندہ ہوا اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں اور وہ ایک قاش میں نے اس نئے زندہ کو دے دی اَور اس نے وہیں کھالی۔ پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا تو" میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی کرسی اُونچی ہوگئی ہے حتیٰ کہ چھت کے قریب جا پہنچی ہے۔ اَور مَیں نے دیکھا کہ اس وقت آپؐ کا چہرہ مبارک ایسا چمکنے لگا کہ گویا اس پر سورج اَور چاند کی شعائیں پڑ رہی ہیں اور مَیں ذوق اور وجد کے ساتھ آپؐ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھ رہا تھا اور میرے آنسو بہہ رہے تھے۔ پھر مَیں بیدار ہو گیا اس وقت بھی مَیں کافی رو رہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا کہ وہ مُردہ شخص اسلام ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے روحانی فیوض کے ذریعہ سے اب میرے ہاتھ پر زندہ کرے گا۔ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ عَلٰی آلِ مُحَمَّدٍوَّ بَارِكْ وَ سَلِّمْ اِنَّكَ حَمِيْدٌ مَّجِيْدٌ**"۔

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 17.18، جنوری 1960ء)

سیالکوٹ میں ملازمت

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو 1864ء کے قریب سیالکوٹ میں بکراہت چند سال سرکاری ملازمت کرنی پڑی اور اس ملازمت کی وجہ سے آپ چار سال سیالکوٹ میں رہے۔ وہاں جو تجربہ آپ کو حاصل ہوا اس کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں: "اس تجربہ سے مجھے معلوم ہوا کہ اکثر نوکری پیشہ نہایت گندی زندگی بسر کرتے ہیں۔ ان میں بہت کم ایسے ہوں گے جو پورے طور پر صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوں اور جو اُن ناجائز خطوط سے اپنے تئیں بچا سکیں جو ابتلاء کے طور پر اُن کو پیش آتے رہتے ہیں۔ مَیں ہمیشہ ان کے منہ دیکھ کر حیران رہا اَور اکثر کو ایسا پایا کہ ان کی تمام دلی خواہشیں مال ومتاع تک، خواہ حلال کی وجہ سے ہوں یا حرام کے ذریعہ سے محدود تھیں اور بہتوں کی دن رات کی کوششیں صرف اس مختصر زندگی کی دنیوی ترقی کے لیے مصروف پائیں۔ مَیں نے ملازمت پیشہ لوگوں کی جماعت میں بہت کم ایسے لوگ پائے کہ جو محض خُدا تعالیٰ کی عظمت کو یاد کر کے اخلاقِ فاضلہ، حلم وکرم اَور عفّت اور تواضع اور انکسار اَور خاکساری اَور ہمدردی خلق اور پاک باطنی اور اکلِ حلال اَور صدقِ مقال اَور پرہیزگاری کی صفت اَپنے اَندر رکھتے ہوں بلکہ بہتوں کو تکبّر اَور بدچلنی اَور لاپرواہی دین اَور طرح طرح کے اخلاقِ رذیلہ میں شیطان کے بھائی پایا اَور چونکہ اللہ تعالیٰ کی یہ حکمت تھی کہ ہر ایک قسم اَور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو اس لیے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا"۔

ملازمت قید خانہ ہے

چنانچہ سیالکوٹ کی ملازمت کے دوران میں ایک مرتبہ آپ کی والدہ محترمہ نے قادیان کے ایک حجام حیات نامی کے ذریعہ آپ کو چار جوڑے

کپڑوں کے بھجوائے۔آپ کی فیاض طبیعت نے ان جوڑوں میں سے ایک جوڑا اس حجام کے حوالہ کر دیا حالانکہ وہ خاص اہتمام سے آپ ہی کے لیے تیار کروائے گئے تھے۔اس حجام نے بر سبیل تذکرہ آپ سے ملازمت کے متعلق عرض کیا کہ کیا آپ کو یہ ملازمت پسند ہے؟فرمایا:۔"قید خانہ ہی ہے"۔

حفاظتِ الٰہی کا معجزانہ واقعہ

سیالکوٹ تشریف لے جانے پر سب سے پہلے آپ کو محلّہ جھنڈانوالہ میں ایک چوبارے میں رہنا پڑا۔اس چوبارے کے گرنے اور معجزانہ طور پر آپ کے طفیل اس کے اندر کے تمام اَفراد کے محفوظ رہنے کے واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے آپؑ فرماتے ہیں:۔"ایک رات میں ایک مکان کی دوسری منزل پر سویا ہوا تھا اَور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ یا سولہ آدمی اور بھی تھے رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔مَیں نے آدمیوں کو جگایا کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے۔یہاں سے نکل جانا چاہیے۔اُنہوں نے کہا کہ کوئی چوہا ہوگا خوف کی بات نہیں اَور یہ کہہ کر سو گئے۔تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی آواز آئی۔تب مَیں نے اُن کو دوبارہ جگایا مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پروانہ کی۔پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی تب مَیں نے اُن کو سختی سے اُٹھایا اَور سب کو مکان سے باہر نکالا۔اَور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا۔ابھی دوسرے زینہ پر تھا کہ وہ چھت نیچے گری اَور دوسری چھت کو ساتھ لے کر نیچے جا پڑی اَور سب بچ گئے"۔

قیامِ سیالکوٹ کے بعض حالات

چوبارہ کے گرنے کے بعد آپ کچھ عرصہ کشمیری محلّہ میں رہے اور پھر آخر تک سیالکوٹ کی جامع مسجد کے سامنے حکیم منصب علی صاحب وثیقہ نویس کے ہمراہ ایک بیٹھک میں وقت گزارا۔کشمیری محلّہ میں آپ میاں فضل دین صاحب کے چھوٹے بھائی عمرانامی کشمیری کے مکان پر رہا کرتے تھے میاں فضل دین صاحب کے عزیزوں میں سے کِسی نے مجھے بتایا کہ حضرت صاحب کے متعلق مشہور ہے کہ آپ جب کچہری سے واپس تشریف لاتے تھے تو دروازہ میں داخل ہونے کے بعد دروازہ کو پیچھے مُڑ کر بند نہیں کرتے تھے تاکہ گلی میں اچانک کسی نامحرم عورت پر نظر نہ پڑے بلکہ دروازہ میں داخل ہوتے ہی دونوں ہاتھ پیچھے کر کے پہلے دروازہ بند کر لیتے تھے اَور پھر پیچھے مُڑ کر زنجیر لگایا کرتے تھے۔گھر میں سوائے قرآن مجید پڑھنے اَور نمازوں میں لمبے لمبے سجدے کرنے کے اَور آپ کو کوئی کام نہ تھا۔بعض آیات لکھ کر دیواروں پر لٹکا دیا کرتے تھے اَور پھر ان پر غور کرتے رہتے تھے۔بعض اوقات دفتری کاموں کے لیے بعض زمیندار مکان پر آ کر ملنے کی خواہش کرتے تو فضل دین صاحب کو فرمایا کرتے کہ میاں فضل دین۔ان کو کہہ دو کہ مَیں تمہارا کام کچہری میں ہی کر دیا کروں گا۔یہاں آ کر یاد کروانے کی ضرورت نہیں۔خدمتِ خلق کا جذبہ بھی آپ کے دل میں بہت بڑھا ہوا تھا۔مہینہ بھر ملازمت کرنے کے بعد جو تنخواہ آپ دفتر سے لاتے اس میں سے خوراک وغیرہ کا معمولی خرچ رکھ کر باقی رقم میں سے محلّہ کی بیواؤں اَور محتاجوں کو کپڑے بنوا دیتے یا نقدی کی صورت میں تقسیم فرما دیتے۔علمِ طب سے بھی آپ کو کافی واقفیت تھی۔جو مریض آتا۔آپ اس کا علاج بھی کرتے اَور اس کی شفا کے لیے جنابِ الٰہی میں دُعا بھی فرماتے۔(حیاتِ طیبہ،حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ:18.20،سن اشاعت 1960)

والد صاحب کی طرف سے ملازمت چھوڑ کر قادیان پہنچنے کا ارشاد

حضرت اقدسؑ سیالکوٹ سے ملازمت چھوڑنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔"آخر چونکہ میرا جُدا رہنا میرے والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لیے اُن کے حکم سے جو عین میری منشاء کے مطابق تھا مَیں نے استعفیٰ دے کر اَپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی۔سبکدوش کر دیا اَور پھر والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔

آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال 1868ء

جب آپ کے والد ماجد نے آپ کو استعفیٰ دے کر واپس آنے کا ارشاد فرمایا تو آپ کی والدہ قادیان میں سخت بیمار تھیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بیماری کی حالت میں آپ کی والدہ ماجدہ نے بھی جنہیں آپ سے بہت محبت تھی آپ کے والد ماجد سے آپ کو واپس بُلانے کا تقاضا کیا ہوگا اور والد خود بھی چار سال کا لمبا عرصہ اپنے خُدا رسیدہ لختِ جگر سے جُدا رہنے پر اُداس ہو گئے ہونگے۔ چنانچہ جب آپ امرتسر پہنچے اور قادیان کے لیے یکّہ کا انتظام کیا تو اس اثناء میں قادیان سے ایک اور آدمی بھی آپ کو لینے کے لیے امرتسر پہنچ گیا۔ اس آدمی نے یکّہ بان سے کہا کہ یکّہ جلدی چلاؤ۔ آپ کی والدہ کی حالت بہت نازک تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد کہنے لگا۔ بہت ہی نازک تھی جلدی کرو کہیں فوت نہ ہو گئی ہوں۔ آپ کو یہ سنتے ہی یقین ہو گیا کہ والدہ ماجدہ کا انتقال ہو گیا ہے۔ چنانچہ جب آپ قادیان پہنچے۔ تو معلوم ہوا کہ آپ کا یہ گمان دُرست تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ واقعی انتقال کر چکی تھیں۔ **فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ**۔

آپ کے لیے اپنی والدہ ماجدہ کی جُدائی کا زخم شدید تھا۔ مگر آپ نے پورے صبر اَور سکون سے اس صدمہ عظیم کو برداشت کیا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کو آپ کی نیکی، تقویٰ اور پاکیزہ زندگی بسر کرنے کی وجہ سے شدید محبت تھی اَور ذرا ذرا سی بات پر آپ پر سَو جان سے قُربان ہو جایا کرتی تھیں۔ اَور آپ کی ہر قسم کی ضرورتوں کا خیال رکھتی تھیں۔ حضرت اقدسؑ کی اَپنی والدہ ماجدہ سے محبت کا اندازہ اس اَمر سے لگایا جا سکتا ہے کہ ان کی وفات کے بعد آپ جب کبھی ان کا ذکر فرماتے تو آپ کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے تھے۔ آپ کے سوانح نگار حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی رضی اللہ عنہ کا چشم دید بیان ہے کہ حضور علیہ السّلام ایک مرتبہ سیر کی غرض سے اپنے پُرانے خاندانی قبرستان کی طرف نکل گئے۔ راستہ سے ہٹ کر آپ ایک جوش کے ساتھ اپنی والدہ صاحبہ کے مزار پر آئے اور اپنے خدام سمیت ایک لمبی دُعا فرمائی۔

(حیات طیّبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 27، سن اشاعت 1960ء)

کشوف میں گذشتہ بزرگوں سے ملاقات

1872ء میں آپ نے حضرت مسیح علیہ السّلام کے ساتھ خواب میں ایک ہی برتن میں کھانا کھایا اور بے تکلفی سے آپس میں باتیں کیں۔ قریباً اسی زمانہ میں حضرت بابا نانک صاحبؒ سے خواب میں ملاقات کی۔ اَور اُنہوں نے اپنے تئیں مسلمان ظاہر کیا۔ 1875ء میں حضرت سیّد عبدالقادر صاحب جیلانی رحمۃ اللہ علیہ سے آپ نے خواب میں ملاقات کی اور آپ کو بتایا گیا کہ آپ کی رُوح اور سیّد عبدالقادر کی رُوح کو خمیرِ فطرت میں باہم ایک مناسبت ہے۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 33، سن اشاعت 1960ء)

آٹھ یا نو ماہ کے روزے اور انوارِ سماوی کا نزول

1875ء کے آخر یا 1876ء کے شروع میں ایک بزرگ معمر پاک صورت آپ کو خواب میں ملا اور "اس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لیے رکھنا سنت خاندانِ نبوت ہے۔ اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں سنت اہلِ بیت رسالت کو بجالاؤں" چنانچہ آپ نے آٹھ یا نو ماہ تک خفیہ طور پر روزے رکھنے کا مجاہدہ کیا۔ جس کا ذکر کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں:۔

"سو مَیں نے کچھ مدت التزامِ صوم کو مناسب سمجھا مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا کہ اس اَمر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے۔ پس مَیں نے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اَور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کر کے وقت حاضری کے لیے تاکید کر دی تھی، دے دیتا۔ اور اس طرح تمام دن روزہ میں گزارتا اَور بجز خُدا تعالیٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد

مجھے معلوم ہوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھالیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں۔بہتر ہے کہ کسی قدر کھانے کو کم کروں۔ سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ میں تمام دن رات میں صرف ایک روٹی پر کفایت کرتا تھا۔اور اسی طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ شاید صرف چند تولہ روٹی آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔ غالباً آٹھ یا نو ماہ تک میں نے ایسا ہی کیا اور باوجود اس قدر قلتِ غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس پر صبر نہیں کر سکتا۔خُدا تعالیٰ نے مجھے ہر ایک بلا اور آفت سے محفوظ رکھا اور اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانہ میں میرے پر کھلے۔ چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں اور جو اعلیٰ طبقہ کے اولیاء اس اُمّت میں گذرے ہیں ان سے ملاقات ہوئی۔ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم مع حسنینؓ و علی رضی اللہ عنہ و فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا اور یہ خواب نہ تھی بلکہ بیداری کی ایک قسم تھی۔غرض اسی طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں۔جن کا ذکر کرنا موجبِ تطویل ہے اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستاں نظر آتے تھے جن کا بیان کرنا بالکل طاقتِ تحریر سے باہر ہے۔وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور سُرخ تھے۔ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذّت نہیں ہوگی جیسا کہ ان کو دیکھ کر دل اور رُوح کو لذّت آتی تھی۔ میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خُدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کیے گئے تھے۔یعنی وہ ایک نُور تھا جو دل سے نکلا اور دوسرا وہ نُور تھا جو اُوپر سے نازل ہوا۔اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی۔ یہ رُوحانی اُمور ہیں کہ دُنیا ان کو نہیں پہچانتی لیکن دُنیا میں ایسے بھی ہیں جن کو ان اُمور سے خبر ملتی ہے۔غرض اس حد تک روزہ رکھنے سے جو میرے عجائبات ظاہر ہوئے۔ وہ انواع و اقسام کے مکاشفات تھے۔"(کتاب البریہ صفحہ: 164.164)(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 33.34، سن اشاعت 1960ء)

آپؑ کے والد ماجد کی وفات

اوائل جون 1876ء کا ذکر ہے۔آپ ایک مقدمہ کے سلسلہ میں لاہور تشریف لے گئے۔ابھی آپ لاہور میں ہی تھے کہ ایک خواب کے ذریعہ آپ کو بتلایا گیا کہ آپ کے والد صاحب کی وفات کا وقت قریب ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

''جب مجھے یہ خواب آیا تھا۔تب میں جلدی سے قادیان پہنچا اور ان کو مرضِ زحیر میں مبتلا پایا لیکن یہ اُمید ہرگز نہ تھی کہ وہ دوسرے دن میرے آنے سے فوت ہو جائیں گے۔ کیونکہ مرض کی شدت کم ہوگئی تھی اور وہ بڑے استقلال سے بیٹھے رہتے تھے۔دوسرے دن شدت دوپہر کے وقت ہم سب عزیز ان کی خدمت میں حاضر تھے کہ مرزا صاحب نے مہربانی سے مجھے فرمایا کہ اس وقت تم ذرا آرام کرلو۔کیونکہ جون کا مہینہ تھا اور سخت گرمی پڑتی تھی۔مَیں آرام کے لیے ایک چوبارہ میں چلا گیا اور ایک نوکر پیر دبانے لگا۔کہ اتنے میں تھوڑی سی غنودگی ہو کر مجھے الہام ہوا۔**وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِق** یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضا و قدر کا منبع ہے اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہوگا اور مجھے سمجھایا گیا کہ یہ الہام بطور عزاپرسی خُدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور حادثہ یہ ہے کہ آج ہی تمہارا والد آفتاب کے غروب کے بعد فوت ہو جائے گا۔سبحان اللہ کیا شانِ خداوند عظیم ہے کہ ایک شخص جو اپنی عمر ضائع ہونے پر حسرت کرتا ہوا فوت ہوا ہے''۔

چنانچہ آپ کے والد ماجد اسی دن غروبِ آفتاب کے بعد وفات پا گئے۔**فَاِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن**۔آپ کو مسجد اقصیٰ قادیان کے ایک گوشہ میں دفن کیا گیا۔(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 36.35، سن اشاعت 1960ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پہلی شادی

جب آپ کی عمر پندرہ سولہ سال کی ہوئی تو آپ کے والد ماجد نے آپ کی شادی آپ کے سگے ماموں مرزا جمیعت بیگ مرحوم کی صاحبزادی حرمت بی بی سے کردی ۔ یہ آپ کی پہلی شادی تھی ۔ جس کے نتیجہ میں آپ کے ہاں دو فرزند حضرت مرزا سلطان احمد صاحب اور مرزا فضل احمد صاحب بالترتیب غالباً 1853ء اور 1855ء میں پیدا ہوئے ۔ مرزا فضل احمد صاحب تو مدت ہوئی لا ولد فوت ہو چکے ہیں ۔ لیکن حضرت مرزا سلطان احمد صاحب گورنمنٹ انگریزی کے ماتحت مختلف عہدوں پر فائز رہ کر ڈپٹی کمشنری اور بالآخر ریاست بہاولپور کے مشیر مال (ریونیو منسٹر) کے عہدہ سے ریٹائر ہوئے اور پنشن پانے کے تھوڑے عرصہ بعد اپنے چھوٹے بھائی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوئے ۔

آپ نہ صرف ایک قابل افسر ہی تھے بلکہ مشہور اہل قلم اور صاحب تصانیفِ کثیرہ بھی تھے ۔ چنانچہ آپ کی قریباً 50 کتب زیور طبع سے آراستہ ہو کر منظرِ عام پر آ چکی ہیں ۔ یہ اَمر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ آپ کے بڑے فرزند حضرت مرزا عزیز احمد صاحب ایم ۔ اے نے بچپن میں ہی اپنے جدّ امجد حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ہاتھ پر بیعت کر لی تھی ۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبد القادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 12، سن اشاعت 1960ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خلوت نشینی

ملک کے عام دستور کے خلاف شادی کے بعد بھی حضرت اقدس کی خلوت نشینی اور عزلت پسندی میں ذرّہ فرق نہیں آیا ۔ چنانچہ قادیان کے پاس کا ایک ہندو جاٹ بیان کیا کرتا تھا کہ میں مرزا صاحب سے بیس سال بڑا ہوں ۔ بڑے مرزا صاحب (یعنی حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب) کے پاس میرا بہت آنا جانا تھا ۔ میرے سامنے کئی دفعہ ایسا ہوا کہ کوئی بڑا افسر یا رئیس بڑے مرزا صاحب سے ملنے کے لیے آتا تھا ۔ تو باتوں باتوں میں ان سے پوچھتا تھا کہ مرزا صاحب ! آپ کے بڑے لڑکے (یعنی مرزا غلام قادر صاحب) کے ساتھ تو ملاقات ہوتی رہتی ہے لیکن آپ کے چھوٹے بیٹے کو کبھی نہیں دیکھا وہ جواب دیتے تھے کہ '' ہاں میرا دوسرا لڑکا غلام قادر سے چھوٹا ہے تو سہی پر وہ تو الگ ہی رہتا ہے ۔'' پھر وہ کسی کو بھیج کر مرزا صاحب کو بلواتے تھے ۔ چنانچہ آپ آنکھیں نیچی کیے ہوئے آتے اور والد صاحب کے پاس ذرا فاصلہ پر بیٹھ جاتے اور یہ عادت تھی کہ بایاں ہاتھ اکثر منہ پر رکھ لیا کرتے تھے اور کچھ نہ بولتے ۔ اور نہ کسی کی طرف دیکھتے ۔ بڑے مرزا صاحب فرماتے کہ '' اب تو آپ نے اس دلہن کو دیکھ لیا ۔'' بڑے مرزا صاحب کہا کرتے تھے کہ میرا یہ بیٹا مسیتڑ ہے نہ نوکری کرتا ہے نہ کماتا ہے اور پھر وہ ہنس کر کہتے کہ چلو تمہیں کسی مسجد میں مُلّاں کروا دیتا ہوں ۔ دس من دانے تو گھر میں کھانے کو آ جایا کریں گے ۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبد القادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 12.13)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دوسری شادی

آپ کو دوسری شادی کے متعلق الہامات تو 1881ء سے ہو رہے تھے مگر اس کی تقریب جا کر 1884ء میں پیدا ہوئی ۔

1881ء میں ایک الہام آپ کو یہ ہوا تھا کہ **اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ حَسِيْنٍ** (تریاق القلوب صفحہ: 34)

یعنی ہم تجھے ایک حسین لڑکا عطا کرنے کی خوشخبری دیتے ہیں ۔

انہی ایام میں دوسرا الہام یہ ہوا کہ **اُشْكُرْ نِعْمَتِىْ رَأَيْتَ خَدِيْجَتِىْ** ۔

یعنی میرا شکر کر تُو نے میری خدیجہ کو پایا ۔

ایسا ہی ایک الہام یہ ہوا تھا کہ **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الصِّهْرَ وَالنَّسَبَ** ۔

یعنی سب تعریفوں کا مستحق اللہ ہے جس نے تمہارا دامادی کا تعلق بھی ایک شریف خاندان سے کیا اور تمہاری اپنی نسب کو بھی شریف بنایا۔
اسی طرح ایک مرتبہ آپ کو یہ الہام ہوا کہ:۔''میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہاری ایک شادی کروں۔ یہ سب سامان میں خود ہی کروں گا اور تمہیں کسی بات کی تکلیف نہیں ہوگی۔
اس میں ایک فارسی فقرہ بھی ہے:۔

ہر چہ باید نوعروسے را ہماں ساماں کنم　　　　وآنچہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم (شحنۂ حق صفحہ:57.58)

یعنی جو کچھ دلہن کے لیے فراہم ہونا چاہیے وہ میں فراہم کرونگا اور تمہاری ہر ایک ضرورت کو پورا کرونگا۔
حضور فرماتے ہیں:۔اس پیشگوئی کو دوسرے الہامات میں اور بھی تصریح سے بیان کیا گیا ہے۔ یہاں تک کہ اس شہر کا نام بھی لیا گیا تھا۔ جو دہلی ہے اور یہ پیشگوئی بہت سے لوگوں کو سنائی گئی تھی۔اور جیسا کہ لکھا تھا ایسا ہی ظہور میں آیا۔ کیونکہ بغیر سابق تعلقات قرابت اور رشتہ کے دہلی میں ایک شریف اور مشہور خاندان سیادت میں میری شادی ہوگئی۔ سو چونکہ خُدا تعالیٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایتِ اسلام کی ڈالے گا اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا جو آسمانی رُوح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ اس لیے اس نے پسند کیا کہ اس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جوان نوروں کی جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی ہے دُنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے اور عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہر بانو تھا۔ اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہوگی اس کا نام نصرت جہاں بیگم ہے۔ یہ تفاؤل کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خُدا نے تمام جہاں کی مدد کے لیے میرے آئندہ خاندان کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ خُدا تعالیٰ کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اس کی پیشگوئی مخفی ہوتی ہے''۔(تریاق القلوب صفحہ:65.64)
حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ جو دہلی کے ایک مشہور خاندان سادات کے روشن گوہر تھے۔ آپ کا تعلق آبائی سلسلہ میں تو قریب کے ایک بزرگ امیر الامراء صمصام الدولہ نواب خاں دوران خاں بہادر میر بخشی منصور جنگ کمانڈر انچیف افواج مغلیہ کے ساتھ تھا اور ننھیالی سلسلہ میں آپ کا تعلق حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ تھا۔ جن کا خاندان، تقویٰ اور پرہیز گاری میں ہندوستان بھر میں مشہور ہے اور آپ بسلسلۂ ملازمت پنجاب میں مقیم تھے۔ ضلع گورداس پور میں قادیان کے قریب بلکہ خاص قادیان میں حضرت اقدسؑ کے گھر میں بھی آپ کو کچھ مدت رہنے کا موقعہ مل چکا تھا اور آپ حضرت اقدس کی نیکی، تقویٰ اور پرہیز گاری سے بخوبی آگاہ تھے۔ آپ یہاں سے تبدیل ہو کر کئی جگہ ملازمت کرتے کرتے جب 1884ء میں ملتان پہنچے۔ تو آپ کو اپنی صاحبزادی حضرت نُصرت جہاں بیگم کے لیے رشتہ کی ضرورت پیش آئی رشتہ کی تلاش کے لیے آپ فوراً رخصت لے کر دہلی پہنچے۔ نیک داماد ملنے کے لیے بہت دُعائیں کیں اور حضرت اقدس کی خدمت میں بھی دُعا کے لیے لکھا۔ حضرت کو تو خود رشتے کی ضرورت تھی۔ حضرت میر صاحب کا بیان ہے کہ:۔
''اس کے جواب میں مجھے حضرت مرزا صاحب نے تحریر فرمایا کہ میرا تعلق میری (پہلی۔ ناقل) بیوی سے گویا نہ ہونے کے برابر ہے اور نکاح کرنا چاہتا ہوں اور مجھے اللہ تعالیٰ نے الہام فرمایا ہے کہ جیسا تمہارا عمدہ خاندان ہے ایسا ہی تم کو سادات کے عالی شان خاندان میں سے زوجہ عطا کروں گا اور اس نکاح میں برکت ہوگی اور اس کا سب سامان خود بہم پہنچاؤں گا تمہیں کچھ تکلیف نہ ہوگی۔ یہ آپ کے خط کا خلاصہ ہے۔ اور یہ بھی لکھا کہ آپ مجھ پر نیک ظنّی کر کے اپنی لڑکی کا نکاح مجھ سے کر دیں اور تا تصفیہ اس اَمر کو مخفی رکھیں اور ردّ کرنے میں جلدی نہ کریں''۔(حیات ناصر صفحہ: 7)
حضرت میر صاحب فرماتے ہیں:۔''پہلے تو میں نے تامل کیا کیونکہ مرزا صاحب کی عمر کچھ زیادہ تھی اور بیوی بچہ موجود تھے اور ہماری قوم کے بھی نہ

تھے ۔مگر پھر حضرت مرزا صاحب کی نیکی اور نیک مزاجی پر نظر کر کے جس کا دل سے خواہاں تھا۔میں نے اپنے دل میں مقرر کرلیا۔کہ اسی نیک مرد سے اپنی دختر نیک اختر کا رشتہ کردوں ۔نیز مجھے دلّی کے لوگ اور وہاں کے عادات واطوار بالکل ناپسند تھے‘‘۔

آپ کی زوجہ محترمہ المعروف نانی اماں کو یہ روک تھی کہ’’اول تو دل نہیں مانتا تھا۔دوسرے عمر کا بہت فرق تھا۔تیسرے دلّی والوں میں پنجابیوں کے خلاف سخت تعصب تھا‘‘۔

حضرت نانی اماں کا اپنا بیان ہے کہ:

’’جب حضرت صاحب نے حضرت میر صاحب کو اپنے لیے لکھا تو میر صاحب نے اس ڈر سے کہ میں بُرا مانوں گی مجھ سے ذکر نہ کیا۔اس عرصہ میں اور بھی کئی جگہ سے پیغامات آئے مگر میری کسی جگہ تسلّی نہ ہوئی۔آخر ایک دن میر صاحب نے ایک لدھیانے کے باشندہ کے متعلق کہا کہ اس کی طرف سے بہت اصرار کی درخواست ہے اور ہے بھی وہ اچھا آدمی۔اسے رشتہ دے دو، میں نے اس کی ذات وغیرہ دریافت کی تو مجھے شرح صدر نہ ہوا اور میں نے انکار کیا۔اس پر میر صاحب نے کچھ ناراض ہو کر کہا لڑکی اُٹھارہ سال کی ہوگئی ہے۔کیا ساری عمر اسے یونہی بٹھا چھوڑو گے۔میں نے جواب دیا کہ ان لوگوں سے تو پھر غلام احمد ہی ہزار درجہ اچھا ہے۔

میر صاحب نے جھٹ ایک خط نکال کر سامنے رکھ دیا کہ لو پھر مرزا غلام احمد کا بھی خط آیا ہوا ہے۔جو کچھ بھی ہو ہمیں اب جلد فیصلہ کرنا چاہیے میں نے کہا۔اچھا۔پھر غلام احمد کو دیکھ لو۔(سیرۃ المہدی حصہ دوم صفحہ:111.110)

اس پر حضرت میر صاحب نے اسی وقت قلم دوات لے کر منظوری کی اطلاع دے دی۔حضرت میر صاحب کا خط موصول ہونے کے آٹھ دن بعد حضرت اقدس اپنے خادم حضرت حافظ حامد علی، لالہ ملاوامل اور ایک دو اور آدمیوں کو ساتھ لے کر دہلی پہنچ گئے۔حضرت میر صاحب کی برادری کے لوگوں کو جب علم ہوا تو وہ بہت ناراض ہوئے کہ ایک بوڑھے شخص کو اور پھر پنجابی کو رشتہ دے دیا۔حضرت اقدس اپنے ساتھ کوئی زیور اور کپڑا نہیں لے گئے تھے۔صرف اڑھائی سو روپیہ نقد تھا۔اس پر بھی رشتہ داروں نے طعن کیا کہ اچھا نکاح کیا ہے نہ کوئی زیور ہے نہ کپڑا‘‘۔

(حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ:96)

الغرض 17 نومبر 1884ء کو خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ کی مسجد میں بین العصر والمغرب گیارہ سو روپیہ مہر پر اس مبارک نکاح کا اعلان مولوی سیّد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی نے کیا۔حضرت میر صاحب کے رشتہ دار تو دانت پیس کر رہ گئے حضرت میر صاحب نے رخصتانہ دہلی میں ہی نکاح کے بعد دے دیا تھا۔دوسرے دن حضرت اقدس عازم قادیان ہوئے اور اس طرح سے اس مبارک شادی کا کام انجام پذیر ہوا۔**فالحمد للہ علیٰ ذٰلک**۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:55 تا58، سن اشاعت 1960ء)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد

پہلی بیوی سے فقط دو لڑکے ہی تھے۔

بڑا مرزا سلطان احمد جو 1856ء میں پیدا ہوا اور 1931ء میں فوت ہوا۔

دوسرا لڑکا مرزا فضل احمد جو غالباً 1860ء میں پیدا ہوا اور 1903ء میں فوت ہوا۔

دوسری بیوی سے اولاد:۔

حضرت اُمّ المؤمنین نصرت جہاں بیگمؓ سے دس بچے پیدا ہوئے۔جن میں پانچ لڑکے اور پانچ لڑکیاں تھیں۔

اوّل: عصمت بیگم یہ 1886ء میں پیدا ہوئی اور 1891ء میں وفات پائی۔

دوم: بشیر احمد اوّل یہ لڑکا 1887ء میں پیدا ہوا اور 1888ء میں وفات پائی۔

سوم: حضرت مرزا بشیر الدین محمودؓ، آپ 1889ء میں پیدا ہوئے اور 1965ء میں وفات پائی۔

چہارم: شوکت بیگم 1891ء میں پیدا ہوئی اور 1892ء میں فوت ہوگئی۔

پنجم: مرزا بشیر احمد صاحبؓ 1893ء میں پیدا ہوئے اور 1963ء میں فوت ہوئے۔

ششم: مرزا شریف احمد صاحبؓ 1895ء میں پیدا ہوئے اور 1961ء کو فوت ہوئے۔

ہفتم: نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ 1897ء میں پیدا ہوئیں اور 1977ء میں فوت ہوئیں۔

ہشتم: مرزا مبارک احمد صاحب 1899ء میں پیدا ہوئے اور 1907ء میں فوت ہوئے۔

نہم: امتہ النصیر بیگم 1903ء میں پیدا ہوئی اور اسی سال 1903ء میں فوت ہوگئی۔

دہم: امتہ الحفیظ بیگم 1904ء میں پیدا ہوئیں اور 1987ء میں فوت ہوگئیں۔

(سوانح عمری آف امام المتقین ومہدی دوراں عالی حضرت میرا زغلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام صفحہ:48.49 مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی، جنوری 2002ء)

تین انگوٹھیاں

پہلی انگوٹھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ سے بہت پہلے تیار کروائی تھی جس پر **اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ** کے الفاظ کندہ کروائے۔(یہ پہلی انگوٹھی امرتسر میں بنوائی گئی تھی، از خلیفۃ المسیح الرابع ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز خطبہ جمعہ ستمبر 2001ء) آپ کی وفات کے بعد یہ انگوٹھی حضرت مصلح موعودؓ کے حصّے میں آئی۔اب یہ انگوٹھی خلافت احمدیہ کا نشان بن گئی۔

دوسری انگوٹھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے دعویٰ کے بعد بنوائی جس پر یہ الہامی الفاظ درج کروائے گئے۔ **"غَرَسْتُ لَکَ بِیَدِیْ رَحْمَتِیْ وَقُدْرَتِیْ"** حضرت اقدسؑ کی وفات کے بعد یہ انگوٹھی میاں بشیر احمد صاحبؓ کے حصّہ میں آئی۔

تیسری انگوٹھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے قریب کسی صحابی نے حضور اقدسؑ کے لیے بنوائی تب اس صحابی کے عرض کرنے پر کہ حضورؑ! میں اس انگوٹھی پر کیا لکھواؤں تب سیّدنا حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ الفاظ لکھواؤ" **مولا بس**" یہ انگوٹھی آپؑ کی وفات کے بعد میاں شریف احمدؓ صاحب کے حصّہ میں آئی۔

(سوانح عمری آف امام المتقین ومہدی دوراں عالی حضرت میرا زغلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام صفحہ:43.42 مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی، جنوری 2002ء)

کثرتِ مطالعہ

مطالعہ کے طور پر سب سے زیادہ آپ قرآن مجید کی تلاوت کیا کرتے تھے حتیٰ کہ بعض دیکھنے والوں کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں ہم نے آپ کو جب بھی دیکھا قرآن کریم ہی پڑھتے دیکھا۔

آپ کے بڑے فرزند حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی روایت ہے کہ" آپ کے پاس ایک قرآن مجید تھا اس کو پڑھتے اور اس پر نشان کرتے رہتے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ شاید دس ہزار مرتبہ اس کو پڑھا ہو۔(حیات النبی جلد اوّل صفحہ:108)

کتابوں کے مطالعہ میں آپ کو اس قدر انہماک ہوتا تھا کہ دُنیا مافیا سے بالکل بے نیاز ہو کر آپ یہ کام کرتے تھے۔آپ کا اپنا بیان ہے کہ:۔

''ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ تھی کہ گویا میں دُنیا میں نہ تھا۔ میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیے۔ کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آوے''۔ (حاشیہ کتاب البریہ طبع دوم صفحہ:150)

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:13، سن اشاعت 1960ء)

محنت انہماک

اُردو زبان میں ایک لفظ ''معمور الاوقات'' ہے جو ایسے شخص کے متعلق بولا جاتا ہے جس کا سارا وقت کسی نہ کسی مفید کام میں لگا ہوا اور کوئی وقت بیکاری میں نہ گزرے۔ یہ لفظ حضرت مسیح موعودؑ پر اپنی پوری وسعت اور پوری شان کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے۔ جس وقت سے آپ نے خُدا کے حکم کے ماتحت ماموریت کے میدان میں قدم رکھا اس وقت سے لے کر یومِ وفات تک آپ کی زندگی کا ہر لمحہ اس سپاہی کی طرح گزرا جسے کسی عظیم الشان قومی خطرے کے وقت میں کسی نہایت نازک مقام بطور نگران سنتری مقرر کیا گیا ہو اور اس کی چوکسی یا غفلت پر قوم وملک کی زندگی اور موت کا انحصار ہو۔ یہ تشبیہہ قطعاً کسی مبالغہ کی حامل نہیں بلکہ حق یہ ہے کہ تشبیہہ اس حالت کا صحیح صحیح نقشہ کھینچنے سے قاصر ہے جو دیکھنے والے کو حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں نظر آتی تھی۔

آپ کی زندگی گویا ایک مقابلہ کی دوڑ تھی جس کا ہر قدم اس احساس کے ماتحت اُٹھایا جاتا ہے کہ اس قدم کے اچھا اُٹھ جانے پر اس مقابلہ کی ساری کامیابی یا ناکامی کا دارومدار ہے۔ بسا اوقات کام کے انہماک میں حضرت مسیح موعودؑ کھانا اور سونا تک بھول جاتے تھے۔ اور ایسے موقعوں پر آپ کو کھانے کے متعلق بار بار یاد کرا کے احساس پیدا کرانا پڑتا تھا۔ کئی مرتبہ ایسا اتفاق ہوا کہ تصنیف کے کام میں آپ نے ساری ساری رات خرچ کر دی اور ایک منٹ کے لیے بھی آرام نہیں کیا۔ اس قسم کے واقعات شاذ کے طور پر نہیں تھے بلکہ کام کے زور کے ایام میں کثرت کے ساتھ پیش آتے رہتے تھے اور دیکھنے والے حیران ہوتے تھے کہ آپ کی خِلقت میں کس پاک مٹی کا خمیر ہے کہ فرائض منصبی کی ادائیگی میں اپنے نفس کے ہر آرام کو فراموش کر رکھا ہے۔

لیکن چونکہ آپ نے ہر جہت سے لوگوں کے لیے ایک پاک نمونہ بننا تھا اس لیے آپ کا یہ شغف اور یہ انہماک دوسروں کے حقوق کی ادائیگی میں دخل انداز نہیں ہوتا تھا اور آپ سب لوگوں کے حقوق کو ایک مذہبی فریضہ کے طور پر احسن صورت میں اَدا فرماتے تھے بلکہ اپنے نفس کی قُربانی میں بھی جب آپ یہ دیکھتے تھے کہ یہ قربانی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ بشریٰ لوازمات کے ماتحت خود کام کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے تو آپ فوراً چوکس ہو کر اپنے نفس کے حقوق کی طرف بھی توجہ فرماتے تھے اور اس طرح آپ نے اپنی زندگی کے ہر فعل کو ایک مقدس عبادت کا رنگ دے لیا تھا۔ بہر حال آپ کی زندگی مصروفیت اور فرائض منصبی کی ادائیگی کے لحاظ سے ایک بے نظیر نمونہ پیش کرتی تھی اور آپ صحیح اور کامل معنوں میں معمور الاوقات تھے۔ اور آپ کے متعلق خُدا کا یہ الہام کہ:۔ اَنتَ الشَّیْخُ الْمَسِیْحُ الَّذِیْ لَا یُضَاعُ وَقْتُہٗ۔

یعنی تو وہ برگزیدہ مسیح ہے جس کا کوئی وقت بھی ضائع جانے والا نہیں۔ (تذکرہ صفحہ:366)

آپ کی زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی پوری شان کے ساتھ جلوہ افروز تھا۔ (سلسلہ احمدیہ صفحہ:202.201، تصنیف حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے، سن اشاعت 1939ء)

آپ کا خطرناک بیماری سے معجزانہ طور پر شفا پانا

1880ء میں آپ کو قولنج کا ایک سخت حملہ ہوا۔ بار بار حاجت ہو کر خون آتا تھا اور یہ حالت کم وبیش سولہ دن تک برابر رہی۔ آپ کے ورثاء تین دفعہ آپ کو یٰسٓ سنا چکے تھے اور آخری مرتبہ تو انہیں پختہ یقین تھا کہ آج شام تک آپ قبر میں اُتار دیئے جائیں گے۔ غرض جب حالتِ یاس و نا اُمیدی

اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور آپ کے عزیزوں نے دیواروں کے پیچھے کھڑے ہو کر رونا بھی شروع کر دیا تو آپ کو شافیٔ مطلق کی طرف الہاماً یہ دُعا سکھائی گئی کہ۔ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ ۔ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ۔ اور ساتھ ہی آپ کے دل میں یہ القاء ہوا کہ دریا کے پانی میں جس کے ساتھ ریت بھی ہو ہاتھ ڈال اور یہ کلمات طیبات پڑھ اور اپنے سینہ اور پشت سینہ اور دونوں ہاتھوں اور منہ پر اس کو پھیر کہ اس سے تو شفا پائے گا۔ آپؑ فرماتے ہیں۔

''جلدی سے دریا کا پانی مع ریت منگوایا گیا اور میں نے اسی طرح عمل کرنا شروع کیا۔ جیسا کہ مجھے تعلیم دی (گئی) تھی اور اس وقت حالت یہ تھی کہ میرے ایک ایک بال سے آگ نکلتی تھی اور تمام بدن میں خطرناک جلن تھی۔ اور بے اختیار طبیعت اس بات کی طرف مائل تھی کہ اگر موت بھی ہو تو بہتر۔ تا اس حالت سے نجات ہو مگر جب وہ عمل شروع کیا تو مجھے اس خُدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہر یک دفعہ ان کلمات طیّبات کے پڑھنے اور پانی کو بدن پر پھیرنے سے مَیں محسوس کرتا تھا کہ وہ اندر سے نکلتی جاتی ہے اور بجائے اس کے ٹھنڈک اور آرام پیدا ہوتا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ابھی پیالہ کا پانی ختم نہ ہوا تھا کہ میں نے دیکھا کہ بیماری بکلّی مجھے چھوڑ گئی اور میں سولہ دن کے بعد رات کو تندرستی کے خواب سے سویا۔ جب صبح ہوئی تو مجھے الہام ہوا۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِشِفَآءٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ۔

یعنی اگر تمہیں اس نشان میں شک ہو جو شفا دے کر ہم نے دکھلایا تو تم اس کی نظیر کوئی اور شفا پیش کرو۔ (تریاق القلوب صفحہ 38.37)

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگر مل، صفحہ 42.43، سن اشاعت 1960ء)

شُہب ثاقبہ کا نشان

27 اور 28 نومبر 1885ء کی درمیانی رات کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی تائید میں آسمان پر ستاروں کے ٹوٹنے کا ایک غیر معمولی نشان دکھایا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں۔

''28 نومبر 1885ء کی رات کو یعنی اس رات کو جو 28 نومبر 1885ء کے دن سے پہلے آتی ہے۔ اس قدر شہب کا تماشا آسمان پر تھا۔ جو میں نے اپنی تمام عمر میں اس کی نظیر کبھی نہیں دیکھی اور آسمان کی فضا میں اس قدر ہزار ہا شعلے ہر طرف چل رہے تھے جو اس رنگ کا دُنیا میں کوئی بھی نمونہ نہیں تا میں اس کو بیان کر سکوں۔ مجھ کو یاد ہے کہ اس وقت یہ الہام بکثرت ہوا تھا کہ۔

مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔

اور اس رمی کو رمی شہب سے بہت مناسبت تھی۔

یہ شہب ثاقبہ کا تماشا جو 28 نومبر 1885ء کی رات کو ایسا وسیع طور پر ہوا۔ جو یورپ اور امریکہ اور ایشیا کے تمام اخباروں میں بڑی حیرت کے ساتھ چھپ گیا۔ لوگ خیال کرتے ہوں گے کہ یہ بے فائدہ تھا لیکن خداوند کریم جانتا ہے کہ سب سے زیادہ غور سے اس تماشا کے دیکھنے والا اور پھر اس سے حظّ اور لذّت اُٹھانے والا میں ہی تھا۔ میری آنکھیں بہت دیر تک اس تماشا کے دیکھنے کی طرف لگی رہیں اور وہ سلسلہ رمی شہب کا شام سے ہی شروع ہو گیا تھا جس کو میں صرف الہامی بشارتوں کی وجہ سے بڑے سرور کے ساتھ دیکھتا رہا کیونکہ میرے دل میں الہاماً ڈالا گیا تھا کہ یہ تیرے لیے نشان ظاہر ہوا ہے کیونکہ اسے پہلے الہامی نوشتوں میں ظہورِ مسیح کی بہت بڑی علامت قرار دیا گیا تھا۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگر مل، صفحہ 61، سن اشاعت 1960ء)

لدھیانہ اور ہوشیار پور کا سفر

حضرت اقدسؑ 1889ء کے شروع میں لدھیانہ تشریف لے گئے اور ایک اشتہار کے ذریعہ احباب میں اعلان فرمایا کہ:

''تاریخ ہذا سے جو 4 مارچ 1889ء ہے 25 مارچ تک یہ عاجز لدھیانہ میں مقیم ہے۔ اس عرصہ میں اگر کوئی صاحب آنا چاہیں تو لدھیانہ میں 10 تاریخ کے بعد آجاویں اور اگر اس جگہ آنا موجب حرج و دقت ہو تو 25 مارچ کے بعد جس وقت کوئی چاہے قادیان میں بعد اطلاع دہی بیعت کرنے کے لیے حاضر ہو جائے''۔

ابھی حضورؑ لدھیانہ پہنچے ہی تھے کہ شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے فرزند کی شادی میں شرکت کے لیے مدعو کیے گئے اس خاندان کے ساتھ حضورؑ کے پُرانے تعلقات تھے۔ 1886ء کی چلہ کشی کے ایام میں بھی حضورؑ نے شیخ صاحب کے ہی ایک مکان پر قیام فرمایا تھا اس لیے قدیم مراسم کی وجہ سے حضورؑ شادی میں شمولیت کے لیے ہوشیار پور تشریف لے گئے۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:72)

شرائط بیعت

بیعت لینے کے متعلق ''تبلیغ'' کے عنوان سے آپ نے ایک اشتہار چھپوایا جس میں آپؑ نے تحریر فرمایا:

''میں اس جگہ ایک اور پیغام بھی خلق اللہ کو عموماً اور اپنے مسلمان بھائیوں کو خصوصاً پہنچاتا ہوں کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جو لوگ حق کے طالب ہیں وہ سچا ایمان اور سچی ایمانی پاکیزگی اور محبت مولیٰ کا راہ سیکھنے کے لیے اور گندی زیست اور کاہلانہ اور غدارانہ زندگی کو چھوڑنے کے لیے مجھ سے بیعت کریں پس جو لوگ اپنے نفسوں میں کسی قدر یہ طاقت پاتے ہیں۔ انہیں لازم ہے کہ میری طرف آویں کہ میں ان کا غم خوار ہوں گا اور ان کا بار ہلکا کرنے کے لیے کوشش کروں گا اور خدا تعالیٰ میری دُعا اور میری توجہ میں ان کے لیے برکت دے گا۔ بشرطیکہ وہ ربانی شرائط پر چلنے کے لیے بدل و جان تیار ہوں۔ یہ ربانی حکم ہے جو آج میں نے پہنچا دیا ہے۔ اس بارہ میں عربی الہام یہ ہے:

''اِذَا عَزَمۡتَ فَتَوَکَّلۡ عَلَی اللّٰہِ۔ وَاصۡنَعِ الۡفُلۡکَ بِاَعۡیُنِنَا وَوَحۡیِنَا۔ اَلَّذِیۡنَ یُبَایِعُوۡنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوۡنَ اللّٰہَ۔ یَدُاللّٰہِ فَوۡقَ اَیۡدِیۡھِمۡ۔ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الۡھُدٰی۔'' (حیات طیبہ صفحہ:69)

اس اعلان میں جن شرائط بیعت کا ذکر ہے وہ آپ نے 12 جنوری 1889ء کے اشتہار ''تکمیل تبلیغ'' میں شائع فرمائیں۔ وہ یہ ہیں:

1- بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

2- یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور ہر ایک فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہیں ہوگا اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے۔

3- یہ کہ بلاناغہ پنج وقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسول کے ادا کرتا رہے گا۔ اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے اور ہر روز اپنے گناہوں کی معافی مانگنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔ اور دلی محبت سے خدا تعالیٰ کے احسانوں کو یاد کر کے اس کی حمد و تعریف کو اپنا ہر روز ورد بنالے گا۔

4- یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہیں دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

5- یہ کہ ہر حال رنج اور راحت اور عسر اور یسر اور نعمت اور بلا میں خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا اور بہر حالت راضی بقضا ہوگا اور ہر ایک

ذلت اور دُکھ کے قبول کرنے کے لیے اُس کی راہ میں تیار رہے گا اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے منہ نہیں پھیرے گا بلکہ آگے قدم بڑھائے گا۔

6- یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہواوہوس سے باز آجائے گا اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلّی اپنے سر پر قبول کرے گا اور قال اللہ اور قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستورالعمل قرار دے گا۔

7- یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلّی چھوڑ دے گا اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی اور مسکینی سے زندگی بسر کرے گا۔

8- یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردیٔ اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی عزت اور اپنی اولاد اور اپنے ہر عزیز سے زیادہ عزیز تر سمجھے گا۔

9- یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا اور جہاں تک بس چل سکتا ہے اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائے گا۔

10- یہ کہ اس عاجز سے عقد اُخوت محض للہ باقرار طاعت در معروف باندھ کر اس پر تاوقت مرگ قائم رہے گا اور اس عقد اُخوت میں ایسا اعلیٰ درجہ کا ہوگا کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور تعلقات اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو۔

شرائط بیعت کے اعلان میں تاخیر کا سبب بیان کرتے ہوئے حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں: ''یہ وہ شرائط ہیں جو بیعت کرنے والوں کے لیے ضروری ہیں جن کی تفصیل یکم دسمبر 1888ء کے اشتہار میں نہیں لکھی گئی اور واضح رہے کہ اس دعوتِ بیعت کا حکم تخمیناً دس ماہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہو چکا ہے لیکن اس کی تاخیر اشاعت کی یہ وجہ ہوئی ہے کہ اس عاجز کی طبیعت اس بات سے کراہت کرتی رہی کہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگ اس سلسلہ میں داخل ہو جائیں اور دل یہ چاہتا رہا کہ اس مبارک سلسلہ میں وہی مبارک لوگ داخل ہوں جن کی فطرت میں وفاداری کا مادہ ہے اور جو کچّے اور سریع التغیر اور مغلوب الشک نہیں ہیں اس وجہ سے ایک ایسی تقریب کی انتظار رہی کہ جو سچوں اور کچوں اور مخلصوں اور منافقوں میں فرق کر کے دکھلاوے سو اللہ جل شانہ نے اپنی کمال حکمت اور رحمت سے وہ تقریب بشیر احمد کی موت کو قرار دے دیا اور خام خیال اور کچوں اور بدظنوں کو الگ کر کے دکھا دیا اور وہی ہمارے ساتھ رہ گئے جن کی فطرتیں ہمارے ساتھ رہنے کے لائق تھیں۔ اور جو فطرتاً قوی الایمان نہیں تھے اور تھکے اور ماندے تھے وہ سب ہلاک ہو گئے اور شکوک و شبہات میں پڑ گئے پس اسی وجہ سے ایسے موقع پر دعوتِ بیعت کا مضمون شائع کرنا نہایت چسپاں معلوم ہوا۔

تا خس کم جہاں پاک کا فائدہ ہم کو حاصل ہو اور مغشوشین کے بدانجام کی تلخی اُٹھانی نہ پڑے اور تا جو لوگ اس ابتلاء کی حالت میں اس دعوتِ بیعت کو قبول کر کے اس سلسلہ مبارک میں داخل ہو جائیں وہی ہماری جماعت سمجھے جائیں اور وہی ہمارے خالص دوست متصوّر ہوں اور وہی ہیں جن کے حق میں خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ مَیں ان کے غیروں پر قیامت تک فوقیت دوں گا اور برکت اور رحمت ان کے شامل حال رہے گی اور مجھے فرمایا کہ تو میری اجازت سے اور میری آنکھوں کے روبرو یہ کشتی تیار کر۔ جو لوگ تجھ سے بیعت کریں گے وہ خدا سے بیعت کریں گے۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہوگا اور فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے حضور میں اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ حاضر ہو جاؤ اور اپنے ربّ کریم کو اکیلا مت چھوڑو جو شخص اسے اکیلا چھوڑتا ہے وہ اکیلا چھوڑا جائے گا۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 71-70، سن اشاعت 1960ء)

سلسلہ کی بنیاد اور مصلح موعود کی پیدائش کے اجتماع میں مخفی اشارہ

یہ ایک عجیب بات بلکہ خدائی حکمتوں میں سے ایک اہم حکمت ہے کہ 12 جنوری 1889ء کو ہی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد المصلح موعود پیدا

ہوئے اور اسی روز حضرت اقدس نے شرائط بیعت کا اعلان فرما کر سلسلہ کی بنیاد رکھی اور مخلصین کو بیعت کے لیے مدعو فرمایا۔ان دونوں باتوں کے اجتماع میں دراصل یہ مخفی اشارہ تھا کہ اس سلسلہ کی اشاعت میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد ایدہ اللہ تعالیٰ کو اہم دخل ہوگا۔چنانچہ واقعات بھی نہایت صفائی سے گواہی دے چکے ہیں کہ یہ بات دُرست تھی اور کیوں دُرست نہ ہوتی جب کہ نبی کریم ﷺ آنے والے مسیح کے لیے یہ پیشگوئی فرما چکے تھے کہ ''يَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُلَهٗ یعنی وہ ایک اعلیٰ صفات رکھنے والی عورت سے شادی کرے گا اور اس کی اولاد اہم دینی کارنامے سرانجام دے گی''۔

یادرہے کہ یہاں کسی عام عورت کے ساتھ شادی اور کسی عام اولاد کے پیدا ہونے کی طرف اشارہ مراد نہیں تھا کیونکہ اس ذکر سے کوئی فائدہ متصور نہیں ہوسکتا خصوصاً آنحضرت ﷺ جیسا عظیم الشان نبی پیشگوئی کرے اور پھر حضرت اقدسؑ بھی ہر بچہ کی پیدائش سے قبل اس کی صفاتِ خاصہ کا عام اعلان فرمادیں اور ایک لڑکے کو اہم بشارت کا حامل قرار دے کر بار بار اس کی تعریف وتوصیف کریں یہ سارے اُمور بتاتے ہیں کہ مسیح موعودؑ کی اولاد کو اشاعتِ دین میں اہم کارہائے نمایاں انجام دینا ہوگا۔سوالحمدللہ کہ وہ ایسا ہی کررہی ہے۔

(حیات طیبہ،حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ 72.71،سن اشاعت 1960ء)

بیعتِ اُولیٰ 23 مارچ 1889ء

لدھیانہ میں بیعت لینے کے لیے آپ نے حضرت منشی صوفی احمد جانؓ کے مکان کو پسند فرمایا۔حضرت منشی صاحب موصوف ایک نہایت ہی پاک باطن اور متقی انسان تھے۔اس نواح میں ان کے سینکڑوں مُرید تھے جواُن کے ساتھ حد درجہ اخلاص رکھتے تھے۔حضرت اقدسؑ کی مشہور تصنیف براہین احمدیہ کا مطالعہ کرنے کے بعد وہ آپ پر ہزار جان سے فدا ہوچکے تھے اور خواہش مند تھے کہ اپنا پیری مریدی کا سلسلہ ترک کر کے آپؑ کی بیعت کرلیں چنانچہ انہوں نے حضورؑ کو مخاطب کر کے یہ شعر بھی پڑھا تھا:

ہم مریضوں کی ہے تمہیں پہ نظر   تم مسیحا بنو خدا کے لیے

اس وقت حضرت اقدسؑ نے انہیں یہ جواب دیا تھا کہ میں ابھی بیعت لینے کے لیے مامور نہیں کیا گیا ہوں۔لیکن جب حضرت اقدسؑ نے بیعت لینے کا اعلان فرمایا تو وہ فوت ہو چکے تھے۔اِنَّالِلّٰهِ وَاِنَّااِلَيْهِ رَاجِعُوْن ۔حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ کی شادی بھی حضرت اقدسؑ نے کوشش کر کے انہی کی صاحبزادی صغریٰ بیگم سے کروائی تھی۔(حیات طیبہ،حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ 73،سن اشاعت 1960ء)

دارالبیعت

حضرت منشی صوفی احمد جان مرحومؓ کے مکان کے جس حجرہ میں حضرت اقدسؑ نے سب سے پہلے بیعت لی وہ دارُ البیعت کے نام سے موسوم ہوا۔حضرت منشی صاحب مرحوم کی اولاد خدا تعالیٰ کے فضل سے ساری کی ساری احمدیت میں شامل ہوئی۔اس نے یہ مکان سلسلہ کے لیے وقف کر دیا تھا۔لیکن افسوس کہ 1947ء کے انقلاب میں عارضی طور پر وہ جماعت کے قبضہ سے نکل گیا مگر انشاءاللہ بہت جلد واپس مل جائے گا۔

(حیات طیبہ،حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ 73،سن اشاعت 1960ء)

یوم البیعت

بیعت 23 مارچ 1889ء کے روز شروع ہوئی حضرت اقدسؑ کا منشاء تھا کہ بیعت کنندگان کے اسماء مکمل پتوں کے ساتھ ایک رجسٹر میں محفوظ کر لیے جائیں اس لیے حضورؑ نے حکم دیا کہ ہر بیعت کرنے والا اپنا نام معہ مکمل پتہ ایک کاغذ کے پُرزہ پر لکھ کر دے چنانچہ حضور کے حکم کی تعمیل کی گئی کچھ

دنوں کے بعد ایک رجسٹر تیار کیا گیا جس پر لکھا گیا: ''بیعت توبہ برائے حصول تقویٰ وطہارت''
اس رجسٹر میں ابتدائی نام تو حضرت اقدسؑ نے خود درج فرمائے لیکن پھر بعد کو مختلف اوقات میں بعض اور لوگوں نے بھی اُن پرچیوں سے لے کر نام درج کیے چونکہ پرچیوں پر نام ہونے کی وجہ سے بیعت کرنے والوں کی ترتیب محفوظ نہ رہ سکی۔ بہر حال اس میں کچھ شک نہیں کہ سب سے پہلے بیعت کرنے والے حاجی الحرمین مولانا نورالدین صاحب بھیرویؓ تھے۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 73)

بیعت کے الفاظ

حضرت مولوی عبداللہ سنوریؓ فرماتے ہیں کہ پہلے دن جب حضورؑ نے بیعت لی تو اس وقت بیعت کے الفاظ یہ تھے: ''آج میں احمد کے ہاتھ پر اپنے تمام گناہوں اور خراب عادتوں سے توبہ کرتا ہوں جن میں مَیں مبتلا تھا اور سچے دل اور پکّے ارادہ سے عہد کرتا ہوں کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اپنی عمر کے آخری دن تک تمام گناہوں سے بچتا رہوں گا اور دین کو دُنیا کے آراموں اور نفس کی لذّات پر مقدم رکھوں گا اور 12 جنوری کی دس شرطوں پر حتی الوسع کاربند رہوں گا اور اب بھی اپنے گذشتہ گناہوں کی خدا تعالیٰ سے معافی چاہتا ہوں۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ۔ اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًاعَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ۔ رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذَنُوْبِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآاَنْتَ۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 74)

ستارہ نکلنے کا نشان

پھر اس کے بعد یورپ کے لوگوں کو وہ ستارہ دکھائی دیا جو حضرت مسیحؑ کے ظہور کے وقت نکلا تھا۔ میرے ڈالا گیا کہ یہ ستارہ بھی میری صداقت کے لیے ایک دوسرا نشان ہے۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 61، سن اشاعت 1960ء)

سُرخی کے چھینٹوں کا نشان 10 جولائی

10 جولائی 1885ء کو وہ عجیب وغریب نشان ظاہر ہوا۔ جسے سُرخی کے چھینٹوں والا نشان کہا جاتا ہے۔ اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ 27 رمضان المبارک کو جمعہ کے روز فجر کی نماز پڑھ کر آپ حسبِ معمول آرام فرمانے کے لیے اس حجرہ میں جا کر چارپائی پر لیٹ گئے جو مسجد مبارک کے ساتھ مشرق کی طرف واقعہ ہے۔ حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوریؓ کا بیان ہے کہ ''مَیں اس وقت حضور کے پاؤں دبانے لگ گیا حتیٰ کہ آفتاب نکل آیا اور حجرہ میں بھی روشنی ہوگئی حضرت اقدس اس وقت کروٹ کے بل لیٹے ہوئے تھے اور منہ مبارک پر اپنا ہاتھ کہنی کی جگہ سے رکھا ہوا تھا۔ میرے دل میں اس وقت بڑے سُرور اور ذوق سے یہ خیالات موجزن تھے کہ میں کیا خوش نصیب ہوں۔ کیا ہی عمدہ موقعہ **اللہ سبحانہٗ تعالیٰ** نے مجھے دیا ہے کہ مہینوں میں مہینہ مبارک رمضان شریف کا ہے اور تاریخ بھی جو 27 ہے مبارک ہے اور عشرہ بھی مبارک ہے اور دن بھی جمعہ ہے جو نہایت مبارک ہے اور جس شخص کے پاس بیٹھا ہوں وہ بھی نہایت مبارک ہے۔ اللہ اکبر! کس قدر برکتیں آج میرے لیے جمع ہیں۔ اگر خداوند کریم اس وقت کوئی نشان حضرت اقدس کا مجھے دکھلاوے تو کیا بعید ہے۔ مَیں اسی سرور میں تھا اور پاؤں ٹخنہ کے قریب سے دبا رہا تھا کہ یکا یک حضرت اقدس کے بدن مبارک پر لرزہ سا محسوس ہوا اور اس لرزہ کے ساتھ ہی حضور نے اپنا ہاتھ مبارک منہ پر سے اُٹھا کر میری طرف دیکھا۔ اس وقت آپ کی آنکھوں میں آنسو بھرے ہوئے تھے۔ شاید جاری بھی تھے اور پھر اسی طرح منہ پر ہاتھ رکھ کر لیٹے رہے جب میری نظر ٹخنہ پر پڑی تو ایک قطرہ سُرخی کا جو پھیلا ہوا نہیں بلکہ بہتا تھا۔ مجھے دکھلائی دیا۔ مَیں نے اپنی شہادت کی انگلی کا سرا اُس قطرہ پر رکھا تو وہ پھیل گیا۔ اور

سُرخی میری انگلی کو بھی لگ گئی اس وقت میں حیران ہوا اور میرے دل میں یہ آیت گزری۔ صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً۔ نیز یہ بھی دل میں گزرا کہ اگر یہ اللہ کا رنگ ہے تو اس میں شاید خوشبو بھی ہو۔ چنانچہ میں نے اپنی اُنگلی سونگھی مگر خوشبو وغیرہ کچھ نہ تھی۔ پھر میں ٹخنہ کی طرف سے کمر کی طرف سے کمر دبانے لگا تو حضرت اقدس کے کُرتہ پر بھی چند داغ سُرخی کے گیلے گیلے دیکھے۔ مجھ کو نہایت تعجب ہوا اور مَیں وہاں سے اُٹھ کھڑا ہوا اور حجرہ کی ہر جگہ کو نہایت اچھی طرح دیکھا۔ مگر مجھے سُرخی کا کوئی نشان حجرہ کے اندر نہ ملا۔ آخر حیران سا ہو کر بیٹھ گیا اور بدستور پاؤں دبانے لگ گیا۔ حضرت صاحب منہ پر ہاتھ رکھے لیٹے رہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضور اُٹھ کر بیٹھ گئے اور پھر مسجد مبارک میں آکر بیٹھ گئے۔ یہ عاجز بدستور پھر کمر وغیرہ دبانے لگ گیا۔

اس وقت مَیں نے حضور سے عرض کی کہ حضور یہ سُرخی کہاں سے گری۔ پہلے ٹال دیا پھر اس عاجز کے اِصرار پر وہ سارا واقعہ بیان فرما دیا۔ جس کو حضرت اقدس تفصیل کے ساتھ اپنی کتابوں میں درج فرما چکے ہیں۔ (سرمہ چشم آریہ صفحہ 131.132) مگر بیان کرنے سے پہلے اس عاجز کو رویتِ باری تعالیٰ کا مسئلہ اور کشفی اُمور کا خارج میں وجود پکڑنا حضرت محی الدین ابن عربی کے واقعات سُنا کر خوب اچھی طرح سے ذہن نشین کرا دیا تھا کہ اس جہان میں کاملین کو بعض صفاتِ الٰہیہ جمالی یا جلالی متمثل ہو کر دکھلائی جاتی ہیں۔ پھر حضرت صاحب نے مجھے فرمایا کہ آپ کے کپڑوں پر بھی کوئی قطرہ گرا۔ مَیں نے اپنے کپڑے اِدھر اُدھر سے دیکھ کر عرض کیا کہ حضرت میرے پر تو کوئی قطرہ نہیں ہے۔ فرمایا اپنی ٹوپی پر (جو سفید ململ کی تھی) دیکھو۔ مَیں نے ٹوپی اُتار کر دیکھی تو ایک قطرہ اس پر بھی تھا۔ مجھے اس وقت بہت ہی خوشی ہوئی کہ میرے پر بھی ایک قطرہ خُدا کی روشنائی کا گرا۔ اس عاجز نے وہ کرتہ جس پر سُرخی گری تھی تبرکاً حضرت اقدسؑ سے باِصرار لے لیا۔ اس عہد پر کہ مَیں وصیت کر جاؤں گا کہ میرے کفن کے ساتھ دفن کر دیا جائے کیونکہ حضرت اقدس اس وجہ سے اُسے دینے سے انکار کرتے تھے کہ میرے اور آپ کے بعد اس سے شرک پھیلے گا اور لوگ اس کو زیارت گاہ بنا لیں گے اور اس کی پوجا شروع ہو جائے گی غرض یہ کہ بہت ردّ و قدح کے بعد دیا جو میرے پاس اس وقت تک موجود ہے اور سُرخی کے نشان اس وقت تک بلا کم و کاست بعینہٖ موجود ہیں۔ (حیات طیبہ صفحہ: 58.59، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم، سابق سوداگرمل، سن اشاعت 1960ء)

مجددیت اور ماموریت کے بارہ میں پہلا الہام

1882ء کا واقعہ ہے۔ حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں۔ ''ایک مرتبہ الہام ہوا جس کے معنے یہ تھے کہ ملاءِ اعلیٰ کے لوگ خصومت میں ہیں۔ یعنی اِرادۂ الٰہی احیاءِ دین کے لیے جوش میں ہے۔ لیکن ہنوز ملاءِ اعلیٰ پر شخص مُحیی کے تعین ظاہر نہیں ہوئی۔''

پھر فرماتے ہیں:۔

اسی اثناء میں خواب میں دیکھا کہ لوگ ایک مُحی کو تلاش کرتے پھرتے ہیں اور ایک شخص اس عاجز کے سامنے آیا اور اشارہ سے اس نے کہا:

هٰذَا رَجُلٌ يُّحِبُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ یعنی یہ وہ آدمی ہے جو رسول اللہ سے محبت رکھتا ہے۔

اور اس قول سے یہ مطلب تھا کہ شرطِ اعظم اس عہدہ کی محبتِ رسولؐ ہے سو وہ اس شخص میں متحقق ہے''۔

انہی ایام میں حضور نے ایک رؤیا دیکھا کہ:

ایک رات میں کچھ لکھ رہا تھا کہ اسی اثناء میں مجھے نیند آ گئی اور میں سو گیا۔ اس وقت میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپؐ کا چہرہ بدرِ تام کی طرح درخشاں تھا۔ آپؐ میرے قریب ہوئے اور میں نے ایسا محسوس کیا کہ مجھ سے معانقہ کرنا چاہتے ہیں چنانچہ آپؐ نے مجھ سے معانقہ کیا اور میں نے دیکھا کہ آپ کے چہرہ سے نور کی کرنیں نمودار ہوئیں اور میرے اندر داخل ہو گئیں میں ان انوار کو ظاہری روشنی کی طرح پاتا تھا اور یقینی طور

پر سمجھتا تھا کہ میں انہیں محض روحانی آنکھوں سے ہی نہیں بلکہ ظاہری آنکھوں سے بھی دیکھ رہا ہوں اور اس معانقہ کے بعد نہ ہی میں نے یہ محسوس کیا کہ آپ مجھ سے الگ ہوئے ہیں اور نہ ہی یہ سمجھا کہ آپؐ تشریف لے گئے ہیں اس کے بعد مجھ پر الہامِ الٰہی کے دروازے کھول دیئے گئے اور میرے ربّ نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا۔

"یَا اَحْمَدُ بَارَکَ اللّٰہُ فِیْکَ۔ مَارَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ۔ لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّآ اُنْذِرَ اٰبَآءُ ھُمْ وَلِتَسْتَبِیْنَ سَبِیْلُ الْمُجْرِمِیْنَ۔ قُلْ اِنِّیْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔"

یعنی اے احمد! اللہ نے تجھے برکت دی ہے پس جو وار تو نے دین کی خدمت کے لیے مخالفوں پر کیا ہے وہ تُو نے نہیں کیا بلکہ اللہ نے کیا ہے۔ خُدا نے تجھے قرآنِ کریم کا علم عطا فرمایا ہے تاکہ تُو اُن لوگوں کو ہوشیار کرے جن کے باپ دادے ہوشیار نہیں کیے گئے تھے اور تا مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔ لوگوں سے کہہ دے کہ مجھے خُدا کی طرف سے مامور کیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے ایمان لایا ہوں"۔

یہ وہ پہلا الہام تھا جو ماموریت کے متعلق آپ پر ہوا لیکن چونکہ ابھی تک آپ کو بیعت لینے کا حکم نہیں ملا تھا اس لیے آپ نے بیعت کا اعلان کر کے باقاعدہ کسی جماعت کی بنیاد نہیں رکھی۔ بلکہ عام رنگ میں ہی خدماتِ اسلام دیتے رہے۔

اسی زمانہ میں آپ کو بعض ایسے الہامات ہوئے جن سے ظاہر تھا کہ عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب کہ بے شمار مخلوق تجھ سے فیض حاصل کرنے کے لیے تیرے پاس قادیان آئے گی۔ دیکھنا۔ لوگوں کے کثرت سے آ کر ملاقات کرنے کی وجہ سے کہیں گھبرا نہ جانا۔ غرض جوں جوں **مصفّٰی** غیب پر آگاہ کرنے لیے آپؑ پر الہامات کا نزول شروع ہوا۔ آپؑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی محبت میں اور بھی ترقی کرتے چلے گئے۔ کیونکہ آپ اس حقیقت کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے کہ ان سب انوارِ الٰہی کا نزول آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی پیروی اور برکت سے ہی ہو رہا ہے۔ اس لیے آپؑ نے کثرت سے اپنے نبیؐ متبوع صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجنا شروع کر دیا۔ حتیٰ کہ 1883ء میں آپ پر ظاہر کیا گیا کہ آپ کو اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو ایک ہی جوہر سے پیدا کیا گیا ہے تم دونوں ایک ہی شے کی مانند ہو۔

انہی ایام میں آپؑ کو درود شریف پڑھنے کی تلقین ہوئی اور یہ الہام ہوا کہ۔

"صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ سَیِّدِ وُلْدِ اٰدَمَ وَخَاتَمِ النَّبِیِّیْنَ"۔

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم جو سیّدِ ولدِ آدم اور خاتم النبیّین ہیں ان پر اور ان کی آل پر درود بھیج۔

چنانچہ آپؑ نے کثرت سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر درود بھیجنا شروع کر دیا۔ کہ آپ فرماتے ہیں۔

"اس مقام پر مجھ کو یاد آیا کہ ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس معطر ہو گیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ آبِ زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لیے آتے ہیں اور ایک نے ان میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تُو نے محمدؐ کی طرف بھیجی تھی۔" صلی اللہ علیہ وسلّم اس زمانہ میں آپ کو یہ بھی الہام ہوا کہ۔ **قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ۔**

یعنی تو لوگوں کو کہہ دے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو اس کا ایک ہی ذریعہ ہے اور وہ یہ کہ میری پیروی کرو۔

سبحان اللہ! کیا عجیب احسان خداوندی ہے کہ آپ کو حکم دیتا ہے کہ اگر آپ میرے حضور اعلیٰ درجات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم پر کثرت سے درود بھیجیں اور آپ کے زمانہ کی مخلوق کو یہ حکم دیتا ہے کہ اس زمانہ میں اگر تم مجھ سے محبت کرنا چاہتے ہو تو اس شخص کی پیروی کرو۔ **سُبْحَانَ اللّٰہِ وَ بِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِ مُحَمَّدٍ۔**

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 52 تا 54، سن اشاعت 1960ء)

دعوت نشان نمائی اور اعلان مجددیت و ماموریت

1885ء کے شروع میں آپ نے مختلف مذاہب کے لیڈروں اور پیشواؤں کو اسلام کی تازہ بتازہ برکات اور آیات کے دیکھنے کی دعوت دی۔اس غرض کے لیے آپ نے اپنے دعویٰ پر مشتمل ایک اشتہار بھی انگریزی اور اُردو دونوں میں شائع فرمایا۔جس کا ضروری اقتباس یہ ہے:۔

''اور مصنف کو اس بات کا بھی علم دیا گیا ہے کہ وہ مجددِ وقت ہے اور روحانی طور پر اس کے کمالات مسیح ابن مریم کے کمالات سے مشابہ ہیں اور ایک کو دوسرے سے بشدّت مناسبت اور مشابہت ہے اور اس کو خواصِ انبیاء و رسل کے نمونہ پر محض **بہ برکتِ متابعت حضرت خیرالبشرو افضل الرسل** ﷺ ان بہتوں پر اکابر اولیاء سے فضیلت دی گئی ہے جو کہ اس کے پہلے گزر چکے ہیں اور اس کے قدم پر چلنا موجبِ نجات و سعادت و برکت اور اس کے برخلاف چلنا موجبِ بُعد و حرمان ہے''۔(آخر سرمہ چشمہ آریہ و شحنۂ حق و آئینہ کمالات اسلام و برکات الدعا)

یہ اشتہار بیس ہزار کی تعداد میں شائع کیا گیا اور دُنیا بھر کے بادشاہوں، وزیروں اور مذہبی لیڈروں کو بھجوایا گیا اور انہیں دعوت دی گئی کہ اگر انہیں اسلام کی حقّانیت یا آنحضرت ﷺ کی صداقت کے بارہ میں کوئی شبہ ہو یا الہام یا ہستی باری تعالیٰ کے متعلق کوئی اعتراض ہو یا قُرآنِ کریم کی فضیلت کے متعلق کوئی بات دل میں کھٹکتی ہو تو وہ آپ کے پاس آکر یا بذریعہ خط و کتابت اپنی تسلّی کر لیں۔ساتھ ہی ''**اعلان دعوت**'' کے نام سے آپ نے ایک خط بھی شائع فرمایا جس میں ہندوستان و پنجاب کے مختلف مذاہب کے لیڈروں کو نشان نمائی کی دعوت دی گئی۔جس میں لکھا کہ:

''**اگر آپ آویں اور ایک سال رہ کر کوئی آسمانی نشان مشاہدہ نہ کریں تو دوسو روپیہ ماہوار کے حساب سے آپ کو ہرجانہ یا جرمانہ دیا جائیگا**''

(تبلیغ رسالت جلد اوّل صفحہ 12 و حیات احمد جلد دوم نمبر سوم صفحہ 116)

حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں:۔

''ہر چند ہم نے تمام ہندوستان و پنجاب کے پادری صاحبان و آریہ صاحبان کی خدمت میں اس مضمون کے خط رجسٹری کرا کر بھیجے۔مگر کوئی صاحب قادیان میں تشریف نہ لائے بلکہ منشی اندرمن صاحب کے لئے تو مبلغ چوبیس سو روپیہ نقد لاہور میں بھیجا گیا تو وہ کنارہ کر کے فریدکوٹ چلے گئے۔ہاں ایک صاحب پنڈت لیکھرام نام پشاوری قادیان میں ضرور آئے تھے اور ان کو بار بار کہا گیا کہ اپنی حیثیت کے موافق بلکہ اس تنخواہ سے دو چند جو پشاور میں نوکری کی حالت میں پاتے تھے۔ہم سے بحساب ماہوار لینا کر کے ایک سال تک ٹھہرو اور اخیر پر یہ بھی کہا گیا کہ اگر ایک سال تک منظور نہیں تو چالیس دن تک ہی ٹھہرو تو انہوں نے ان دونوں صورتوں میں سے کسی صورت کو منظور نہیں کیا''۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:59.60، سن اشاعت 1960ء)

دعویٰ مسیح موعود

1890 کے اَواخر میں اللہ تعالیٰ نے آپ پر اس امر کا انکشاف فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے جس مسیح ابن مریم کے آنے کی خبر دی تھی وہ تُو ہی ہے۔پہلا مسیح آسمان پر خاکی جسم کے ساتھ ہرگز زندہ نہیں بلکہ وہ دیگر انبیاء کی طرح فوت ہو چکا ہے۔گو اس سے قبل بھی کئی ایک الہامات اور بشارات کے ذریعہ آپ مسیح موعود قرار دیئے گئے تھے مگر جب تک آپ پر صراحت کے ساتھ انکشاف نہیں ہوا۔آپ اپنے پرانے عقیدے پر قائم رہے اور عام مسلمانوں کی طرح حضرت مسیح ناصریؑ کو جسدِ عنصری کے ساتھ آسمان ہی پر سمجھتے اور مانتے رہے مگر جب انکشاف ہو گیا تو آپ نے اس کے اظہار میں ایک لمحہ کے لیے بھی توقف نہیں فرمایا۔

چنانچہ آپ نے دعویٰ مسیحیت کے اعلان کے لیے ایک مختصر سا رسالہ ''فتح اسلام'' شائع فرمایا جس کے ٹائٹل پیج پر یہ الہامی رُباعی درج ہے۔

کیا شک ہے ماننے میں تمہیں اس مسیح کے جس کی مماثلت کو خُدا نے بتا دیا
حاذق طبیب پاتے ہیں تم سے یہی خطاب خوبوں کو بھی تو تُم نے مسیحا بنا دیا

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ:75،سن اشاعت 1960ء)

سفر ہوشیار پور اور پیشگوئی مصلح موعود

حضرت اقدسؑ کا مدت سے اِرادہ تھا کہ آپ کسی ایسی جگہ جا کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرح متواتر چالیس دن عبادتِ الٰہی اور دُعا میں گزاریں۔ جہاں آپ کو کوئی جانتا نہ ہو۔ چنانچہ اس غرض کے لیے آپ نے پہلے 1884ء میں سوجان پور ضلع گورداسپور جانے کا اِرداہ فرمایا۔ مگر **مشیّتِ الٰہی** کے ماتحت یہ سفر ملتوی ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتایا:

''تمہاری عقدہ کشائی ہوشیار پور میں ہوگی''

چنانچہ جنوری 1886ء میں عازم ہوشیار پور ہوئے اس سفر میں حضرت مولوی عبداللہ صاحب سنوری۔ حضرت شیخ حامد علی صاحب اور میاں فتح خاں صاحب آپ کے ساتھ بطور خادم تھے۔ ہوشیار پور پہنچ کر حضور نے شیخ مہر علی صاحب رئیس کے طویلہ کے بالا خانہ میں قیام فرمایا۔ چونکہ براہین احمدیہ کی اشاعت کی وجہ سے آپ کی شہرت کافی ہو چکی تھی اور لوگ آپ کی ملاقات کے مشتاق تھے۔ اس لیے حضور نے بذریعہ دستی اشتہارات یہ اعلان فرما دیا تھا کہ چالیس دن تک کوئی صاحب مجھ سے ملنے کے لیے نہ آویں۔ بعد میں میں بیس(20) دن اور یہاں رہوں گا۔ ان ایام میں ہر شخص کو ملاقات کی اجازت ہوگی۔ حضرت مولوی عبداللہ سنوری رضی اللہ کی روایت ہے۔ "ہماری رہائش کا انتظام نیچے تھا اور ہمیں حضرت اقدسؑ نے تاکیدی حکم دے رکھا تھا کہ مجھ سے از خود کوئی شخص کلام نہ کرے اگر میں کوئی بات پوچھوں تو صرف میری بات کا جواب دے دیا جائے زائد بات نہ کی جائے میرا کھانا اُوپر پہنچا دیا جاوے اور برتن واپس لینے کے لیے انتظار نہ کیا جائے۔ نماز میں الگ پڑھا کروں گا البتہ جمعہ کے لیے فرمایا کہ کوئی ویران سی مسجد تلاش کرو۔ جہاں ہم علیحدگی میں نماز ادا کر سکیں۔ چنانچہ شہر کے باہر ایک باغ میں چھوٹی سی مسجد تھی۔ ہم لوگ جمعہ کے لیے وہاں جاتے۔ حضرت اقدس مختصر سا خطبہ پڑھتے اور نماز پڑھا کر واپس تشریف لے آتے۔ حضرت مولوی صاحبؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب میں کھانا پہنچانے کے لیے اُوپر گیا تو حضرت صاحب نے فرمایا **"میاں عبداللہ! ان دنوں مجھ پر بڑے بڑے خدا کے فضل کے دروازے کھلے ہیں۔**

اور بعض اوقات دیر دیر تک خُدا تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔ اگر ان کو لکھا جائے تو کئی ورق ہو جائیں"۔

چالیس دن گزرنے کے بعد حضور نے 20 فروری کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں اپنی نسبت، اپنی اولاد کی نسبت، اپنے اقارب کی نسبت، اپنے دوستوں کی نسبت، سرسیّد اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کی نسبت کئی ایک پیشگوئیاں درج فرمائیں۔ مصلح موعود کی عظیم الشان پیشگوئی بھی اسی اشتہار میں درج فرمائی۔ چلہ کشی کے بعد کئی لوگ باہر سے بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوئے۔ بعض لوگوں نے آپ سے مذہبی طور پر تبادلہ خیالات بھی کیا۔ جن میں خاص طور پر پنڈت مرلی دھر کے ساتھ مباحثہ مشہور ہے جس کی روئداد حضور کی کتاب "سرمہ چشم آریہ" میں درج ہے۔ جب دو ماہ کی مدت پوری ہوگئی تو حضرت اسی رستہ سے واپس قادیان تشریف لائے جس رستہ سے گئے تھے۔ حضرت مولوی عبداللہ صاحب فرماتے ہیں:۔

"ہوشیار پور سے پانچ چھ میل کے فاصلہ پر ایک بزرگ کی قبر ہے جہاں کچھ باغیچہ سا لگا ہوا ہے۔ وہاں پہنچ کر حضور تھوڑی دیر کے لیے بہلی سے اُتر آئے اور فرمایا یہ عمدہ سایہ دار جگہ ہے یہاں تھوڑی دیر ٹھہر جاتے ہیں۔ اس کے بعد حضور قبر کی طرف تشریف لے گئے۔ میں پیچھے پیچھے ہو گیا اور شیخ

حامد علی اور فتح خاں بہلی کے پاس رہے۔آپ مقبرہ پر پہنچ کر اس کا دروازہ کھول کر اندر گئے اور قبر کے سرہانے کھڑے ہو کر صاحب قبر کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور تھوڑی دیر تک دُعا فرماتے رہے پھر واپس آئے اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا۔جب میں نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے تو جس بزرگ کی یہ قبر ہے وہ نکل کر دوزانو ہو کر میرے سامنے بیٹھ گئے اور اگر آپ ساتھ نہ ہوتے تو میں ان سے باتیں بھی کر لیتا۔اُن کی آنکھیں موٹی موٹی ہیں اور رنگ سانولا ہے"۔پھر فرمایا کہ دیکھو اگر یہاں کوئی مجاور ہے تو اس سے ان کے حالات پوچھیں۔چنانچہ حضور نے مجاور سے دریافت کیا اس نے کہا کہ میں نے ان کو خود نہیں دیکھا۔کیونکہ ان کی وفات کو قریباً ایک سو سال گزر گیا ہے ہاں اپنے باپ یا دادا سے سُنا ہے کہ سانولا رنگ تھا اور موٹی موٹی آنکھیں تھیں اور اس علاقہ میں ان کا بہت اثر تھا۔(حیات طیبہ،حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ:63.64،سن اشاعت 1960ء)

نشان رحمت یعنی پیشگوئی حضرت مصلح موعود

یوں تو حضرت مسیح موعودؑ کی تمام اولاد مبشر ہے اور ہر ایک ان میں سے آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی کے ماتحت موعود ہے لیکن خصوصیت سے حضرت اقدسؑ کو مصلح موعود ایک بیٹے کی بشارت دی گئی تھی۔

خدائے رحیم و کریم بزرگ و برتر نے جو ہر چیز پر قادر ہے (جل شانہ وعزاسمہ) مجھ کو اپنے الہام سے مخاطب کر کے فرمایا۔کہ میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں۔اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔سو میں نے تیری تضرعات کو سنا۔اور تیری دُعاؤں کو اپنی رحمت سے بپایۂ قبولیت کی جگہ دی۔اور تیرے سفر کو (جو ہوشیار پور اور لدھیانہ کا سفر ہے) تیرے لیے مبارک کر دیا۔سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔اور فتح اور ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔اے مظفر! تجھ پر سلام۔خدا نے یہ کہا۔تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں۔موت کے پنجے سے نجات پاویں۔اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔اور تا دینِ اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔اور تا حق اپنی تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔اور جو چاہتا ہوں کرتا ہوں۔اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے۔اور خدا اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفیٰؐ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ایک کھلی نشانی ملے۔اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔سو تجھے بشارت ہو۔کہ ایک وجیہہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔اس کا نام عنموائیل اور بشیر بھی ہے۔اس کو مقدس رُوح دی گئی ہے۔اور وہ رجس سے پاک ہے۔وہ نور اللہ ہے۔مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔اس کے ساتھ فضل ہے۔جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔وہ صاحبِ شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔وہ دُنیا میں آئے گا۔اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا۔وہ کلمۃ اللہ ہے۔کیوں کہ خدا کی رحمت وغیوری نے اسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا۔اور دل کا حلیم۔اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائے گا۔اور وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا۔(اس کے معنی سمجھ میں نہیں آئے) دوشنبہ ہے مبارک دوشنبہ۔فرزند دلبند گرامی ارجمند **مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَآءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ**۔جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔نور آتا ہے نور۔جس کو خدا نے اپنی رضا مندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ہم اس میں اپنی رُوح ڈالیں گے۔اور خُدا کا سایہ اس کے سر پر ہوگا۔وہ جلد جلد بڑھے گا۔اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔اور قومیں اس سے برکت پائیں گی تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اُٹھایا جائے گا۔**وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا**"

(اشتہار 20 فروری 1886ء مجموعہ اشتہارات جلداوّل صفحہ 100 تا102) حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:65، سن اشاعت 1960ء)

پہلا سالانہ جلسہ دسمبر 1891ء

دعویٰ مسیحیت کے بعد کے ایام حضرت اقدس کے لیے نہایت ہی مصروفیت کے ایام تھے۔ مخالف علماء نے چاروں طرف مخالفت کی آگ بھڑکا رکھی تھی مگر حضور بڑے استقلال اور ہمت کے ساتھ کوہِ وقار بن کر اس آگ کو بجھانے میں مصروف تھے اور اس غرض کے لیے آپ نے بعض لمبے لمبے سفر بھی اختیار کیے۔ مگر جہاں حضور اس عقائد کی جنگ میں شمشیر برہنہ لے کر کھڑے تھے وہاں مبائعین کی تربیت سے بھی غافل نہ تھے۔ چنانچہ حضور نے ارشادِالٰہی کی بناء پر قادیان میں ایک سالانہ جلسہ کی بنیاد رکھی اور اس کے لیے 27 دسمبر تا 29 دسمبر کی تاریخیں مقرر کیں۔ چنانچہ پہلے جلسہ میں جو دسمبر 1891ء میں ہوا۔ پچھتر (75) احباب شریک ہوئے اور جلسہ کے اغراض و مقاصد کے لیے آپ نے مورخہ 30 دسمبر 1891 کو حسبِ ذیل اعلان فرمایا۔

"تمام مخلصین داخلین سلسلہ بیعت اس عاجز پر ظاہر ہو کہ بیعت کرنے سے غرض یہ ہے کہ تا دُنیا کی محبت ٹھنڈی ہو اور اپنے مولا کریم اور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دل پر غالب آجائے اور ایسی حالتِ انقطاع پیدا ہو جائے۔ جس سے سفرِ آخرت مکروہ معلوم نہ ہو۔ لیکن اس غرض کے حصول کے لیے صحبت میں رہنا اور ایک حصہ اپنی عمر کا اس راہ میں خرچ کرنا ضروری ہے تا کہ اگر خُدا تعالیٰ چاہے تو کسی برہانِ یقینی کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دُور ہو اور یقین کے مشاہدہ سے کمزوری اور ضعف اور کسل دُور ہو اور یقینِ کامل پیدا ہو کر ذوق اور شوق اور ولولہ عشق پیدا ہو جائے۔ سو اس بات کے لیے ہمیشہ فکر رکھنا چاہیے اور دُعا کرنا چاہیے کہ خُدا تعالیٰ یہ توفیق بخشے اور جب تک یہ توفیق حاصل نہ ہو کبھی کبھی ضرور ملنا چاہیے۔ کیونکہ سلسلہ بیعت میں داخل ہو کر پھر ملاقات کی پروانہ رکھنا ایسی بیعت سراسر بے برکت اور صرف ایک رسم کے طور پر ہوگی اور چونکہ ہر ایک کے لیے بباعث ضعفِ فطرت یا کمئ مقدرت یا بعدِ مسافت یہ میسر نہیں آسکتا کہ وہ صحبت میں آکر رہے یا چند دفعہ سال میں تکلیف اُٹھا کر ملاقات کے لیے آوے کیونکہ اکثر دلوں میں ابھی ایسا اشتعالِ شوق نہیں کہ ملاقات کے لیے بڑی بڑی تکالیف اور بڑے بڑے حربوں کو اپنے پر روا رکھیں۔

لہٰذا قرین مصلحت معلوم ہوتا ہے کہ سال میں تین روز ایسے جلسے کے لیے مقرر کیے جائیں جس میں تمام مخلصین اگر خُدا تعالیٰ چاہے بشرطِ صحت و فرصت وعدمِ موانع قویہ تاریخ مقررہ پر حاضر ہو سکیں۔ سو میرے خیال میں بہتر ہے کہ وہ تاریخ 27 دسمبر سے 29 دسمبر تک قرار پائے۔ یعنی آج کے دن کے بعد جو تیس دسمبر 1891ء ہے آئندہ اگر ہماری زندگی میں 27 دسمبر کی تاریخ آجائے تو حتی الوسع تمام دوستوں کو محض للہ ربانی باتوں کے سننے کے لیے اور دُعا میں شریک ہونے کے لیے اس تاریخ پر آجانا چاہیے اور اس جلسہ میں ایسے حقائق و معارف کے سنانے کا شغل رہے گا جو ایمان اور یقین اور معرفت کو ترقی دینے کے لیے ضروری ہیں۔ اور نیز ان دوستوں کے لیے خاص دُعائیں اور خاص توجہ ہوگی اور حتی الوسع بدرگاہِ ارحم الراحمین کوشش کی جائے گی کہ خدا تعالیٰ اپنی طرف ان کو کھینچے اور اپنے لیے قبول کرے اور پاک تبدیلی ان میں بخشے......... الخ

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:105.106، سن اشاعت 1960ء)

جلسہ سالانہ 1892ء

سال 1892ء میں بھی ملک کے طول وعرض میں آپ کی شدید مخالفت ہوتی رہی، لیکن آپ کے متبعین کی تعداد خُدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی کرتی چلی گئی۔ چنانچہ جب 1892ء کا سالانہ جلسہ آیا تو اس میں تین سو ستائیس (327) دوستوں نے شرکت کی۔ جلسہ میں حضرت اقدسؑ کی تقریر کے

علاوہ حضرت حکیم حافظ مولانا نورالدین صاحبؓ کی تقریر بھی ہوئی۔اس زمانہ میں چونکہ آج کل کی طرح مجلس مشاورت کے لیے الگ ایام مقرر نہیں تھے۔اس لیے پیش آمدہ دینی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے ایک قسم کی مجلس مشاورت بھی جلسہ کے ایام میں ہی ہوجاتی تھی۔ چنانچہ 1892ء کے جلسہ میں مندرجہ ذیل تجاویز پیش ہوئیں:۔

مؤرخہ 28دسمبر 1892ء کو یورپ اور امریکہ کی دینی ہمدردی کے لیے یہ قرار پایا کہ ’’ایک رسالہ جو اہم ضروریاتِ اسلام کا جامع اور عقائدِ اسلام کا خوبصورت چہرہ معقول طور پر دکھاتا ہو تالیف ہوکر اور چھاپ کر یورپ اور امریکہ میں بہت سی کاپیاں اس کی بھیج دی جائیں۔ بعد اس کے قادیان میں اپنا مطبع قائم کرنے کے لیے تجاویز پیش ہوئیں اور ایک فہرست ان صاحبوں کے چندہ کی مرتب کی گئی جو اعانت مطبع کے لیے بھیجتے رہیں گے۔ یہ بھی قرار پایہ کہ حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی اس سلسلہ کے واعظ مقرر ہوں اور وہ پنجاب اور ہندوستان میں دَورہ کریں۔ بعد اس کے دُعائے خیر کی گئی‘‘۔(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:116.117،سن اشاعت 1960ء)

آئینہ کمالاتِ اسلام کی تصنیف کے دوران میں دومرتبہ رسول اللہ ﷺ کی زیارت

اس کتاب کے بابرکت اور نافع الناس ہونے کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہوگا کہ حضور فرماتے ہیں:۔

’’اس کتاب کی تحریر کے وقت دومرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت مجھ کو ہوئی اور آپ نے اس کتاب کی تالیف پر بہت مسرت ظاہر کیا اور ایک رات یہ بھی دیکھا کہ ایک فرشتہ بلند آواز سے لوگوں کے دلوں کو اس کتاب کی طرف بلاتا ہے اور کہتا ہے۔ **ھٰذَا کِتَابٌ مُّبَارَکٌ فَقُوْمُوْ لِلْاِجْلَالِ وَالْاِکْرَامِ**۔ یعنی یہ کتاب مبارک ہے اس کی تعظیم کے لیے کھڑے ہوجاؤ‘‘۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:117، سن اشاعت 1960ء)

اپنی، اپنے خاندان اور اپنے دلی محبوں کی نسبت پیشگوئی

پھر **خدائے کریم جل شانہٗ** نے مجھے بشارت دے کر کہا کہ "تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتینِ مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا، تیری نسل بہت ہوگی اور میں تیری ذریت کو بہت بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی اور ہر ایک شاخ تیرے جدّی بھائیوں کی کاٹی جائے گی اور وہ جلد لاولدرہ کرختم ہوجائے گی۔ اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا ان پر بلا نازل کرے گا۔ یہاں تک کہ وہ نابود ہوجائیں گے۔ان کے گھر بیواؤں سے بھر جائیں گے اور ان کی دیواروں پر غضب نازل ہوگا۔لیکن اگر وہ رجوع کریں گے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا۔ خدا تیری برکتیں اِرد گرد پھیلائے گا اور ایک اُجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا اور ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھردے گا۔ تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔ خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دُنیا منقطع ہوجائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا اور تیری دعوت کو دُنیا کے کناروں تک پہنچادے گا۔ میں تجھے اُٹھاؤں گا اور اپنی طرف بلاؤں گا پر تیرا نام صفحۂ زمین سے کبھی نہیں اُٹھائے گا اور ایسا ہوگا کہ سب وہ لوگ جو تیری ذلت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ خود ناکام رہیں گے اور ناکامی اور نامرادی میں مریں گے لیکن خُدا تجھے بکلّی کامیاب کرے گا اور تیری ساری مرادیں تجھے دے گا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا اور اُن کے نفوس و اموال میں برکت دوں گا اور ان میں کثرت بخشوں گا اور وہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تابروز قیامت غالب رہیں گے جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے۔ خدا انہیں نہیں بھولے گا اور فراموش نہیں کرے گا اور وہ علیٰ حسبِ الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے

انبیاء بنی اسرائیل (یعنی ظلّی طور پر ان سے مشابہت رکھتا ہے) تو مجھ سے ایسا ہے جیسی میری توحید۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اے منکرو اور حق کے مخالفو! اگر تم میرے بندے کی نسبت شک میں ہو اگر تمہیں اس فضل اور احسان سے کچھ اِنکار ہے جو ہم نے اپنے بندے پر کیا تو اس نشانِ رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی ایسا نشان پیش کرو اگر تم سچے ہو اور اگر تم کبھی پیش نہ کرسکو اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کرسکو گے تو اس آگ سے ڈرو کہ جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کے لیے تیار ہے۔"

اس کے بعد 22 مارچ 1886ء کے اشتہار میں حضرت اقدس نے مصلح موعود کی پیدائش کے لیے اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر نو سال کی مدت بھی مقرر فرما دی چنانچہ الٰہی وعدہ کے مطابق 12 جنوری 1889ء کو مصلح موعود کی پیدائش ظہور میں آ گئی۔ **فالحمد للّٰہ علیٰ ذالک**

اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ کے مطابق مصلح موعود کی پیشگوئی کے بعد حضرت اقدس کو پہلے ایک لڑکی عطا فرمائی اور پھر ایک لڑکا عنایت فرمایا جو بعد میں بشیر اوّل کہلایا اور تقریباً سوا سال کی عمر پا کر وفات پا گیا۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْن**۔

(حیات طیبہ صفحہ 67.66 حضرت شیخ عبدالقادر سابق سوداگر مل، سن اشاعت 1960ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دشمنوں کا انجام

عبداللہ آتھم

مئی 1893ء کے اواخر میں عبداللہ آتھم مسیحی سے اَمرتسر میں آپ کا تاریخی مباحثہ ہوا۔ جو اَمرتسر کے عیسائی مشن اور سلسلہ احمدیہ کی تاریخ میں جنگ مقدس کے نام سے موسوم ہے۔

مجھے اس جگہ مباحثہ کے حالات بیان نہیں کرنا بلکہ حضورؑ کی سادگی اور بے تکلّفی کے متعلق بیان کرنا ہے۔ مباحثہ کے شروع میں آپ ہال بازار میں مطبع ریاض ہند کے متصل ایک مکان میں قیام فرماتے۔ ایک حصے میں حضور خود رہتے تھے۔ اور دوسرے حصہ میں مہمانوں کا قیام تھا۔ گھر میں کوئی ایسی جگہ نہ تھی۔ جہاں حضرت اقدس علیحدہ بیٹھ سکتے۔ چنانچہ بہت جلد اس مکان کو چھوڑ کر میر محمود صاحب رئیس اَمرتسر کی تحریک پر ان کے ایک بہت بڑے مکان میں جو کٹڑہ اہلو والیاں میں واقع ہے۔ چلے گئے تھے۔ غرض اس مکان میں جگہ نہ تھی۔ موسم خطرناک گرم تھا۔ حضرت اقدس اس موقعہ پر کوٹھے پر دیوار کے سایہ میں ایک معمولی چٹائی بچھا کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اور کاغذات کو پڑھ رہے تھے۔ اس چٹائی پر کوئی دری کوئی تکیہ کچھ بھی نہ تھا۔ اور وہ اتنی بڑی نہ تھی۔ کہ اس پر اگر آپ لیٹنا چاہتے تو لیٹ سکتے۔ اسی طرح جب اس مکان سے اُٹھ کر خان محمد شاہ والے مکان میں چلے گئے۔ تو آپ کو اسہال کی شکایت تھی۔ آخری دن تو بہت ہی زیادہ اسہال آئے تھے۔ اسی مقصد کے لیے مجھے اور میاں الہ دین صاحب کو اسی مکان میں اَندر جانا پڑا تو آپ ایک چٹائی پر لیٹے ہوئے تھے اور وہ اتنی چوڑی تھی۔ کہ آپ کا نیچے کا جسم گھٹنوں تک زمین پر تھا۔ مگر آپ نہایت بے تکلفی اور سادگی سے اس پر لیٹے ہوئے اُٹھ بیٹھے۔ میں بیان نہیں کرسکتا۔ کہ ان واقعات کو دیکھ کر میرے اور میاں الہ دین صاحب کے دل پر کیا گزرا۔ میاں الہ دین صاحب نے کہا کہ یہاں کوئی دری بچھا دی جاوے۔ تو فرمایا ''نہیں میں سونے کی غرض سے تو نہیں لیٹا تھا۔ کام میں آرام سے حرج ہوتا ہے، اور یہ آرام کے دن نہیں ہیں۔'' (سیرت حضرت مسیحِ موعودؑ، از یعقوب علی عرفانی، صفحہ 329.330، سن اشاعت 12 مئی 1924ء)

پنڈت لیکھرام

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود فیروز پور سے قادیان کو آرہے تھے۔ میں پلیٹ فارم کی طرف گیا تو پنڈت لیکھرام آریہ مسافر جوان ایام میں پنڈت

دیا نند صاحب کی لائف لکھنے کے کام میں مصروف تھا جالندھر جانے کو تھا۔ کیونکہ غالباً وہاں ہی کام کرتا تھا مجھ سے اس نے پوچھا کہ کہاں سے آئے ہو میں نے حضرت اقدس کی تشریف آوری کا ذکر سنایا تو خدا جانے اس کے دل میں کیا آئی کہ بھاگا ہوا وہاں آیا جہاں حضرت اقدس وضو کر رہے تھے۔ اس نے ہاتھ جوڑ کر آریوں کے طریق پر حضرت اقدس کو سلام کہا مگر حضرت نے یونہی آنکھ اُٹھا کر سرسری طور پر دیکھا اور وضو کرنے میں مصروف رہے اس نے سمجھا کہ شاید سنا نہیں اس لیے اس نے پھر کہا۔ حضرت بدستور اپنے استغراق میں رہے۔ وہ کچھ دیر ٹھہر کر چلا گیا۔ کسی نے کہا کہ لیکھرام سلام کرتا تھا فرمایا۔

''اس نے آنحضرت ﷺ کی بڑی توہین کی ہے۔ میرے ایمان کے خلاف ہے کہ میں اس کا سلام لوں۔ آنحضرت ﷺ کی پاک ذات پر تو حملے کرتا ہے اور مجھ کو سلام کرنے آیا ہے۔'' غرض آپ نے اظہار غیرت کیا اور پسند نہ کیا کہ وہ شخص جو آنحضرت ﷺ کی ہتک کرتا ہے میں اس کا سلام بھی لوں۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ از حضرت یعقوب علی عرفانی صفحہ 271، سن اشاعت 12 مئی 1924ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی غیرت دینی

حضرت مسیح موعود علیہ السلام جہاں ایک طرف غصہ کے اس ناپاک جذبے سے پاک تھے جو انسان میں نخوت و تکبر اور انانیت کے جراثیم پیدا کرتا ہے وہاں آپ کی فطرت میں غیرت دینی کا اس قدر زبردست جذبہ تھا کہ آپ ایسے ہر موقع پر ہر قسم کے تعلقات کو قربان کر دینے کو تیار ہوتے تھے۔ اور محبت اور نرمی کا کوئی اثر اس وقت دیکھا نہیں جا سکتا تھا۔ آپ کبھی کسی شخص پر اپنے ذاتی کام اور ذاتی نقصان کی وجہ سے ناراض نہیں ہوئے۔ مگر دین کے معاملے میں کسی کی پرواہ نہیں کرتے تھے خواہ وہ کتنا ہی عزیز اور رشتہ داری کے تعلقات رکھنے والا کیوں نہ ہو۔ یہ ناممکن تھا کہ حضور ﷺ یا قرآن مجید کے خلاف کوئی بات سن سکیں۔

ذیل میں اس بارے میں کچھ واقعات بیان کیے جاتے ہیں۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ از یعقوب علی عرفانی صفحہ:268.269، سن اشاعت 12 مئی 1924ء)

اپنی حقیقی چچی کے ہاں جانا چھوڑ دیا

یہ اس وقت کی بات ہے کہ جب حضرت مسیح موعود کا دنیا میں کوئی دعویٰ نہ تھا۔ بلکہ دنیا آپ کو جانتی ہی نہ تھی۔ براہین احمدیہ بھی ابھی لکھی جانی شروع نہ ہوئی تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے ایک چچا مرزا غلام حیدر مرحوم تھے۔ ان کی اہلیہ بی بی صاحب جان تھیں۔ ایک مرتبہ ان کے منہ سے حضرت نبی کریم ﷺ کی شان میں کوئی بے اَدبی کا کلمہ نکل گیا۔ باوجود اس احترام کے جو آپ بزرگوں کا کرتے تھے۔ اس بات کا اثر آپ کی طبیعت پر اس قدر ہوا اور اس قدر بے تابی آپ کے قلب میں پیدا ہوئی کہ اس کا اثر آپ کے چہرہ مبارک سے نمایاں تھا۔ آپ کا چہرہ غصے سے تمتما رہا تھا۔ اس حالت میں آپ کا کھانا بھی چھوٹ گیا محض اس لیے کہ حضور ﷺ کی شان میں کیوں بے اَدبی ہوئی۔ اور اس واقعہ سے متاثر ہو کر آپ نے ان کے ہاں کا کھانا پینا ترک کر دیا۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ از یعقوب علی عرفانی صفحہ:269.270، سن اشاعت 12 مئی 271)

اقارب سے قطع تعلق

آپ کے چچا زاد بھائی مرزا امام الدین کی مجلس میں اسلام سے ہنسی ہوتی تھی۔ اور خود بھی وہ ایسے الفاظ و کلمات اپنی زبان سے نکال دیتے تھے جن سے دین کی تحقیر ہو۔ آپ نے ان باتوں کو دیکھ کر ان سے قطع تعلق کر لیا اور آخری وقت تک اس پر قائم رہے۔ ان سے کوئی ذاتی دشمنی نہ تھی بلکہ اگر کسی موقع پر ان کو تکلیف میں مبتلا دیکھتے یا اگر وہ اپنی مالی ضرورت کے وقت تحریک کرتا تو آپ نے کبھی مضائقہ نہ کیا اور ان کی مدد کرنا اپنا فرض سمجھا۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، از یعقوب علی عرفانی صفحہ:270، سن اشاعت 12 مئی 1924ء)

پنڈت لیکھرام کا واقعہ

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود لاہور جانے کے لیے ایک سٹیشن پر موجود تھے کہ عصر کی نماز کا وقت ہوگیا اور حضور وضو کر رہے تھے۔اس دوران پنڈت لیکھرام وہاں آیا۔اس کو حضور کی وہاں موجودگی کا پتہ چلا تو بھاگتا ہوا حضور کے پاس گیا اور آریوں کے طرز پر جھک کر سلام کیا۔حضور نے یونہی آنکھ اُٹھا کر سرسری طور پر دیکھا اور وضو کرنے میں مصروف رہے۔اس نے سمجھا کہ شاید سنا نہیں اس لیے دوبارہ کہا۔حضور بدستور اپنے استغراق میں رہے۔وہ کچھ دیر ٹھہر کر چلا گیا۔کسی نے کہا لیکھرام سلام کرتا تھا۔فرمایا ''اس نے آنحضرت ﷺ کی بڑی توہین کی ہے۔میرے ایمان کے خلاف **ہے کہ میں اس کا سلام لوں۔آنحضرت ﷺ کی پاک ذات پر تو حملے کرتا ہے اور مجھ کو سلام کرنے آیا ہے''۔**

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از یعقوب علی عرفانی،صفحہ:271،سن اشاعت 12 مئی 1924ء)

جنگ مقدس میں اس خلق کا اظہار

1893 میں امرتسر کے مقام پر عیسائیوں سے مباحثہ ہوا جس کا نام جنگ مقدس رکھا گیا۔ڈاکٹر پادری مارٹن کلارک نے آپ کو اور آپ کے خدام کو چائے کی دعوت پر بلانا چاہا۔آپ نے محض اس بنا پر صاف اِنکار کر دیا کہ آنحضرت ﷺ کی تو بے اَدبی کرتے ہیں اور نعوذ باللہ آپ ﷺ کو جھوٹا کہتے ہیں اور مجھے چائے کی دعوت دیتے ہیں۔میں نہیں پسند کرتا۔ہماری غیرت تقاضا ہی نہیں کرتی کہ ان کے ساتھ مل کر بیٹھیں سوائے اس کے ہم ان کے عقائد کی تردید کریں۔(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از یعقوب علی عرفانی،صفحہ:272،سن اشاعت 12 مئی 1924ء)

لاہور آریہ سماج کا واقعہ

1907ء میں لاہور میں آریہ سماج کے جلسے میں جہاں حضور کا ایک مضمون پڑھنے کے لیے حضرت خلیفہ اوّل بھی گئے ہوئے تھے اور جماعت کے کچھ اور لوگ بھی۔وہاں آریوں نے حضور ﷺ کی شان میں دل آزار کلمات بولے۔آپ نے جب یہ سنا کہ ہماری جماعت کے لوگ دل آزار کلمات سن کر بیٹھے رہے تو آپ نے سخت اظہارِ ناراضگی فرمایا۔حضرت خلیفہ ثانی بھی اس مجلس میں موجود تھے اور وہ اُٹھنا بھی چاہتے تھے مگر راستہ نہ ہونے کے باعث اُٹھ نہ سکے۔ان سے بھی جواب طلبی کی گئی کہ کیوں تم اس مجلس سے نہ اُٹھ آئے جہاں حضور ﷺ کی ہتک ہوئی تھی۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ از یعقوب علی عرفانی،صفحہ:272.273،سن اشاعت 12 مئی 1924)

صاحبزادہ مرزا مبارک احمد کا واقعہ

مرزا مبارک احمد حضرت مسیح موعودؑ کے چوتھے اور سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔اور حضور آپ کو بہت پیار کرتے تھے۔کیوں کہ وہ خدا تعالیٰ کی آیت تھا۔ایک دفعہ ان سے غلطی سے قرآن مجید گر گیا۔حضور نے دیکھا تو آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا۔باوجود اس کے کہ آپ بچوں کو تعلیمی معاملات میں سزا دینے کے بہت خلاف تھے مگر مبارک احمد کو ایک تھپڑ مارا جس سے نشان ہوگیا اور بہت دُکھ کا اظہار فرمایا کہ قرآن کی بے اَدبی ہوئی ہے۔

غرض آپ کی زندگی میں جب کبھی ایسا موقع آیا آپ نے غیرت دینی کا اظہار پورے جوش سے فرمایا۔لوگوں نے آپ کو گالیاں دیں۔ہر قسم کی تحقیر کی۔سامنے بیٹھ کر برا بھلا کہا آپ کو کبھی غصہ نہیں آیا اور آپ نے عفو و کرم کا اظہار کیا۔مگر جو اَمر آپ کی برداشت سے باہر تھا وہ ایک ہی تھا کہ!

"آنحضرت ﷺ کی تحقیر نہ سن سکتے تھے"۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ از یعقوب علی عرفانی،صفحہ:273.274)

مذہبی بزرگوں کا احترام

مگر آنحضرت ﷺ کی محبت کے یہ معنی نہیں تھے کہ آپ دوسرے بزرگوں کی محبت سے خالی تھے بلکہ حق یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی محبت نے آپ کے دل میں دوسرے پاک نفس بزرگوں کی محبت کو بھی ایک خاص جلا دے دی تھی۔اور آپ کسی بزرگ کی ہتک گوارا نہیں کرتے تھے۔چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر فرما رہے تھے کہ نماز کی ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت ضروری ہے۔اور امام کے پیچھے بھی سورۃ فاتحہ پڑھنی چاہیے۔اس پر حاضرین میں سے کسی شخص نے عرض کیا کہ ’’حضور! کیا سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی‘‘؟ آپ نے فوراً فرمایا’’نہیں نہیں ہم ایسا نہیں کہتے کیونکہ حنفی فرقہ کے کثیر التعداد بزرگ یہ عقیدہ رکھتے رہے ہیں کہ سورۃ فاتحہ کی تلاوت ضروری نہیں اور ہم ہرگز یہ خیال نہیں کرتے کہ ان بزرگوں کی نماز نہیں ہوئی‘‘۔

اسی طرح آپ کو غیر مسلم قوموں کے بزرگوں کی عزت کا بھی بہت خیال تھا اور ہر قوم کے تسلیم شدہ مذہبی بزرگوں کو بڑی عزت کی نظر سے دیکھتے تھے بلکہ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی شخص کے نام کو عزت کے ساتھ دُنیا میں قائم کر دیتا ہے اور لاکھوں کروڑوں انسانوں کے دلوں میں اس کی بزرگی کا خیال بٹھا دیتا ہے اور اس کے سلسلہ کو دوام حاصل ہو جاتا ہے تو ایسا شخص جسے اس قدر قبولیت حاصل ہو جاوے جھوٹا نہیں ہو سکتا۔اور ہر انسان کا فرض ہے کہ بچوں کی طرح اس کی عزت کرے اور کسی رنگ میں اس کی ہتک کا مرتکب نہ ہو۔اس معاملہ میں خود اپنے مسلک کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں:۔

ماہمہ پیغمبراں راچاکریم — ہمچو خاکے اوفتادہ بردرے

ہر رسولے کو طریقِ حق نمود — جانِ ما قرباں براں حق پرورے (سراجِ منیر)

’’یعنی مَیں ان تمام رسولوں کا خادم ہوں جو خُدا کی طرف سے آتے رہے ہیں اور میرا نفس ان پاک رُوحوں کے دروازے پر خاک کی طرح پڑا ہے۔ہر رسول جو خُدا کا رستہ دکھانے کے لیے آیا ہے (خواہ وہ کسی زمانہ اور کسی ملک میں آیا ہو) میری جان اس خادمِ دین پر قُربان ہے۔‘‘

(سلسلہ احمدیہ،صفحہ:199.198،تصنیف حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے،سن اشاعت دسمبر 1939ء)

سفر ڈیرہ بابا نانک 30 ستمبر 1895ء

قریباً 1872 کی بات ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کو دو مرتبہ خواب میں دیکھا،ان سے باتیں بھی کیں۔اور انہوں نے اقرار کیا کہ میں مسلمان ہوں اور اسی چشمہ سے پانی پیتا ہوں۔جس سے آپ پیتے ہیں۔حضرت اقدسؑ فرماتے ہیں کہ مجھے اپنی ذات میں تو یقین تھا کہ باوا نانکؒ مسلمان تھے۔لیکن چونکہ لوگوں کے سامنے پیش کرنے کے لیے کوئی ثبوت نہیں تھا۔اس لیے میں خاموش تھا۔مگر ایک لمبے عرصہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے ثبوت مہیّا کر دیئے جن سے یہ اَمر حق الیقین تک پہنچ گیا کہ آپ مسلمان تھے۔

اوّل: یہ بات بہت مشہور تھی کہ حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے پاس ایک چولہ تھا جو انہیں آسمان سے ملا تھا وہ چولہ ڈیرہ باوا نانک ضلع گورداس پور میں کابلی مل کی اولاد کے قبضہ میں تھا اور اس کی زیارت کرنے کے لیے بڑی بڑی دُور سے سکھ سردار آیا کرتے تھے اور سکھوں کو جب کبھی کوئی مشکل پیش آتی تھی۔اس چولہ کو سر پر رکھ کر دُعائیں کرتے اور وہ مشکل حل ہو جاتی۔چولہ صاحب کی اس تعریف کو سن کر حضرت اقدس کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس چولہ کو ضرور دیکھنا چاہیے۔چنانچہ آپ استخارہ مسنونہ کے بعد 30 ستمبر 1895ء کو پیر کے دن صبح اپنے احباب کے ساتھ جن کے نام درج ذیل ہیں۔ڈیرہ باوا نانک کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب رضی اللہ عنہ — حضرت مولوی سیّد محمد احسن صاحبؓ

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی — جناب منشی غلام قادر صاحب فصیحؓ

حضرت شیخ عبدالرحیم صاحب (بھائی جی) — جناب شیخ رحمت اللہ صاحب گجراتیؓ

جناب مرزا ایوب بیگ صاحبؓ — حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ — حضرت شیخ حامد علی صاحبؓ

قریباً دس بجے قبل دو پہر آپ ڈیرہ باوا نانک پہنچے۔ 11 بجے ایک مخلص دوست کی کوشش سے چولہ دیکھنے کا موقعہ ملا۔اس چولہ پر سینکڑوں رومال لپٹے ہوئے تھے۔جو بھی بڑا آدمی آتا اس پر کوئی قیمتی رومال بطور چڑھاوا چڑھا جاتا۔مگر کسی کو یہ علم نہیں تھا کہ اس میں کیا لکھا ہوا ہے۔حضرت اقدس اور حضور کے ساتھیوں نے کافی رقم چولہ دکھانے والے شخص کو دے کر چولہ دیکھا۔حضرت اقدس نے مختلف احباب کے ذمہ ڈیوٹی لگادی تھی کہ فلاں شخص دائیں بازو پر لکھی ہوئی عبارت نقل کریں فلاں بائیں بازو کی اور فلاں سینہ کی وغیرہ وغیرہ۔چنانچہ ہر دوست نے اپنی اپنی ڈیوٹی ادا کی۔معلوم ہوا کہ اس چولہ پر **لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْ لُ اللّٰه ۔اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۔اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔** سورۂ فاتحہ،آیت الکرسی اور سورۂ اخلاص وغیرہ لکھی ہوئی ہیں۔چنانچہ حضور نے واپس قادیان تشریف لاکر اس سفر کے حالات پر مشتمل ایک کتاب ست بچن نام لکھی۔جس میں علاوہ چولہ صاحب کا فوٹو درج کرنے کے جنم ساکھیوں سے بھی متعدد حوالے اس امر کے ثبوت میں پیش کیے کہ باوا نانک صاحب مسلمان تھے۔

دوم: پوتھی صاحب۔ یہ حضرت باوا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے مسلمان ہونے کا دوسرا اہم ثبوت ہے جو کوئی سال بعد جا کر اپریل 1908ء میں مہیا ہوا۔ یہ بھی حضرت باوا صاحب کا ایک تبرک ہے جسے سکھوں نے گورو ہرسہائے ضلع فیروز پور میں نہایت ہی احتیاط کے ساتھ رکھا ہوا ہے یہ ’’پوتھی صاحب‘‘ سکھوں کے چوتھے گورورام داس صاحب کی اولاد کے قبضہ میں ہے۔اس پوتھی کے متعلق سکھوں کا بیان ہے کہ حضرت باوا صاحب اسے ہر وقت گلے میں لٹکائے پھرتے تھے اور اکثر اوقات اسی کو پڑھتے رہتے تھے۔اس پوتھی صاحب کے درشن کرنے لیے بڑی بڑی دُور سے لوگ آتے ہیں اور ہزار ہا روپیہ چڑھاوا چڑھاتے ہیں۔یہ پوتھی بھی ’’چولہ صاحب‘‘ کی طرح بیسیوں رومالوں میں لپٹی ہوئی ہے اور کھول کر شاذ و نادر کے طور پر ہی کسی کو دکھائی جاتی ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ جو شخص اُسے دیکھنا چاہے اسے ایک سوا ایک روپیہ نذرانہ دینا پڑتا ہے۔اور جو بھی گدی نشین ہو۔وہ ایک سوا ایک دفعہ نہا کر اسے دکھاتا ہے۔حضرت اقدس کو جب اس پوتھی کا علم ہوا تو آپ نے اس کی زیارت کے لیے اپنے مریدوں کا ایک وفد جس نے جا کر اس پوتھی کی زیارت کی۔جب اس پوتھی کو کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ **بسم اللہ** سے لے کر **والنّا س** تک پوری حمائل شریف (چھوٹی تختی کا قرآن شریف) ہے۔ظاہر ہے کہ یہ دوسرا اہم ثبوت ہے اس اَمر کا کہ حضرت باوا نانک صاحبؒ مسلمان تھے۔

(حیات طیبہ،حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ 151.148)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا صبر و استقلال

صاحبزادہ مبارک احمد کی وفات پر حضرت اقدس کی تقریر باغ میں

فرمایا ’’قضاو قدر کی بات ہے۔اصل مرض سے (مبارک احمد نے) بالکل مخلصی پالی تھی۔بالکل اچھا ہو گیا تھا۔بخار کا نام و نشان بھی نہ رہا تھا۔یہی کہتا رہا کہ مجھے باغ میں لے چلو۔باغ کی خواہش بہت کرتا تھا۔سو آ گیا۔اللہ تعالیٰ نے اس کی پیدائش کے ساتھ ہی موت کی خبر دے رکھی تھی۔

’’تریاق القلوب میں لکھا ہے ’’**انی اسقط من اللہ واصیب**‘‘ مگر قبل از وقت ذہول رہتا ہے اور ذہن منتقل نہیں ہوا کرتا۔پھر ایک جگہ پیش

گوئی ہے۔ ''ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر'' پھر کئی دفعہ یہ الہام بھی ہوا ہے۔ اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا''۔ اور پھر اہل بیت کو مخاطب کر کے فرمایا ہے یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ۔ اور پھر فرمایا ہے یَآ اَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ اللّٰهُ خَلَقَكُمْ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے لیے یہ بڑا تطہیر کا موقعہ ہے۔ ان کے بڑے بڑے تعلقات ہوتے ہیں اور ان کے ٹوٹنے سے رنج بہت ہوتا ہے۔ میں تو اس سے بڑا خوش ہوں کہ خُدا کی بات پوری ہوئی۔ گھر کے آدمی اس کی بیماری میں بعض اوقات بہت گھبرا جاتے تھے میں نے ان کو جواب دیا تھا کہ آخر نتیجہ موت ہی ہونا ہے یا کچھ اور ہے۔ دیکھو ایک جگہ خُدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ یعنی اگر تم مجھ سے مانگو تو قبول کروں گا اور دوسری جگہ فرمایا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ ...... الایه وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ خُدا کی طرف سے امتحان آیا کرتے ہیں۔ مجھے بڑی خوشی اس بات کی یہی ہے کہ میری بیوی کے منہ سے سب سے پہلا کلمہ جو نکلا وہ یہی تھا کہ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ کوئی نعرہ نہیں مارا کوئی چیخیں نہیں ماریں۔ اصل بات یہ ہے کہ دُنیا میں انسان اسی واسطے آتا ہے کہ آزمایا جاوے۔ اگر وہ اپنی منشاء کے موافق خوشیاں مناتا رہے اور جس بات پر اس کا دل چاہے وہی ہوتا رہے تو پھر ہم اس کو خُدا کا بندہ نہیں کہہ سکتے اس واسطے ہماری جماعت کو اچھی طرح سے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے دو طرح کی تقسیم کی ہوئی ہے اس لیے اس تقسیم کے ماتحت چلنے کی کوشش کی جاوے ایک حصّہ تو اس کا یہ ہے کہ وہ تمہاری باتوں کو مانتا ہے اور دوسرا حصّہ یہ ہے کہ وہ اپنی منواتا ہے۔ جو شخص ہمیشہ یہی چاہتا ہے کہ خُدا ہمیشہ اسی کی مرضی کے مطابق کرتا رہے اندیشہ ہے کہ شاید وہ کسی وقت مرتد ہو جاوے۔

''کوئی یہ نہ کہے کہ میرے پر ہی تکلیف اور ابتلاء کا زمانہ آیا ہے بلکہ ابتداء سے سب نبیوں پر آتا رہا ہے حضرت آدم علیہ السلام کا بیٹا جب فوت ہوا تھا تو کیا انہیں غم نہیں ہوا تھا۔ ایک روایت میں لکھا ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کے گیارہ بیٹے فوت ہوئے تھے۔ آخر بشریت ہوتی ہے غم کا پیدا ہونا ضروری ہے مگر ہاں صبر کرنے والوں کو پھر بڑے بڑے اجر ملا کرتے ہیں۔ خُدا تعالیٰ کی ساری کتابوں کا منشاء یہی ہے کہ انسان رضا بالقضا سیکھے۔ جو شخص اپنے ہاتھ سے آپ تکلیف میں پڑتا ہے اور خُدا کے لیے ریاضات اور مجاہدات کرتا ہے وہ اپنے رگ پٹھے کی صحت کا خیال بھی رکھ لیتا ہے اور اکثر اپنی خواہش کے موافق ان اعمال کو بجالاتا ہے اور حتی الوسع اپنے آرام کو مدّنظر رکھتا ہے۔ مگر جب خُدا کی طرف سے کوئی امتحان پڑتا ہے اور کوئی ابتلاء آتا ہے تو وہ رگ اور پٹھے کا لحاظ رکھ کر نہیں آتا۔ خُدا کو اس کے آرام اور رگ پٹھے کا خیال مدّنظر نہیں ہوتا۔ انسان جب کوئی مجاہدہ کرتا ہے تو وہ اپنا تصرّف رکھتا ہے۔ مگر جب خُدا کی طرف سے کوئی امتحان آتا ہے تو اس میں انسان کے تصرّف کا دخل نہیں ہوتا۔ انسان خُدا کے امتحان میں بہت جلد ترقی کر لیتا ہے اور وہ مدارج حاصل کر لیتا ہے جو اپنی محنت اور کوشش سے کبھی حاصل نہیں کر سکتا۔ اسی واسطے اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ۔ میں اللہ تعالیٰ نے کوئی بشارت نہیں دی مگر لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَیْءٍ ...... الا یت میں بڑی بڑی بشارتیں دی ہیں اور فرمایا ہے کہ یہی لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی بڑی برکتیں اور رحمتیں ہوں گی۔ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ غرض یہی طریق ہے جس سے انسان خُدا کو راضی کر سکتا ہے۔ نہیں تو اگر خُدا کے ساتھ شریک بن جاوے اور اپنی مرضی کے مطابق اسے چلانا چاہے تو یہ ایک خطرناک راستہ ہوگا جس کا انجام ہلاکت ہے۔ ہماری جماعت کو منتظر رہنا چاہیے کہ اگر کوئی ترقی کا ایسا موقع آجاوے تو اس کو خوشی سے قبول کیا جاوے۔

''آج رات کو (مبارک احمد) مجھے بلایا اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دیا اور مصافحہ کیا جیسے اب کہیں رخصت ہوتا ہے۔ اور آخری ملاقات کرتا جب یہ الہام اِنِّیْٓ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰهِ وَاُصِیْبُهٗ۔ ہوا تھا تو میرے دل میں کھٹکا ہی تھا اسی واسطے میں نے لکھ دیا تھا کہ یا یہ لڑکا نیک ہوگا رو بخدا ہوگا۔ اور یا یہ کہ جلد فوت ہو جائے گا۔ قرآن شریف پڑھ لیا تھا کچھ کچھ اُردو بھی پڑھ لیتا تھا۔ اور جس دن بیماری سے افاقہ ہوا میرا سارا اشتہار پڑھا اور یا کبھی

کبھی پرندوں کے ساتھ کھیلنے میں مشغول ہوجاتا تھا۔

’’فرمایا بڑا ہی بدقسمت وہ انسان ہے جو خُدا تعالیٰ کو اپنی مرضی کے مطابق چلانا چاہتا ہے خُدا کے ساتھ تو دوست والا معاملہ چاہیے کبھی اس کی مان لی اور کبھی اپنی منوالی‘‘۔ ؎ زبخت خویش برخوردار باشی

بشرط آں کہ بامن یار باشی

’’ہمارے گاؤں میں ایک شخص تھا اس کی گائے بیمار ہوگئی۔ صحت کے لیے دُعائیں مانگتا رہا ہوگا۔ مگر جب گائے مرگئی تو وہ دہریہ ہوگیا۔

’’خُدا نے اپنی قضا و قدر کے راز مخفی رکھے ہیں۔ اور اس میں ہزاروں مصالح ہوتے ہیں۔ میرا تجربہ ہے کوئی انسان بھی اپنے معمولی مجاہدات اور ریاضات سے وہ قرب نہیں پاسکتا۔ جو خُدا کی طرف سے ابتلاء آنے پر پاسکتا ہے۔ زور کا تازیانہ اپنے بدن پر کون مارتا ہے۔ خُدا بڑا رحیم و کریم ہے۔ ہم نے تو آزمایا ہے ایک تھوڑا سا دُکھ دے کر بڑے بڑے انعام و کرام عنایت فرماتا ہے۔ وہ جہان اَبدی ہے جو لوگ ہم سے جدا ہوتے ہیں وہ تو واپس نہیں آسکتے ہاں ہم جلدی ان کے پاس چلے جاویں گے۔ اس جہان کی دیوار کچی ہے اور وہ بھی گرتی جاتی ہے۔ سوچنے والی بات یہ ہے کہ یہاں سے انسان نے لے ہی کیا جانا ہے اور پھر انسان کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ کب جانا ہے۔ جب جائے گا بھی تو بے وقت جائے گا۔ اور پھر خالی ہاتھ جائے گا۔ ہاں اگر کسی کے پاس اعمال صالحہ ہوں تو وہ ساتھ ہی جائیں گے۔ بعض آدمی مرنے لگتے ہیں تو کہتے ہیں میرا اسباب دکھادو اور ایسے وقت میں مال و دولت کی فکر پڑ جاتی ہے‘‘۔ (اخبار الحکم 24 ستمبر 1907 صفحہ 605 (سیرت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام: یعقوب علی عرفانی صاحب ، صفحہ 243.246)

اعلیٰ ایمان

’’فرمایا کل والا الہام کہ ’’ خُدخوش ہوگیا‘‘ ہم نے اپنی بیوی کو سنایا۔ تو اس نے سن کر کہا کہ مجھے اس الہام سے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ اگر دو ہزار مبارک احمد بھی مرجاتا تو میں پروانہ کرتی۔ ’’فرمایا یہ اس الہام کی بنا پر ہے کہ ’’میں خُدا کی تقدیر پر راضی ہوں‘‘۔

’’اور پھر چار دفعہ یہ الہام بھی ہوا تھا۔ **اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا**۔ اور پھر ہے تو بھاری مگر خدائی امتحان کو قبول کر اور پھر لائف آف پین یعنی (life of pain) تلخ زندگی۔

’’فرمایا اگر یکجائی نظر سے دیکھا جائے تو ایک اندھا بھی اِنکار نہیں کرسکتا اور پھر پیدا ہوتے ہی الہام ہوا تھا۔ **اِنِّیْ اَسْقُطُ مِنَ اللّٰهِ وَاُصِيْبُهٗ** میرے دل میں خُدا نے اسی وقت ڈال دیا تھا۔ تب ہی تو میں نے لکھ دیا تھا ’’یا یہ لڑکا نیک ہوگا اور رو بخدا ہوگا اور خُدا کی طرف اس کی حرکت ہوگی اور یا یہ جلد فوت ہوجائے گا‘‘ کوئی بدمعاش اور راستی کا دشمن ہو تو اور بات ہے۔ مگر یکجائی طور پر نظر کرنے سے ایک دشمن بھی مان جائے گا کہ یہ جو کچھ ہوا ہے خدائی وعدوں کے مطابق ہوا ہے۔ اور پھر یہ الہام بھی ہوا تھا۔ **اِنِّیْ مَعَ اللّٰهِ فِیْ كُلِّ حَالٍ** ۔ اب بتلاؤ ایسی صاف بات سے اِنکار کس طرح ہوسکتا ہے۔ اصل میں اِبتلاؤں کا آنا ضروری ہے اگر انسان عمدہ عمدہ کھانے گوشت پلاؤ اور طرح طرح کے آرام اور راحت میں زندگی بسر کرکے خُدا کو ملنے کی خواہش کرے تو یہ محال ہے بڑے بڑے زخموں اور سخت سے سخت اِبتلاؤں کے بغیر انسان خُدا کو مل ہی نہیں سکتا۔

بغیر امتحان ترقی محال

’’خُدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ**۔ غرض بغیر امتحان کے تو بات بنتی ہی نہیں اور پھر امتحان بھی ایسا جو کہ کمر توڑنے والا ہو۔ ہمارے نبی کریم ﷺ کا سب سے بڑھ کر مشکل امتحان ہوا تھا۔ جیسے فرمایا اللہ تعالیٰ نے **وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ الَّذِیْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ**۔‘‘

جب سخت ابتلاء آئیں اور انسان خُدا کے لیے صبر کرے تو پھر وہ ابتلاء فرشتوں سے جاملاتے ہیں۔ انبیاء اسی واسطے زیادہ محبوب ہوتے ہیں کہ ان پر بڑے بڑے سخت ابتلاء آتے ہیں اور وہ خود ہی ان کو خُدا سے جاملاتے ہیں۔ امام حسینؓ پر بھی ابتلاء آئے اور سب صحابہؓ کے ساتھ یہی معاملہ ہوا کہ وہ سخت سے سخت امتحان میں ڈالے گئے‘‘۔

رضا بالقضا کا نمونہ

’’فرمایا مبارک احمد کی وفات پر میری بیوی نے یہ بھی کہا ہے کہ ’’خُدا کی مرضی کو میں نے اپنے ارادوں پر قبول کرلیا ہے‘‘ اور یہ اس الہام کے مطابق ہے کہ ’’میں نے خُدا کی مرضی کے لیے اپنی مرضی چھوڑ دی ہے‘‘۔

فرمایا۔ پچیس برس شادی کو ہوئے اس عرصہ میں انہوں نے کوئی واقعہ ایسا نہیں دیکھا جیسا اب دیکھا میں نے انہیں کہا تھا کہ ’’ایسے محسن اور آقا نے جو ہمیں آرام پر آرام دیتا رہا اگر ایک اپنی مرضی بھی کی تو بڑی خوشی کی بات ہے‘‘۔

’’فرمایا ہم نے تو اپنی اولاد وغیرہ کا پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ سب خدا کا مال ہے اور ہمارا اس میں کچھ تعلق نہیں اور ہم بھی خدا کا مال ہیں جنہوں نے پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہوتا ہے ان کو غم نہیں ہوا کرتا‘‘۔ (اخبار الحکم 24 ستمبر 1907ء صفحہ 9.8)

جگر کا ٹکڑہ مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا۔

وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر

کہا کہ آئی ہے نیند مجھ کو یہی تھا آخر کا قول لیکن

کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر

برس تھے آٹھ اور کچھ مہینے کہ جب خُدا نے اسے بلایا

بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر (لوح مزار صاحبزادہ مرزا مبارک احمد صاحب)

ان تمام تحریروں کو یک جائی نظر سے پڑھنے کے بعد جو اثر ایک شخص کے قلب پر ہونا چاہیے وہ یہی ہوگا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خُدا تعالیٰ کی رضا کو ہی اپنی زندگی کا مقصد اور منتہائے مراد سمجھتے تھے۔ اور اپنے نمونہ سے انہوں نے ثابت کر دکھایا کہ کوئی حادثہ اور واقعہ جو ایک دُنیا دار کے پائے ثبات و ہوش کو جنبش دے سکتا ہے اور جن واقعات نے اکثروں کو پاگل بنا دیا اور بعضوں کی خودکشی تک نوبت پہنچ گئی اس مرد خُدا کو ان واقعات نے ذرا بھی جنبش نہیں دی۔

مرزا فضل احمد صاحب کی وفات

مرزا فضل احمد صاحب حضرت اقدس کے دوسرے بیٹے تھے جو خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب پنشنر ڈپٹی کمشنر کے چھوٹے بھائی تھے۔ اگرچہ حضرت اقدس کی بعثت اور ماموریت کے بعد وہ آپ کے پاس نہیں آئے تھے۔ اور خان بہادر ہی کے پاس رہتے تھے۔ اور خود بھی ایک معزز سرکاری عہدہ دار تھے۔ وہ عین عنفوان شباب میں فوت ہو گئے۔ ان کی لاش قادیان میں لائی گئی اور اپنے خاندانی قبرستان میں وہ مدفون ہوئے۔ مغرب کی نماز کے بعد آپ اپنی جماعت کے ساتھ مسجد مبارک کی چھت پر حسبِ معمول تشریف فرما تھے۔ ایک خادم نے عرض کیا کہ مرزا فضل احمد صاحِب فوت ہو گئے۔ اور ان کی لاش لا کر دفن کر دی گئی۔ میں (یعقوب علی عرفانی) جو اس وقت حضرت اقدس کے بالکل قریب بیٹھا ہوا تھا دیکھ رہا تھا کہ اس کا حضرت کے چہرہ پر کیا اثر ہوتا تھا۔ یہ خبر اسی وقت حضرت نے نہ سنی تھی۔ بلکہ اس سے پہلے بھی سن چکے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضرت

قدرتی اثر سے تو متاثر ہیں مگر آپ نے سن کر یہی فرمایا کہ:''ہم سب مرنے ہی والے ہیں بلکہ جس قدر انسان زمین پر چلتے پھرتے ہیں یہ چلتی پھرتی قبریں ہی ہیں۔اِنَّالِلّٰه وِاِنَّااِلَیْه رَاجِعُون۔''

یہ الفاظ جب آپ کے منہ سے نکل رہے تھے تو وہ ایک تاثیر درد میں ڈوبے ہوئے تھے مگر اس کے ساتھ ہی خُدا تعالیٰ کی رضا اور دنیائے فانی کی بے ثباتی کا جذبہ بھی پیدا کر رہے تھے لوگ کہتے ہیں اور سچ کہتے ہیں۔ ''دشمن کو بھی خدا نہ دکھائے پسر کا داغ''

لیکن یہاں حضرت مسیح موعودؑ کے نابالغ اور جوان بچوں کو فوت ہوتے دیکھا مگر کبھی آپ نے زبان سے یا اپنے حالات سے کسی قسم کی بے صبری اور خُدا تعالیٰ سے دُوری کا اظہار نہ کیا بلکہ آپ نے اپنے طرزِ عمل سے دکھایا کہ آپ خدا کی رضا پر ہر طرح خوش وخرم ہیں۔

یہ واقعات وہ ہیں جو آپ کی اولاد کے متعلق ہوئے۔اس کے علاوہ اور بھی واقعات موت فوت کے ایسے ہوئے ہیں جو آپ کے عزیزوں اور بزرگوں کے حادثات تھے مثلاً والدین کی وفات۔ بڑے بھائی کی وفات۔ ہر ایک موقعہ پر آپ نے اسی رضا بالقضا کا نمونہ دکھایا۔آپ کی حالت ہر واقعہ کے وقت ایک خاص رنگ رکھتی تھی۔حضرت والدہ صاحبہ کو آپ سے بہت محبت تھی۔اور آپ ان کو دُنیا میں ایک سپر سمجھتے تھے۔کبھی کبھی آپ کے ذکر پر چشم پر آب ہو جاتے تھے۔لیکن ایسی محسن اور بابرکت والدہ کے فوت ہو جانے پر آپ نے کسی قسم کی بے صبری کا نمونہ نہ دکھایا۔

اور اسی طرح حضرت والد صاحب مرحوم کی وفات پر باوجود ان نقصانات کے خطرہ کے جوان کی وفات سے دینوی طور پر وابستہ تھا آپ نے صبرو استقلال کے ساتھ اس حادثہ کو برداشت کیا۔

اور اسی طرح اپنے بڑے بھائی کی وفات کے غم کو پی لیا۔اور خُدا کی تقدیر سے راضی ہو گئے خاندان میں اور عزیزوں کی وفات ہوئی مگر آپ نے نہ صرف رضا بالقضا کا نمونہ دکھایا بلکہ سب کو اس کی تلقین کی۔

گھر والے اب تک یہی کہتے ہیں کہ ہمیشہ کسی ایسے موقعہ پر تسلّی دیا کرتے تھے۔پھر ان جانی حادثات کے علاوہ مالی ابتلاء آپ کے خاندان پر بعثت سے پہلے آئے۔مگر کبھی آپ نے شکوہ نہ کیا۔اور مامور ہونے کے بعد دُنیا نے مخالفت کی۔آپ کی عزت وآبرو اور جان اور مال کو خطرہ میں ڈالا۔مگر کوئی وقت آپ پر نہ آیا کہ آپ نے خُدا تعالیٰ کی رضا میں قدم آگے نہ بڑھایا ہو۔(سیرت حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام:یعقوب علی عرفانی صاحب،صفحہ 243.251)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سفر بغرضِ تبلیغ اسلام

سفر لاہور 20 جنوری 1892ء

"**آسمانی فیصلہ**" میں حضرت اقدس نے اعلان کیا تھا کہ اگر علماء پیروں، فقیروں اور گدی نشینوں میں سے کوئی صاحب "**تائید سماوی**" میں میرے ساتھ ہفتہ میں لاہور پہنچ گئے اور منشی میراں بخش صاحب مرحوم کی کوٹھی واقعہ چونہ منڈی میں قیام فرمایا۔

"31 جنوری 1892ء کو آپ نے ایک عام لیکچر منشی میراں بخش صاحب کی کوٹھی کے احاطے ہی میں دیا۔ بلا مبالغہ ہزاروں آدمی وہاں جمع تھے۔ ہر طبقہ کے لوگ تھے۔تعلیم یافتہ۔شرفاءِ شہر عہدہ داران۔انتظام پولیس نے کیا ہوا تھا۔حضرت اقدس نے اپنے دعاوی کو مُبرہَن کیا اور ان کے متعلق ضروری دلائل پیش کیے اور بالآخر آپ نے اس الزام کے جواب میں کہ علماء میرے مقابلہ میں دلائل قرآنیہ سے عاجز آ کر میرے خلاف کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ایک مومن کو کافر کہہ دینا آسان ہے مگر اپنا ایمان ثابت کرنا آسان نہیں۔قرآنِ کریم نے مومن اور غیر مومن کے لیے کچھ نشان مقرر کر دیئے ہیں۔ میں ان کافر کہنے والوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اسی لاہور میں میرے اور اپنے ایمان کا قرآن مجید کے فیصلہ کے موافق فیصلہ کرالیں"۔(حیات طیبہ،،حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ 107.106)

حضرت اقدس کے کمال ضبط کا ایک واقعہ

لوگوں کی بکثرت آمد و رفت اور دن بھر کے ہجوم کو دیکھ کر آپ منشی میراں بخش صاحب کی کوٹھی سے محبوب رائیوں کی ایک وسیع کوٹھی میں منتقل ہو گئے۔ گو حضور کے قیام لاہور کے دوران میں لوگوں نے مخالفت کی لیکن یہ اس قسم کی ذلیل مخالفت نہیں تھی۔ جیسی کہ دہلی والوں نے کی۔ البتہ ایک واقعہ ایسا پیش آیا جس نے حضرت اقدس کی بردباری اور تحمل کا پورا نقشہ پیش کر دیا۔

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب ؓ لکھتے ہیں۔

"حضرت مجلس میں تشریف فرما تھے اور منشی شمس الدین صاحب مرحوم جنرل سیکرٹری کو آپ نے " آسمانی فیصلہ " دیا کہ اسے پڑھ کر حاضرین کو سنائیں۔ اس وقت کا پورا نقشہ میری آنکھوں کے سامنے ہے اس مجلس میں بابو موز مدار جو برہمو سماج کے ان دنوں منسٹر تھے اور ایگزامنر آفس میں بڑے آفیسر تھے اور اپنی نیکی اور خوش اخلاقی کے لیے معروف تھے۔ سوشل کاموں میں آگے آگے رہتے وہ اس جلسہ میں موجود تھے۔ ایک شخص جو مسلمان کہلاتا تھا۔ آیا اور اس نے اپنے غیظ و غضب کا اظہار نہایت ناسزاوار الفاظ اور گالیوں کی صورت میں کیا۔ حضرت اپنی پگڑی کا شملہ منہ پر رکھے سُنتے رہے اور بالکل خاموش تھے۔ آپ کے چہرہ پر کسی قسم کی کوئی علامت نفرت یا غصہ کی ظاہر نہیں ہوئی۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔ گویا آپ کچھ سنتے ہی نہیں۔ آخر وہ تھک کر آپ ہی خاموش ہو گیا اور چلتا بنا۔ حاضرین میں سے اکثر کو غصہ آتا تھا۔ مگر کسی کو یہ جرأت حضرت کے ادب کی وجہ سے نہ تھی کہ اسے روکتا۔ جب وہ چلا گیا تو بابو موز مدار نے کہا۔ "ہم نے مسیح کی بردباری کے متعلق بہت کچھ پڑھا ہے اور سنا ہے۔ مگر یہ کمال تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں بہت کچھ کہا اور چونکہ ان کے دفتر میں ہماری جماعت کے اکثر احباب تھے اور وہ ان سب کا احترام کرتے تھے اور حضرت منشی نبی بخش صاحب ؓ پر تو ان کی خاص نظر عنایت تھی۔ وہ اکثر اس واقعہ کو بیان کرتے اور حضرت کے کمال ضبط کی تعریف کرتے "۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگر مل، صفحہ: 107.108)

سفر سیالکوٹ

ابھی حضور لاہور میں ہی تھے کہ سیالکوٹ کی جماعت نے آپ کو سیالکوٹ تشریف لانے کی دعوت دی اور اس غرض کے لیے خاص طور پر حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ؓ کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجا۔ حضور نے ان کی اس دعوت کو قبول فرما لیا اور فروری 1892ء کے دوسرے ہفتہ میں حضور سیالکوٹ تشریف لے گئے اور حضرت حکیم میر حسام الدین صاحب کے مکان پر قیام فرمایا۔ سیالکوٹ سے آپ یوں بھی مانوس تھے۔ کیونکہ 1864ء سے لے کر 1868ء تک بہ سلسلہ ملازمت آپ وہاں رہ چکے تھے اور سیالکوٹ کے لوگ بھی آپ کی پاکیزہ زندگی اور غیرتِ اسلامی کے مظاہروں کو دیکھ چکے تھے۔ اس لیے وہ بھی آپ کو خاص عزت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حضور کے ابتدائی اُساتذہ میں سے ایک اُستاد مولوی فضل احمد صاحب کے فرزند حضرت مولوی ابو یوسف مبارک علی صاحب جو سیالکوٹ کے علماء میں ایک ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ اور صدر بازار کی جامع مسجد کے امام تھے۔ بیعت کر کے سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی جو سیالکوٹ کے مشہور خطیب اور غیرتِ اسلامی کے پیکر تھے وہ تو پہلے ہی آپ کے دعویٰ کو تسلیم کر چکے تھے۔ حضرت حکیم میر حسام الدین صاحب کی شخصیت بھی تعارف کی محتاج نہیں تھی۔ ان ہر سہ بزرگوں کی وجہ سے بھی سیالکوٹ کے لوگ آپ سے خاص طور پر متاثر تھے۔ حضرت حکیم صاحب کا سارا خاندان سلسلہ میں داخل ہو گیا اور عرصہ قیامِ سیالکوٹ میں انہیں شاندار خدمات سرانجام دینے کی سعادت نصیب ہوئی۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگر مل، صفحہ: 111)

سفر کپورتھلہ

کپورتھلہ کے احباب تو آپ سے خاص طور پر مخلصانہ تعلقات رکھتے تھے۔ بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ وہ آپ کے فدائی تھے۔ حضرت اقدسؑ کے دورانِ قیام لاہور میں انہوں نے بھی اپنے کسی نمائندہ کے ذریعہ حضور کے کپورتھلہ تشریف لانے کا وعدہ حاصل کر لیا تھا۔ وہاں حضرت اقدسؑ اس سے پہلے بھی دو مرتبہ تشریف لے جا چکے تھے۔ اب کے جو تشریف لے گئے تو برخلاف سابق معمولی سی مخالفت بھی ہوئی۔ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک اشتہار بعنوان "بدُعا نامہ" وہاں کے مولویوں کے پاس بھیجا۔ جب وہ اشتہار حضرت اقدس کے پاس پہنچا تو حضور نے دیکھا کہ اس میں مباحثہ کا چیلنج بھی ہے۔ حضور نے فرمایا کہ یہ شخص لدھیانہ کے مباحثہ کی ندامت کو مٹانے کے لیے اس قسم کی حرکات کرتا رہتا ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے "آسمانی فیصلہ" کی طرف کیوں نہیں آتے؟ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 112)

سفر جالندھر

کپورتھلہ میں دو ہفتہ قیام فرمانے کے بعد آپ عازمِ جالندھر ہوئے۔ جالندھر میں مخالفت کا بڑا زور تھا۔ اس لیے حضور نے نہ چاہا کہ اس شہر کے لوگوں کو پیغامِ حق پہنچانے کے بغیر واپس تشریف لے جائیں۔ چنانچہ حضور جالندھر پہنچ کر اپنے کام میں مصروف ہو گئے۔ بعض لوگوں نے سپرنٹنڈنٹ پولیس سے جو ایک انگریز تھا۔ شکایت کی کہ یہاں ایک مدعی مسیحیت قادیان سے آیا ہوا ہے اور لوگوں میں اپنے خیالات کی بڑے زور سے اشاعت کر رہا ہے اگر اُسے روکا نہ گیا۔ تو اندیشہ ہے کہ شہر میں فساد برپا ہو جائے۔ آپ اسے حکم دیں کہ وہ اس شہر سے چلا جائے۔ اس شکایت کی تحقیقات کے لیے وہ انگریز افسر حضور کی قیامگاہ پر آیا اور حضور سے پوچھا کہ آپ یہاں کیسے آئے ہیں؟ حضور نے اس سوال کے جواب میں ایک لمبی تقریر فرمائی۔ وہ آپ کی تقریر سُن کر اور متاثر ہو کر آپ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھتا رہا بالآخر خاتمہ تقریر پر یہ کہہ کر سلام کر کے رخصت ہو گیا کہ جب تک آپ کی مرضی ہو قیام فرمائیں کوئی شخص فساد نہ کر سکے گا۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 113)

سفر لدھیانہ

جالندھر میں آپ نے بارہ تیرہ روز قیام فرمایا۔ وہاں سے فارغ ہو کر آپ لدھیانہ تشریف لے گئے۔ وہیں آپ نے رسالہ **"نشانِ آسمانی"** جس کا دوسرا نام شہادۃ الملہمین بھی ہے۔ تالیف فرمایا اور قادیان تشریف لے آئے اور 26 مئی 1892ء کو یہ رسالہ شائع فرما دیا۔ آپ نے اس میں اپنے دعاوی کی تائید و تصدیق میں اولیائے اُمّت کے کشوف والہامات کا ذکر فرمایا۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 113)

سفر دہلی 22 اکتوبر 1905ء

حضور کی حرم حضرت امّاں جان کو اپنے وطن دہلی گئے کافی عرصہ ہو گیا تھا۔ کئی دفعہ دہلی جانے کا ارادہ کیا۔ مگر بعض موانع پیش آ جانے کی وجہ سے اس اِرادہ کو پایہ تکمیل تک نہ پہنچا سکیں۔ اب ایک تقریب یہ بھی پیدا ہوئی کہ حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب جو آپ کے چھوٹے بھائی تھے وہ دہلی کے سول ہاسپٹل میں ڈیوٹی پر لگ گئے۔ حضرت امّاں جان اپنے والد محترم حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ کے ساتھ جانے کے لیے تیار ہو رہی تھیں کہ حضرت اقدس نے اپنی عادت کے مطابق استخارہ کیا۔ جس پر آپ کو بتایا گیا کہ آپ کو بھی دہلی ساتھ جانا چاہیے۔ اس پر آپ چند خُدام سمیت تیار ہو گئے۔ 22 اکتوبر 1905ء کو اتوار کے روز صبح کے وقت آپ قادیان سے روانہ ہوئے۔ روانگی سے قبل آپ نے رؤیا میں دیکھا کہ:

"دہلی گئے ہیں۔ تو تمام دروازے بند ہیں۔ پھر دیکھا کہ ان پر قفل لگے ہوئے ہیں۔ پھر دیکھا کہ کوئی شخص کچھ تکلیف دینے والی شے میرے کان میں ڈالتا ہے۔ میں نے کہا کہ تم مجھے کیا دُکھ دیتے ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے زیادہ دُکھ دیا گیا تھا۔"

دہلی میں حضور نے چتلی قبر میں الف خاں کے مکان پر قیام فرمایا۔(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:298.299)

خواجہ باقی باللہؒ کے مزار پر دُعا

24اکتوبر کی صبح حضرت مفتی محمد صادق صاحب سے فرمایا کہ یہاں بعض بزرگ اولیاء اللہ کی قبریں ہیں۔ان کی فہرست بنالیں تا جانے کے لیے انتظام کیا جائے چنانچہ سب سے پہلے حضرت اقدس خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر پہنچے اور دونوں ہاتھ اُٹھا کر اُن کے لیے دُعا کی۔اس موقعہ پر حضرت مفتی صاحب نے عرض کیا کہ حضور! قبر پر کیا دُعا کرنی چاہیے؟ فرمایا کہ:

"صاحب قبر کے واسطے دُعائے مغفرت کرنی چاہیے اور اپنے واسطے بھی خدا سے دُعا مانگنی چاہیے۔"

خواجہ صاحبؒ کے کتبہ پر ایک فارسی نظم لکھی تھی۔فرمایا کہ اسے نقل کرلو۔اس کے بعد بعض اور بزرگوں کی قبروں کو دیکھا۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:299)

جامع مسجد دیکھ کر

واپسی پر جامع مسجد دہلی کو دیکھ کر فرمایا کہ:

"مسجدوں کی اصل زینت عمارتوں کے ساتھ نہیں ہے۔بلکہ ان نمازیوں کے ساتھ جو اخلاص کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں۔ورنہ یہ سب مساجد ویران پڑی ہوئی ہیں۔رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد چھوٹی سی تھی کھجور کی چھڑیوں سے اس کی چھت بنائی گئی تھی اور بارش کے وقت چھت میں سے پانی ٹپکتا تھا۔الخ"(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:299)

ملاقات کے قابل لوگ

شام کو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب سے دریافت فرمایا کہ آج آپ نے کہاں کہاں کی سیر کی؟ ڈاکٹر صاحب نے عرض کی کہ حضور۔فیروز شاہ کی لاٹ۔مہابت خاں کی مسجد۔لال قلعہ وغیرہ مقامات دیکھے ہیں فرمایا:

"ہم تو حضرت بختیار کاکیؒ، نظام الدینؒ اولیاء، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ وغیرہ کی قبروں پر جانا چاہتے ہیں۔دہلی کے یہ لوگ جو سطح زمین کے اُوپر ہیں نہ ملاقات کرتے ہیں نہ ملاقات کے قابل ہیں۔اس لیے جو اہل دل لوگ ان میں سے گزر چکے ہیں اور زمین کے اندر مدفون ہیں۔ان سے ہی ہم ملاقات کرلیں۔تاکہ بدوں ملاقات تو واپس نہ جائیں۔میں ان بزرگوں کی یہ کرامت سمجھتا ہوں کہ انہوں نے قسی القلب لوگوں کے درمیان بسر کی۔(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 300)

قبروں کی زیارت

چنانچہ اس پروگرام کے ماتحت حضور 26اکتوبر 1905ء کو حضرت مولانا شاہ عبدالرحیم رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے بیٹے حضرت مولانا شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ، حضرت خواجہ میر درد رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگوں کے مزاروں پر تشریف لے گئے۔حضرت شاہ ولی اللہؒ کی نسبت فرمایا کہ یہ بزرگ صاحبِ کشف وکرامت تھے۔

حضرت اقدس نے 28اکتوبر کو اپنی قیام گاہ پر ظہر سے لے کر عصر تک ایک تقریر فرمائی۔اور دس بیعت میں داخل ہوئے۔

29اکتوبر 1905ء کو صبح کے وقت حضور سلطان محبوبِ سبحانی نظام الدین اولیاءؒ کے مزار پر تشریف لے گئے۔وہاں ہی امیر خسروؒ کی قبر بھی تھی۔حضور نے دونوں قبروں پر دُعا فرمائی۔خواجہ حسن نظامی صاحب بڑے اِصرار کے ساتھ حضور کو اپنے حجرے میں لے گئے اور ایک کتاب بنام

"شواہد نظامی" پیش کی۔ حضرت اقدس اور حضور کے خدام کی چائے سے تواضع کی۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 301)

دہلی سے روانگی

دہلی جاتی دفعہ لدھیانہ کے احباب کو حضرت اقدس کا شرفِ زیارت نہیں ہو سکا تھا اور حضور کو اس کا بہت خیال تھا۔ اور دہلی پہنچتے ہی فرمایا تھا کہ واپسی پر ہم لدھیانہ میں ضرور قیام کریں گے۔ جماعت لدھیانہ میں ضرور قیام کریں گے۔ جماعت لدھیانہ کو بھی شرفِ زیارت نہ ہو سکنے کا بہت قلق تھا۔ اس نے حضرت مولوی عبدالقادر صاحب لدھیانوی کو دہلی بھیجا تا وہ حضرت اقدس سے جماعت لدھیانہ کی طرف سے درخواست دعوت حضرت اقدس کی خدمت میں پیش کریں۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحب موصوف اس غرض کے لیے دہلی پہنچے جماعت کی درخواستِ دعوت پیش کی۔ جسے حضرت اقدس نے بڑی خوشی سے منظور فرمالیا۔ 4 نومبر 1905ء کی شام کو حضور واپسی کی غرض سے معہ خُدام دہلی کے اسٹیشن پر پہنچے خواجہ حسن نظامی مرحوم بھی مشایعت کے لیے پہلے سے موجود تھے۔ انہوں نے حضور کی خدمت میں درخواست کی کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر بزرگانِ دہلی کے مقام اور مرتبے سے متعلق ایک تحریر قادیان لکھ کر روانہ فرمائیں۔ حضور نے ان کی درخواست منظور فرمائی۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:302)

لدھیانہ میں ورود

پھر حضرت اقدس دہلی سے روانہ ہو کر 5 نومبر کو صبح 11 بجے کے قریب لدھیانہ پہنچے۔ جہاں ایک ہزار کے قریب احباب حضور کے استقبال اور زیارت کے لیے موجود تھے۔ پٹیالہ، راہوں، بنگہ، حاجی پور، لسی اور مالیر کوٹلہ وغیرہ کی جماعتوں کے اکثر احباب اسٹیشن پر موجود تھے۔ احباب لدھیانہ نے حضرت اقدس کے قیام کے لیے ایک وسیع مکان کا انتظام کر رکھا تھا۔ جس میں ضرورت کی تمام اشیاء موجود تھیں۔ 5 نومبر کی شام کو ہی حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب کا لدھیانہ میں ایک وعظ ہوا۔ جو بہت ہی پسند کیا گیا۔ 6 نومبر کی صبح کو حضرت اقدس نے کچھ نصائح فرمائیں۔

6 نومبر 1905ء کو حضرت اقدس نے کئی ہزار کے مجمع میں ایک عام تقریر فرمائی۔ اس تقریر میں حضور نے اسلام کی سچائی اور اس کی موجودہ حالت اور اصلاح کے وسائل کا ذکر فرمایا۔ نیز اپنے دعاوی کے دلائل بھی بیان فرمائے۔ یہ تقریر صبح ساڑھے آٹھ بجے سے ساڑھے گیارہ بجے تک متواتر تین گھنٹہ تک ہوتی رہی اور لوگ پورے سکون کے ساتھ سُنتے رہے۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:302)

ورودِ امرتسر

7 نومبر 1905ء کی صبح کو حضرت اقدس لدھیانہ سے روانہ ہو کر 4 بجے کے قریب امرتسر پہنچ گئے۔ اسٹیشن پر جماعت کے دوست کافی تعداد میں استقبال کے لیے موجود تھے۔ جماعت نے استدعا کی کہ حضور امرتسر میں بھی کچھ عرصہ قیام اور کوئی تقریر فرمائیں۔ چنانچہ حضور کی منظوری کے ساتھ لیکچر کا اعلان کر دیا گیا۔

حسب اعلان 9 نومبر کو بمقام منڈوہ کنھیالال صبح 8 بجے حضور نے لیکچر شروع کیا۔ گو لوگوں کو اشتہارات کے ذریعہ بھی اور جلسہ شروع ہونے سے قبل بھی یہ بتا دیا گیا تھا کہ: "کوئی صاحب ہماری تقریر کے پہلے یا درمیان میں یا بعد میں ہمارے مقابل مخالفانہ اعتراض یا سوال نہ کریں"۔

اور یہ ضروری بھی تھا کیونکہ حضور کا مقصد محض تبلیغ تھا کوئی مباحثہ نہ تھا مگر امرتسر کے مولویوں نے حسبِ عادت ہنگامہ آرائی اور مفسدہ پردازی میں حد ہی کر دی۔ حضرت اقدس کو اس ہنگامہ کی اطلاع جلسہ سے قبل بذریعہ رؤیا مل چکی تھی۔ حضور نے گنّے کا ایک کھیت دیکھا تھا۔ جس سے مراد مفسدہ

یا ہنگامہ ہوا کرتا ہے۔ وقتِ مقررہ پر منڈوہ کا ہال سامعین سے بھر گیا۔ حضرت اقدس نے پہلے تو یہ بیان فرمایا کہ دیکھو۔ آج سے چودہ سال قبل جب میں یہاں آیا تھا تو صرف چند آدمی میرے ساتھ تھے۔ مولوی صاحبان نے مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا۔ مولوی عبدالحق صاحب غزنوی نے میرے ساتھ مباہلہ کیا جس میں میں نے صرف اپنے لیے بددُعا کی تھی کہ اگر میں اپنے دعویٰ میں جھوٹا اور مفتری ہوں تو خُدا تعالیٰ مجھے ذلیل اور ہلاک کرے اُس کے لیے کوئی بددُعا نہیں کی تھی کہ مگر اس مباہلہ کے بعد اللہ تعالیٰ نے میری اس قدر نصرت اور تائید کی کہ آج ہزار ہا آدمی میرے مرید ہیں۔ پھر مخالفوں کے دائر کیے ہوئے مقدمات میں ہمیشہ مجھ کو کامیابی عطا فرمائی اور ان کے شر و فساد سے محفوظ رکھا۔ غرض ابھی حضور نے پون گھنٹہ کے قریب تقریر کی تھی کہ حضور کے ایک مرید نے اس خیال سے کہ حضور کا گلا خشک ہو گیا ہو گا چائے کی پیالی پیش کر دی۔ رمضان کا مہینہ تھا اور حضور سفر میں تھے اور بیمار بھی تھے اس لیے حضور پر روزہ فرض نہیں تھا، لیکن اس کے باوجود آپ نے اُس کے پینے سے اِنکار کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوبارہ اور پھر تیسری بار پیش کی گئی۔ آپ نے اُسے ردّ فرمانا مناسب خیال نہ فرمایا۔ اور چائے پی لی بس پھر کیا تھا۔ وہ ہنگامہ برپا ہوا کہ **اَلْاَمَان و الْحَفِيظ!** مخالف مولویوں کو تو ایک موقعہ مل گیا۔ انہوں نے وہ طوفان بدتمیزی برپا کیا کہ توبہ ہی بھلی۔ حضور نے بہتیرا سمجھایا کہ میں مسافر بھی ہوں اور مریض بھی اور قُرآنِ کریم کی رُو سے مجھ پر روزہ فرض نہیں ہے۔ قرآنِ کریم صاف الفاظ میں فرماتا ہے۔ "**فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ** ط یعنی اگر تم میں سے کوئی مریض یا مسافر ہو تو وہ دوسرے ایام میں روزوں کی گنتی پوری کر لے"۔ مگر جب نیت ہی بد ہو تو معقول بات کو کون سُنتا ہے۔ مفسدہ پرداز برابر شور مچاتے رہے اور سیٹیوں اور تالیوں سے جلسہ کو درہم برہم کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔ بعض بدطینیت لوگ گندی اور فحش گالیاں بھی دیتے رہے۔ اَمرتسر کے روساء اور پولیس نے لوگوں کو پرامن طور پر بٹھانے کی بہت کوشش کی مگر اُن کی کسی نے نہ سُنی۔ آخر یہی مناسب سمجھا گیا کہ حضرت اقدس کو ایک بند گاڑی میں سوار کرا کر حضور کی جائے قیام پر پہنچا دیا جائے۔ چنانچہ بند گاڑی منگوائی گئی اور حضور اس میں سوار ہو گئے۔ حضور کی گاڑی کا باہر نکلنا تھا کہ مخالفین نے بے تحاشا گاڑی پر پتھروں کی بارش شروع کر دی۔ یہ خُدا تعالیٰ کی حفاظت تھی کہ حضور کو کوئی تکلیف نہیں پہنچی مگر انہوں نے حضور کو تکلیف پہنچانے کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ راستہ میں حضور نے فرمایا: "**ضرور تھا کہ یہ سنّت بھی پوری ہوتی**"۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:302.303)

ورود قادیان

آخر 10 نومبر 1905ء کو دن کے 12 بجے حضور معہ خُدام بخیر و عافیت قادیان دارالامان پہنچ گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذٰلک۔ جمعہ کا مبارک روز تھا۔ قادیان پہنچنے پر حضور نے نماز جمعہ باجماعت اَدا فرمائی۔ جلد ہی خواجہ حسن نظامی صاحب کی ایک تحریر اپنی درخواست کی یاد دہانی کے لیے حضور کی خدمت میں پہنچی۔ حضور نے اس کے جواب میں تحریر فرمایا۔

"دہلی میں میرے دل نے اس بات کے لیے جوش مارا کہ وہ اربابِ صدق و صفا اور عاشقانِ حضرت مولیٰ جو میری طرح اس زمین کے باشندوں سے بہت سے جور و جفا دیکھ کر اپنے محبوبِ حقیقی کو جا ملے ان کے متبرک مزاروں کی زیارت سے اپنے دل کو خوش کر لوں پس میں اسی نیت سے حضرت خواجہ شیخ نظام الدین ولی اللہ رضی اللہ عنہ کے مزار متبرک پر گیا اور ایسا ہی دوسرے چند مشائخ کے متبرک مزاروں پر بھی۔ خُدا ہم سب کو اپنی رحمت سے معمور کرے"۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:303)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جماعت کے استحکام کے لیے کام

اخبار الحکم کا اجراء

مقدمہ اقدامِ قتل کی روئداد حضرت شیخ یعقوب علی صاحب لکھتے تھے۔مگر اخبارات اس روئداد کو شائع کرنے سے اعراض کرتے تھے۔حضرت شیخ صاحب کے دل میں اپنا اخبار جاری کرنے کا جوش پیدا ہوا۔ چنانچہ اُنہوں نے 1897ء میں اُمرتسر سے الحکم نامی ایک اخبار جاری کیا اَور 1898ء میں سلسلہ کی ضروریات کے پیشِ نظر اسے اُمرتسر سے قادیان میں منتقل کرلیا۔اس اخبار نے سلسلہ کی خاص خدمات سرانجام دی ہیں۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:184)

اخبار البدر کا اجراء

محترم بابو محمد افضل صاحب مشرقی افریقہ کے محکمہ ریلوے میں ملازم تھے۔1902ء میں وہ ریٹائر ہو کر واپس پنجاب تشریف لائے قادیان دارلامان میں سکونت اختیار کرلی۔چونکہ قابل اور صاحبِ قلم تھے اس لیے ستمبر 1902ء میں قادیان سے ایک اخبار ''القادیان'' جاری کیا لیکن اگلے ہی مہینے یعنی اکتوبر 1902ء کو اس اخبار کا نام بدل کر''البدر'' رکھ دیا۔محترم بابو صاحب مارچ 1905ء میں وفات پا گئے۔ان کی زندگی میں یہ اخبار عمدگی کے ساتھ چلتا رہا۔بابو صاحب مرحوم اپنے اخبار میں حضرت اقدس کی ڈائری بڑے اہتمام کے ساتھ شائع کیا کرتے تھے۔ان کی وفات کے بعد کچھ مدت تک اخبار بند رہا۔پھر تیس مارچ کو حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے اس کام کو سنبھال لیا۔مگر بابو صاحب مرحوم تو اخبار کے کلیۃً مالک تھے۔اس نئے دَور میں اخبار کے مالک حضرت میاں معراج الدین صاحب عمرؓ اور ایڈیٹر حضرت مفتی صاحب مقرر ہوئے۔ایک تبدیلی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی ہدایت کے مطابق یہ بھی عمل میں آئی کہ اخبار کا نام "البدر" کی بجائے "بدر" کر دیا گیا۔حضرت مفتی صاحب نے بھی حضرت اقدس کی زندگی میں اخبار کو دلچسپ بنانے میں بڑی محنت اَور جانفشانی سے کام کیا۔آپ بھی بڑے التزام کے ساتھ حضرت اقدس کی ڈائری اَور الہامات شائع فرماتے رہے۔دراصل یہ دونوں اخبار الحکم اَور البدر یا بدر حضرت اقدس کے دو بازو تھے۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:247.248)

مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کا اجراء

قادیان میں جماعت کی تعداد دن بدن بڑھ رہی تھی مگر اپنی جماعت کے بچوں کے لیے کوئی سکول جاری نہیں تھا۔نتیجہ یہ تھا کہ جماعت کے احباب کو مجبوراً اپنے بچوں کو ایک مقامی آریہ سکول میں بھیجنا پڑتا تھا۔حضرت اقدس کو رپورٹ موصول ہوئی کہ آریہ سکول میں اسلام کے خلاف اعتراضات کیے جاتے ہیں اَور اس طرح ہمارے بچوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔حضور کے حسّاس دل کو یہ سن کر سخت صدمہ پہنچا اَور حضور نے فوراً ایک اپنا سکول جاری کرنے کا فیصلہ کرلیا۔چنانچہ حضور نے 15 ستمبر 1897ء کو ایک اشتہار کے ذریعہ احباب جماعت سے چندہ کی اپیل کی اَور پھر جلسہ سالانہ 1897ء میں بھی احباب کو اس طرف متوجہ کیا۔جس کے نتیجہ میں ابتدا 1898ء میں خُدا تعالیٰ کے فضل سے مدرسہ تعلیم الاسلام جاری ہو گیا اَور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب تراب اس کے پہلے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:183)

مدرسہ تعلیم الاسلام مڈل سے ترقی کرکے ہائی سکول بن گیا

یکم فروری 1900ء کو مدرسہ تعلیم الاسلام جس میں مڈل تک تعلیم دی جاتی تھی۔اب ہائی سکول بنا دیا گیا۔پھر مارچ 1900ء میں یہ تجویز بھی کی گئی کہ اس مدرسہ میں ایک شاخ دینیات کی بھی کھولی جائے۔(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:206)

جماعت کا نام "مسلمان فرقہ احمدیہ" رکھا جانا

گورنمنٹ کی طرف سے یہ اعلان ہو چکا تھا کہ اگلے سال یعنی 1901ء میں تمام ہندوستان کی مردم شماری کروائی جائے گی اور حضرت اقدس نے ابھی تک اپنی جماعت کا کوئی نام تجویز نہیں فرمایا تھا۔ لوگ "مرزائی" اور "قادیانی" وغیرہ ناموں کے ساتھ آپ کی جماعت کو پکارا کرتے تھے۔ اس لیے حضور نے ضروری سمجھا کہ جماعت کا کوئی موزوں نام رکھ دیا جائے۔ چنانچہ آپ نے اپنی جماعت کا نام **"مسلمان فرقہ احمدیہ"** رکھا۔ حضور ایک اشتہار میں اس نام کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''اس فرقہ کا نام ''مسلمان فرقہ احمدیہ'' اس لیے رکھا گیا کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلّم کے دو نام تھے۔ ایک محمد صلی اللہ علیہ وسلّم۔ دوسرا احمد صلی اللہ علیہ وسلّم۔ اور اسم محمدؐ جلالی نام تھا اور اس میں یہ مخفی پیشگوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اُن دشمنوں کو تلوار کے ساتھ سزا دینگے جنہوں نے تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کیا۔ اور صدہا مسلمانوں کو قتل کیا۔ لیکن اسم احمدؐ جمالی نام تھا جس سے یہ مطلب تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی مکہ کی زندگی میں اسمِ احمدؐ کا ظہور تھا اور ہر طرح سے صبر اور شکیبائی کی تعلیم تھی اور پھر مدینہ کی زندگی میں اسم محمدؐ کا ظہور رہا۔ اور مخالفوں کی سرکوبی خُدا کی حکمت اور مصلحت نے ضروری سمجھی، لیکن یہ پیشگوئی کی گئی تھی کہ آخری زمانہ میں پھر اسم احمدؐ ظہور کرے گا۔ اور ایسا شخص ظاہر ہوگا جس کے ذریعہ سے احمدی صفات یعنی جمالی صفات ظہور میں آئیں گی اور تمام لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔ پس اسی وجہ سے مناسب معلوم ہوا کہ اس فرقہ کا نام فرقہ احمدیہ رکھا جائے گا۔'' (حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 224)

ریویو آف ریلیجنز کا اجراء

آپ کا ایک اہم کام " کسرِ صلیب " بھی تھا اور گو دلائل کے لحاظ سے آپ اس کام کو بطریقِ احسن انجام دے چکے تھے۔ لیکن چونکہ وہ لوگ جو صلیب پرستی کے علمبردار تھے وہ زیادہ تر مغربی ممالک میں رہتے تھے۔ اَور ان کی زبان انگریزی تھی اس لیے آپ چاہتے تھے کہ ان تمام سچائیوں اَور پاک معارف اَور دین اسلام کی حمایت میں پختہ دلائل اَور انسانی رُوح کو اطمینان دینے والی باتوں کو جو آپ پر ظاہر ہوئیں اَور ہو رہی تھیں تسلّی بخش براہین اَور مؤثر تقریروں سے ملک کے تعلیم یافتہ لوگوں اور یورپ کے حق کے طالبوں تک پہنچایا جائے۔ چنانچہ آپ نے اس کے لئے 15 جنوری 1901ء کو ایک ضروری تجویز کے عنوان سے اشتہار شائع فرمایا۔ جس میں اپنی اس دلی تڑپ اور درد ِدل کا اظہار فرمایا اور تجویز کی کہ مذکورہ بالا مقاصد کے اظہار کے لیے انگریزی زبان میں ایک رسالہ جاری کیا جائے اور اس کے نظم و نسق کے لیے جو بہتر طریق ہو اس پر عمل کیا جائے۔ اور اس تجویز پر غور کرنے کے لیے آپ نے فرمایا کہ دوست عید الاضحیہ کے روز قادیان میں جمع ہوں اور اس بارہ میں مشورہ دیں کہ کیا انتظام کیا جائے جس سے یہ رسالہ جاری ہو سکے۔ چنانچہ 31 مارچ 1901ء کو سب احباب کے مشورہ سے یہ قرار پایا کہ اس رسالہ کا نظم و نسق ایک انجمن کے سُپرد کیا جائے۔ جس کا نام **"انجمن اشاعتِ اسلام"** ہو۔ اَور رسالے کا نام **"ریویو آف ریلیجنز "** رکھا گیا اور ایڈیٹر مولوی محمد علی صاحب ایم۔اے اور خواجہ کمال الدین صاحب مقرر کیے گئے۔ اور قرار پایا کہ رسالہ یکم اکتوبر 1901ء سے نکلنا شروع ہو جائے، اس اثناء میں مولوی محمد علی صاحب حضرت اقدس سے ہدایات حاصل کر کے خود بھی مضامین تیار کریں اَور جو مضامین حضور لکھ کر دیں ان کا بھی ترجمہ انگریزی زبان میں کرتے رہیں۔ مگر بعض وجوہ سے مقررہ تاریخ کو یہ رسالہ نہ نکل سکا۔ 24 نومبر کو بورڈ آف ڈائریکٹرز کا پھر اجلاس ہوا اَور یہ قرار پایا کہ رسالہ انگریزی جنوری 1902ء سے ضرور جاری کر دیا جائے اَور اگر تین سو خریداروں کی درخواستیں اُردو میگزین کے لیے بھی آ جائیں تو اس کا ایک ایڈیشن اُردو میں بھی نکال دیا جائے۔ چنانچہ رسالہ جاری کر دیا گیا۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 227.228)

اشتہار چندہ منارۃ المسیح 28 مئی 1900ء

28 مئی 1900ء کو حضرت اقدس نے احادیث رسول اللہ ﷺ کا منشاء پورا کرنے کے لیے مسجدِ اقصیٰ کے شرقی جانب ایک مینار تعمیر کرنے کی تجویز فرمائی اور اس کی تین اغراض بیان فرمائیں۔

اوّل یہ کہ مؤذّن اس پر چڑھ کر پنجوقت بانگِ نماز دیا کرے اور تا خدا کے پاک نام کی اُونچی آواز سے دن رات میں پانچ دفعہ تبلیغ ہو اور تا مختصر لفظوں میں پنجوقت ہماری طرف سے انسانوں کو یہ ندا کی جائے کہ وہ اَزلی اور اَبدی خدا جس کی تمام انسانوں کو پرستش کرنی چاہیے۔صرف وہی خُدا ہے جس کی طرف اس کا برگزیدہ اور پاک رسول محمد مصطفےٰ ﷺ رہنمائی کرتا ہے۔اس کے سوا نہ زمین میں نہ آسمان میں اور کوئی خُدا نہیں۔

دوم: دوسرا مطلب اس مینارہ سے یہ ہوگا کہ اس مینارہ کی دیوار کے کسی بہت اُونچے حصّے پر ایک بڑا لالٹین نصب کر دیا جائے گا۔یہ روشنی انسانوں کی آنکھیں روشن کرنے کے لیے دُور دُور جائے گی۔

سوم: تیسرا مطلب اس مینارہ سے یہ ہوگا کہ اس منارہ کی دیوار کے کسی اُونچے حصّہ پر ایک بڑا گھنٹہ نصب کر دیا جائے گا۔تا انسان اپنے وقت کو پہچانیں اور انسانوں کو وقت شناسی کی طرف توجہ ہو۔

یہ تینوں کام جو اس منارہ کے ذریعہ سے جاری ہوں گے ان کے اَندر تین حقیقتیں مخفی ہیں۔

اوّل یہ کہ بانگ جو پانچ وقت اُونچی آواز سے لوگوں کو پہنچائی جائے گی۔اس کے نیچے یہ حقیقت مخفی ہے کہ اب واقعی طور پر وقت آ گیا ہے کہ **لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه** کی آواز ہر ایک کان تک پہنچے۔یعنی اب وقت خود بولتا ہے کہ اس اَزلی اَبدی زندہ خدا کے سوا جس کی طرف پاک رسول محمد ﷺ نے رہنمائی کی ہے۔اور سب خُدا جو بنائے گئے ہیں باطل ہیں۔کیوں باطل ہیں۔اس لیے کہ ان کے ماننے والے کوئی برکت ان سے نہیں پا سکتے۔کوئی نشان دکھلا نہیں سکتے۔

دوسرے۔وہ لالٹین جو اس مینارہ کی دیوار میں نصب کی جائے گی۔اس کے نیچے حقیقت یہ ہے کہ تا لوگ معلوم کریں کہ آسمانی روشنی کا زمانہ آ گیا اور جیسا کہ زمین نے اپنی ایجادوں میں قدم آگے بڑھایا۔ایسا ہی آسمان نے بھی چاہا کہ اپنے نوروں کو بہت صفائی سے ظاہر کرے تا حقیقت کے طالبوں کے لیے پھر تازگی کے دن آئیں اور ہر ایک آنکھ جو دیکھ سکتی ہے۔آسمانی روشنی کو دیکھے اور اس روشنی کے ذریعہ سے غلطیوں سے بچ جائے۔

تیسرے۔وہ گھنٹہ جو اس منارہ کے کسی حصّہ دیوار میں نصب کرایا جائے گا۔اس کے نیچے یہ حقیقت مخفی ہے کہ تا لوگ اپنے وقت کو پہچان لیں۔یعنی سمجھ لیں کہ آسمان کے دروازوں کے کھلنے کا وقت آ گیا۔اب سے زمینی جہاد بند ہو گیا ہے اور لڑائیوں کا خاتمہ ہو گیا۔

(تبلیغ رسالت جلد نہم صفحہ 35.36: اشتہار 28 مئی 1900)(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 211.210)

منارۃ المسیح کا سنگِ بنیاد رکھا جانا

منارۃ المسیح کے لئے کچھ چندہ تو جمع ہو گیا مگر اور کاموں میں مصروفیت کی وجہ سے اس کی تعمیر میں کچھ تاخیر ہو گئی۔یہاں تک کہ 1903ء میں حضور نے اس کا سنگِ بنیاد رکھا۔جس وقت اس کی دیواریں بنیادوں سے ذرا اُونچا اُٹھنا شروع ہوئیں تو مخالفوں نے حکام تک شکایتیں کرنا شروع کر دیں کہ ہماری بے پردگی ہوگی۔اس لیے اس کی تعمیر بند ہونی چاہیے۔ڈپٹی کمشنر گورداس پور نے تحصیلدار بٹالہ کو تحقیقات کے کام پر مامور کیا۔تحصیلدار صاحب نے حضرت اقدس سے آ کر ملاقات کی۔شکایت کرنے والے بھی بلائے گئے۔مگر حضرت اقدس کے احسانوں کی وجہ سے ایک شخص بھی برملا طور پر یہ نہ کہہ سکا کہ فلاں موقعہ پر حضرت مرزا صاحب سے مجھے کوئی تکلیف پہنچی ہے۔مگر اس کے باوجود تحصیلدار نے اسلام دشمنی کی

وجہ سے مخالفانہ رنگ میں رپورٹ کردی۔اس کے جواب میں دوبارہ لکھا کہ اس منارہ پر صرف اذان دی جائے گی اور اسے لوگوں کے لیے سیرگاہ نہیں بنایا جائے گا۔اس پر ڈپٹی کمشنر نے تعمیر کی اجازت دے دی،لیکن حضرت اقدس کی زندگی میں اس کی تعمیر مکمل نہ ہوسکی۔البتہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے عہدِ مبارک میں یہ کام پایہ تکمیل کو پہنچا۔ **فالحمد للہ علیٰ ذٰلک**۔(حیات طیبہ،حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ:212.211)

جماعت کے چندوں کا باقاعدہ اجراء

5مارچ 1902ء تک جماعت کے چندوں کی کوئی خاص تنظیم نہیں تھی۔احباب اپنے اپنے اخلاص کے ماتحت کچھ نہ کچھ چندہ اپنی مرضی کے مطابق حضرت اقدس کی خدمت میں بھیج دیا کرتے تھے۔یا جب کوئی خاص ضرورت پیش آتی تو حضرت اقدس تحریک فرمادیتے اور احباب اعلیٰ حسب الاخلاص اس چندہ میں حصّہ لے لیتے لیکن اب جماعت کی تعداد دن بدن بڑھ رہی تھی اور مہمان بھی بکثرت آنے شروع ہوگئے تھے جس کی وجہ سے لنگرخانہ کے اخراجات کافی حد تک بڑھ چکے تھے۔نیز بعض ایسے کام بھی مرکز میں شروع ہوگئے تھے جو ماہوار مستقل خرچ چاہتے تھے جیسے مدرسہ تعلیم الاسلام اور رسالہ ریویو آف ریلیجنز کا اجراء وغیرہ اس لیے ضرورت پیش آئی کہ جماعت کے ہر دوست کو یہ تحریک کی جائے کہ وہ کچھ نہ کچھ چندہ خواہ کتنا ہی قلیل کیوں نہ ہو اپنے اُوپر واجب کرلے اور پھر اسے ہر ماہ باقاعدہ اَدا کیا کرے چنانچہ حضور نے اس غرض کے لئے 5 مارچ 1902ء کو ایک اشتہار شائع فرمایا جس میں لکھا کہ۔"اب چاہیے کہ ہر ایک شخص سوچ سمجھ کر اس قدر ماہواری چندہ کا اقرار کرے جس کو وہ دے سکتا ہے گو ایک پیسہ ماہوار ہو۔مگر خُدا کے ساتھ فضول گوئی کا برتاؤ نہ کرے۔ہر ایک شخص جو مرید ہے اس کو چاہیے جو اپنے نفس پر کچھ ماہواری مقرر کردے خواہ ایک پیسہ اور خواہ ایک دھیلہ۔اور جو شخص کچھ بھی مقرر نہیں کرتا اور نہ جسمانی طور پر اس سلسلہ کے لیے کچھ مدد دے سکتا ہے۔وہ منافق ہے۔اب اس کے بعد وہ اس سلسلہ میں رہ نہیں سکے گا۔اس اشتہار کے شائع ہونے سے تین ماہ تک ہر ایک بیعت کرنے والے کے جواب کا انتظار کیا جائے گا کہ وہ کیا کچھ ماہواری چندہ اس سلسلہ کی مدد کے لیے قبول کرتا ہے اور اگر تین ماہ تک کسی کا جواب نہ آیا تو سلسلہ بیعت سے اس کا نام کاٹ دیا جائے گا اور مشتہر کردیا جائے گا۔اگر کسی نے ماہواری چندہ کا عہد کرکے تین ماہ تک چندہ بھیجنے سے لاپرواہی کی اس کا نام بھی کاٹ دیا جائے گا اور اس کے بعد کوئی مغرور اور لاپرواہ جو انصار میں داخل نہیں۔اس سلسلہ میں ہرگز نہ رہے گا"۔

(اشتہار 5مارچ 1902ء حیاتِ طیبہ،حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل،صفحہ 241.240)

بہشتی مقبرہ کا قیام

اس کے علاوہ حضور نے خُدائی بشارات کے ماتحت ایک مقبرہ کی تجویز بھی کی۔جس کے متعلق حضور کا منشاء تھا کہ اس میں ان صادق الارادت لوگوں کی قبریں ہوں۔جنہوں نے اپنی زندگی نیکی،تقویٰ اور طہارت میں گزاری ہو اور مالی اور جانی قربانیوں میں ایک شاندار مثال قائم کی ہو۔اور اس مقبرہ کا نام حضور نے الٰہی منشاء کے ماتحت بہشتی مقبرہ رکھا۔

چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔"مجھے ایک جگہ دکھائی گئی کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہوگی۔ایک فرشتہ مَیں نے دیکھا کہ وہ زمین کو ناپ رہا ہے تو ایک مقام پر پہنچ کر اُس نے مجھے کہا کہ یہ تیری قبر کی جگہ ہے پھر ایک جگہ مجھے ایک قبر دکھائی گئی کہ وہ چاندی سے زیادہ چمکتی تھی اور اس کی تمام مٹی چاندی کی تھی۔تب مجھے کہا گیا کہ یہ تیری قبر ہے اور ایک جگہ مجھے دکھائی گئی اور اس کا نام "بہشتی مقبرہ" رکھا گیا۔اور ظاہر کیا گیا کہ وہ ان برگزیدہ جماعت کے لوگوں کی قبریں ہیں جو بہشتی ہیں۔(الوصیت صفحہ 16)

بہشتی مقبرہ میں دفن ہونے کے شرائط

اس مقبرہ میں دفن ہونے کے لئے حضور نے وحیِ خفی کے ماتحت چند شرطیں بھی لگادیں جو حسبِ ذیل ہیں:۔

1- پہلی شرط یہ ہے کہ ہر ایک شخص جو اس قبرستان میں دفن ہونا چاہتا ہے۔ اپنی حیثیت کے لحاظ سے اِن معارف کے لیے چندہ داخل کرے۔

2- دوسری شرط یہ ہے کہ تمام جماعت میں سے اس قبرستان میں وہی مدفون ہوگا۔ جو یہ وصیت کرے کہ اس کی موت کے بعد دسواں حصّہ اُس کے تمام ترکہ کا حسبِ ہدایت اس سلسلہ کی اشاعتِ اسلام اور تبلیغ احکامِ قرآن میں خرچ ہوگا اور ہر ایک صادق الایمان کو اختیار ہوگا کہ اپنی وصیت میں اس سے بھی زیادہ لکھ دے، لیکن اس سے کم نہیں ہوگا۔

3- تیسری شرط یہ ہے کہ اس قبرستان میں دفن ہونے والا متقی ہو۔ اور محرمات سے پرہیز کرتا ہو اور کوئی شرک اور بدعت کا کام نہ کرتا ہو۔ سچا اور صاف مسلمان ہو۔

ان شرائط کے علاوہ حضور نے آخر میں ایک اَمر کا اضافہ ان الفاظ میں بھی کیا ہے کہ:۔ **"ہر ایک صالح جس کی کوئی بھی جائداد نہیں۔ اور کوئی مالی خدمت نہیں کرسکتا۔ اگر یہ ثابت ہو کہ وہ دین کے لیے اپنی زندگی وقف رکھتا تھا۔ اور صالح تھا تو وہ اس قبرستان میں دفن ہوسکتا ہے"۔**

انجمن کارپردازانِ مصالح قبرستان کا قیام

حضور نے اس مقبرہ کے انتظام کے لیے ایک انجمن کا صدر حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحبؓ کو مقرر فرمایا۔ اور اس بات کو لازمی قرار دیا کہ کم ازکم دو ممبر اس انجمن کے عالمِ دین ہونے چاہئیں۔ حضور نے اس اَمر کی بھی تصریح فرمائی کہ اس مقبرہ کے قیام کا یہ مطلب نہیں کہ یہ زمین کسی کو بہشتی بنادے گی بلکہ مطلب یہ ہے کہ خُدا تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ایسا تصرّف کرے گا کہ بہشتی ہی اس مقبرہ میں دفن ہوسکے گا"۔

(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ 304 تا 307)

الہامات قُربِ وصال تا وصال حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسّلام

1905ء کے آخر میں حضرت اقدس کو بذریعہ رؤیا والہامات یہ بتایا گیا کہ اب آپ کی وفات کا وقت قریب ہے چنانچہ سب سے پہلے آپ نے دیکھا کہ آپ کو ایک کوری ٹنڈ میں مصفّٰی پانی دیا گیا ہے جو صرف دو تین گھونٹ باقی رہ گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی آپ کو الہام ہوا کہ **"آبِ زندگی"** گویا اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتادیا کہ یہ جو مٹی کے لوٹے میں دو تین گھونٹ پانی آپ کو دکھایا گیا ہے۔ یہ آبِ زندگی ہے۔ یعنی آپ کی عمر اب صرف دو تین سال باقی رہ گئی ہے۔

اس کے بعد الہام ہوا **قَلَّ مِیْعَادُ رَبِّکَ** ۔بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی۔ **قَرُبَ اَجَلُکَ الْمُقَدَّرُ وَلَا نُبْقِیْ لَکَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا** ۔یعنی تیری مقدر وفات کا وقت قریب آگیا ہے اور ہم تیرے پیچھے کوئی رسوا کرنے والی بات نہیں رہنے دیں گے۔ پھر الہام ہوا۔ **جَآءَ وَقْتُکَ وَنُبْقِیْ لَکَ الْاٰیٰتِ بَاھِرَاتٍ**۔ یعنی تیرا وقت آن پہنچا ہے اور ہم تیرے پیچھے تیری تائید میں روشن نشانات قائم رکھیں گے اور یہ الہام ہوا کہ **"تَمُوْتُ وَاَنَا رَاضٍ مِّنْکَ"** یعنی "تو اس حالت میں فوت ہوگا کہ مَیں تجھ سے راضی ہوں گا" اسی طرح ایک الہام یہ ہوا کہ **"بہت تھوڑے دن رہ گئے ہیں۔ اس دن سب پر اُداسی چھا جائے گی۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوگا۔ بعد اس کے تمہارا واقعہ ہوگا۔ تمام حوادث اور عجائباتِ قدرت دکھلانے کے بعد تمہارا حادثہ آئے گا"۔**

اس قسم کے الہامات کی کثرت کو دیکھ کر حضرت اقدس یہ سمجھے کہ اب آپ کی وفات کا زمانہ قریب ہے۔ اس پر حضور نے اپنی جماعت کو نصائح کرنے

کے لیے ایک مختصر سا رسالہ "الوصیت" لکھا جس میں تحریر فرمایا کہ "یہ خُدا تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب سے کہ اس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہے۔ ہمیشہ اس سنت کو ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے۔........اور جس راستبازی کو وہ دُنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں۔ اس کی تخم ریزی اُنہی کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اس کی پوری تکمیل ان کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں ان کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے۔ مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقعہ دے دیتا ہے۔ اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھلاتا ہے۔ غرض وہ دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے۔

(1) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت دکھاتا ہے۔

(2) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا.........تب اللہ تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قُدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خُدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا جبکہ آنحضرت صلعم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین مُرتد ہو گئے اور صحابہ بھی مارے غم کے دیوانوں کی طرح ہو گئے۔ تب خُدا تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا۔ اور اسلام کو نابود ہوتے ہوئے تھام لیا....... سوائے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خُدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے۔ تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھاوے۔ سو اب ممکن نہیں کہ خُدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لیے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی ہے (یعنی خبر وفات سے) غمگین مت ہونا اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں۔ کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا... مَیں خُدا کی ایک مجسّم قُدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قُدرت کا مظہر ہوں گے"۔

اس تحریر میں حضرت اقدس نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کی مثال دے کر اپنے بعد خلافت کے قیام کو دوسری قدرت قرار دیا۔ اور بتایا کہ یہ سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگر مل، صفحہ 305,304 سن اشاعت 1960)

آخری نصیحت

حضرت ڈاکٹر حشمت اللہ خاں صاحب فرماتے ہیں:۔

"ایک روز غالباً وفات سے دو دن پہلے حضور خواجہ کمال الدین صاحب مرحوم کے مکان کے ہال کمرہ میں نماز ظہر و عصر اَدا فرما کر تشریف فرما ہوئے۔ اس وقت حضور کے سامنے پندرہ بیس احباب تھے اور مَیں بھی حاضر تھا......... اس وقت حضور نے کچھ باتیں بطور نصیحت فرمائیں۔ ان میں سے حضور کے یہ الفاظ مجھے آج تک یاد ہیں کہ **"جماعت احمدیہ کے لیے بہت فکر کا مقام ہے کیونکہ ایک طرف تو لاکھوں آدمی انہیں کافر کافر کہتے ہیں۔ دوسری طرف اگر یہ بھی خُدا تعالیٰ کی نظر میں مومن نہ بنے تو ان کے لیے دوہرا گھاٹا ہے"**۔

حضرت ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:۔ "جہاں تک مجھے یاد ہے۔ یہ حضور کی آخری نصیحت یا وصیت تھی۔ جس کو مَیں نے اپنے کانوں سے سُنا۔

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگر مل، صفحہ: 352)

مرض الموت

حضرت اقدس اپنے لیکچر **"پیغام صلح"** کی تصنیف میں مصروف تھے کہ 20 مئی 1908ء کو یہ الہام ہوا۔ **اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ وَا لْمَوْتُ**

قَرِیْبٌ۔ یعنی کوچ کا وقت آ گیا ہے اور موت قریب ہے"۔
یہ الہام صراحت کے ساتھ حضور کی وفات کے بالکل قریب ہونے پر دلالت کرتا تھا۔ اس لیے حضور نے اس کی کوئی تاویل نہیں فرمائی۔ یکے بعد دیگرے اس قسم کے الہامات کو دیکھ کر حضرت اماں جان نے ایک دن گھبرا کر عرض کی کہ اب قادیان واپس چلیں۔ فرمایا "اب تو ہم اس وقت چلیں گے جب خُدا لے جائے گا"۔ (سلسلہ احمدیہ صفحہ:182)
حضور ان ایام میں پیغام صلح کی تقریر لکھنے میں مصروف تھے۔ اس الہام کے بعد تقریر کے لکھنے میں حضور نے زیادہ کوشش اور تیزی اختیار فرمائی۔ آخر کار 25 مئی کی شام کو یہ مضمون قریباً مکمل کر کے کاتب کے سپرد فرما دیا۔ قرائن سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضور نے یہ سمجھ کر کہ یہ مضمون لکھنے کے لیے آج کے بعد موقعہ ملے یا نہ ملے۔ اپنے بقیہ نوٹوں پر کچھ لکھنا ملتوی فرما کر جتنا لکھا جا چکا تھا۔ وہ کاتب کے حوالے کر دیا۔ عصر کی نماز کے بعد حضور نے وفات مسیحؑ کے بارہ میں ایک مختصر سی تقریر فرمائی۔ جو حضور کی آخری تقریر تھی۔ اور پھر حسب معمول سیر کے لیے باہر تشریف لائے۔ کرایہ کی ایک گاڑی حاضر تھی حضور نے ایک مخلص مُرید حضرت شیخ عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سے فرمایا کہ اس گاڑی والے سے کہہ دیں کہ ہم صرف ایک گھنٹہ ہوا خوری کر کے واپس آنا چاہتے ہیں۔ وہ ہمیں صرف اتنی دُور لے جائے کہ ہم اس وقت کے اندر اندر گھر واپس پہنچ جائیں۔ چنانچہ حضور کے اس حکم کی تعمیل کی گئی اور آپ ہوا خوری کر کے واپس تشریف لے آئے۔ اس وقت حضور کو کوئی خاص بیماری نہیں تھی۔ صرف مسلسل مضمون لکھنے کی وجہ سے کسی قدر ضُعف تھا اور غالباً آنے والے مخفی اثر کے ماتحت ایک گونہ ربودگی اور انقطاع کی کیفیت طاری تھی آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں اَدا فرمائیں اور پھر تھوڑا سا کھانا تناول فرما کر آرام کے لیے لیٹ گئے۔ (حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگر مل، صفحہ:353.354)

وصال اکبر

صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب سلمہ الرحمٰن کی کتاب سلسلہ احمدیہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔" کوئی گیارہ بجے کا وقت ہوگا کہ آپ کو پاخانے کی حاجت محسوس ہوئی اور آپ اُٹھ کر رفع حاجت کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ کو اکثر اسہال کی تکلیف ہو جایا کرتی تھی۔ اب بھی ایک دست آیا اور آپ نے کمزوری محسوس کی اور واپسی پر حضرت والدہ صاحبہ (یعنی اماں جان۔ ناقل) کو جگایا۔ اور فرمایا کہ مجھے ایک دست آیا ہے جس سے بہت کمزوری ہو گئی ہے۔ وہ فوراً اُٹھ کر آپ کے پاس بیٹھ گئیں، اتنے میں آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی اور آپ رفع حاجت کے لیے گئے اور جب اس دفعہ واپس آئے تو اس قدر ضُعف تھا کہ آپ چارپائی پر لیٹتے ہوئے اپنا جسم سہار نہیں سکے اور قریباً بے سہارا ہو کر چارپائی پر گر گئے۔ اس پر حضرت والدہ صاحبہ نے گھبرا کر کہا کہ "اللہ یہ کیا ہونے لگا ہے"۔ آپ نے فرمایا۔ "یہ وہی ہے جو مَیں کہا کرتا تھا" یعنی اب وقتِ مقدر آن پہنچا ہے اور اس کے ساتھ ہی فرمایا۔ مولوی صاحب (یعنی حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحب جو آپ کے خاص مقرب ہونے کے علاوہ ایک ماہر طبیب تھے) کو بلواؤ اور یہ بھی فرمایا کہ محمود (یعنی ہمارے بڑے بھائی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب) اور میر صاحب (یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب جو حضرت مسیح موعود کے خُسر تھے) کو جگا دو۔ چنانچہ سب لوگ جمع ہو گئے اور بعد میں ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھی بُلوا لیا۔ اَور علاج میں جہاں تک انسانی کوشش ہو سکتی تھی وہ کی گئی مگر خُدائی تقدیر کو بدلنے کی کسی شخص میں طاقت نہیں۔ کمزوری لحظہ بہ لحظہ بڑھتی گئی۔ اور اس کے بعد ایک اور دست آیا۔ جس کی وجہ سے ضُعف اتنا بڑھ گیا کہ نبض محسوس ہونے سے رُک گئی۔ دستوں کی وجہ سے زبان اور گلے میں خشکی بھی پیدا ہو گئی۔ جس کی وجہ سے بولنے میں تکلیف محسوس ہوتی تھی۔ مگر جو کلمہ بھی اس وقت آپ کے منہ سے سنائی دیتا تھا۔ وہ ان تین لفظوں میں محدود تھا۔ "اللہ۔ میرے پیارے اللہ" اس کے سوا کچھ نہیں فرمایا۔"

صبح کی نماز کا وقت ہوا۔ تو اس وقت جبکہ خاکسار مؤلف (حضرت صاحبزادہ بشیر احمد صاحب ایم اے سلّمۂ الرحمٰن ۔ ناقل) بھی پاس کھڑا تھا۔ نحیف آواز میں دریافت فرمایا۔" کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے۔" ایک خادم نے عرض کیا۔ ہاں حضور ہو گیا ہے۔ اس پر آپ نے بستر کے ساتھ دونوں ہاتھ تیمّم کے رنگ میں چُھو کر لیٹے لیٹے ہی نماز کی نیت باندھی مگر اسی دوران بے ہوشی کی حالت ہو گئی۔ جب ذرا ہوش آیا۔ تو پھر پوچھا۔" کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے۔" عرض کیا گیا۔ ہاں حضور ہو گیا ہے۔ پھر دوبارہ نیت باندھی اور لیٹے لیٹے نماز ادا کی۔ اس کے بعد نیم بے ہوشی کی کیفیت طاری رہی۔ مگر جب کبھی ہوش آتا تھا وہی الفاظ۔ "اللہ میرے پیارے اللہ"۔ سنائی دیتے تھے اور ضُعف لحظہ بہ لحظہ بڑھتا جاتا تھا۔ آخر دس بجے صبح کے وقت نزع کی حالت ہو گئی اور یقین کر لیا گیا کہ اب بظاہر حالات بچنے کی کوئی صورت نہیں۔ اس وقت تک حضرت والدہ صاحبہ نہایت صبر اور برداشت کے ساتھ دُعا میں مصروف تھیں اور سوائے ان الفاظ کے اور کوئی لفظ آپ کی زبان پر نہیں آیا تھا کہ "خُدایا ان کی زندگی دین کی خدمت میں خرچ ہوئی ہے۔ تُو میری زندگی بھی ان کو عطا کر دے"۔ لیکن اب جبکہ نزع کی حالت پیدا ہوگئی تو انہوں نے نہایت دَرد بھرے الفاظ میں روتے ہوئے کہا "خُدایا! اب یہ تو ہمیں چھوڑ رہے ہیں، لیکن تو ہمیں نہ چھوڑیو"۔ آخر ساڑھے دس بجے کے قریب حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دو لمبے لمبے سانس لیے اور آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر کے اپنے ابدی آقا اور محبوب کی خدمت میں پہنچ گئی۔ **اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ** ۔ **کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ وَّ یَبْقٰی وَجْہُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ** ۔ (حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:356.355)

آپؑ کی عمر

وفات کے وقت آپ کے مشہور الہام **ثَمَانِیْنَ حَوْلاً اَوْ قَرِیْبًامِّنْ ذٰلِكَ اَوْ تَزِیْدَ عَلَیْہِ سِنِیْنًا** ۔ کے مطابق آپ کی عمر شمسی حساب سے 74 سال اور قمری حساب سے 76 سال کی تھی۔ (ترجمہ: یعنی تیری عمر اسّی برس کی ہوگی اس سے چند سال کم زیادہ۔)

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:355)

اچانک وفات کا صدمہ

حضور کے وصال کی خبر تمام شہر میں آناً فاناً پھیل گئی۔ مگر چونکہ حضور 25 مئی 1908ء تک باقاعدہ اپنے تصنیف کے محبوب مشغلہ میں مصروف رہے اور اس روز قبل شام حسبِ معمول سیر کے لیے بھی تشریف لے گئے تھے۔ اس لیے باہر کے احباب تو الگ رہے۔ لاہور کے احمدیوں کو بھی حضور کے وصال کا یقین نہیں آتا تھا اور وہ یہ دُعائیں کرتے کرتے احمدیہ بلڈنگس میں جمع ہو رہے تھے کہ خُدا کرے یہ افواہ غلط ہو۔ مگر جب احمدیہ بلڈنگس میں پہنچتے تھے تو اس افواہ کو حقیقت پر مبنی جان کر دُنیا ان کی نگاہوں میں تیرہ و تار ہو جاتی تھی اور وہ شدّتِ غم سے دیوانوں کی طرح نظر آتے تھے۔ جو لوگ حضرت اقدس کے خاص تربیت یافتہ تھے۔ گو ان کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔ مگر وہ وقت کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے جذبات کو روکے ہوئے تھے اور حضرت اقدسؑ کے وصال کے بعد جو ذمہ داریاں ان پر عائد ہوتی تھیں وہ ان کے انجام دینے میں مصروف تھے۔

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ:357.256)

مخالفوں کی حالت

یہ تو اہلِ جماعت کا حال تھا۔ رہے غیر از جماعت لوگ تو وہ دو حصّوں میں منقسم تھے۔ ایک حصّہ جو شریف طبقے سے متعلق تھا۔ ان کو حضرت اقدس کی وفات پر بلحاظ آپ کے اسلامی جرنیل ہونے کے رنج و قلق تھا۔ اور ان میں سے ایک خاصی تعداد حضورؑ کا آخری دیدار اور اظہارِ غم و ہمدردی کے لیے احمدیہ بلڈنگس میں آگئی۔ اللہ تعالیٰ ان کو اس کی جزا دے۔ دوسرا طبقہ جو پہلے طبقہ کی ضد تھا۔ اس نے ایسی کرتوت کا مظاہرہ کیا جس کا تصوّر بھی

نہیں کیا جاسکتا۔ یہ طبقہ اپنے رہنماؤں کی اقتداء میں اسلامیہ کالج کے وسیع میدان میں جمع تھا اور اس کے افراد گندے نعرے لگاتے اور غلیظ گالیاں دیتے ہوئے حملہ آوروں کی صورت میں ڈاکٹر سیّد محمد حسین شاہ صاحب کے مکان کی طرف جس میں حضرت اقدس کی نعش مبارک رکھی ہوئی تھی۔ بڑھتے اور پسپا ہوتے تھے اور ان کے انداز سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ ایسے اِرادے رکھتے ہیں جو کسی قوم کے ادنیٰ سے ادنیٰ۔ ذلیل سے ذلیل افراد سے بھی سرزد ہونا مشکل ہیں۔ (حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 357)

تجہیز و تکفین

احمدی احباب علاوہ اس طوفان بے تمیزی کو روکنے کے حضرت اقدس کی نعش مبارک کو قادیان لے جانے کی تیاری بھی کر رہے تھے۔ دن میں دو اور تین بجے کے درمیان بڑی کوشش کے بعد غسل دینے اور کفنانے سے فراغت ہوئی۔ اس کے بعد جنازہ ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب مرحوم کے مکان کی اُوپر کی منزل سے نچلے صحن میں لایا گیا۔ اور حضرت مولانا حکیم نورالدین صاحب نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور یہ حضور کی پہلی نمازِ جنازہ تھی جو لاہور میں اُدا کی گئی۔

مخالفین نے علاوہ طرح طرح کی لغویات اور خلافِ انسانیت حرکات کے یہ بھی کیا کہ ریلوے افسروں کو یہ جھوٹی خبر پہنچائی کہ مرزا صاحب کی وفات ہیضہ سے ہوئی ہے۔ یہ حرکت اس غرض کو مدّ نظر رکھ کر کی تھی کہ ہیضے سے فوت ہو جانے والے کی نعش کا ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا متعدّی بیماری ہونے کی وجہ سے ریلوے قانون کے خلاف تھا۔ مخالفین چاہتے تھے کہ نعش مبارک قادیان نہ لے جائی جا سکے اور یہاں تدفین میں جس قسم کی دقتیں وہ ڈالنا چاہتے تھے جی کھول کر ڈال سکیں۔ مخالفوں کی اس شرارت کا احمدیوں کو بھی علم ہو چکا تھا۔ اس لیے مکرم شیخ رحمت اللہ صاحب ڈاکٹر میجر سدرلینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور کے پاس گئے۔ جو آخر وقت میں حضرت اقدس کے علاج کے لیے بلائے گئے تھے اور ان سے اس کاروائی کا جو مخالفین نے کی۔ اظہار کیا اور چاہا کہ جس مرض سے حضرت اقدس کی وفات ہوئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب اس کے متعلق سرٹیفکیٹ دیں۔ چنانچہ انہوں نے یہ سرٹیفکیٹ دیا کہ آپ کی وفات ہیضے سے ہرگز نہیں بلکہ اعصابی تکان کے دستوں سے ہوئی ہے۔ اور حقیقت بھی یہی تھی کہ حضرت اقدس کو یہ پُرانا عارضہ تھا اور گاہے گاہے اسہال کی شکایت ہوتی رہتی تھی۔ چنانچہ جب جنازہ اسٹیشن پر پہنچا تو ریلوے حکام نے اس جھوٹی رپورٹ کی بنا پر یہ اعتراض کیا کہ ہمیں رپورٹ پہنچی ہے کہ مرزا صاحب کی وفات ہیضے سے ہوئی ہے۔ اس لیے گاڑی نہیں دی جا سکتی۔ مگر جب میجر ڈاکٹر سدرلینڈ کا سرٹیفکیٹ پیش کر دیا گیا تو اجازت دے دی اور جنازہ سیکنڈ کلاس کی گاڑی میں جو ریزرو کرائی گئی تھی۔ رکھوا دیا گیا۔

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 358.357)

جنازہ قادیان پہنچایا گیا

گاڑی لاہور سے پونے چھ بجے روانہ ہوئی اور 10 بجے رات کو بٹالہ پہنچی۔ جنازہ گاڑی میں رہا جس کی حفاظت کے لیے خدّام پاس موجود رہے۔ دو بجے نعش مبارک صندوق سے باہر نکالی گئی۔ اور ایک چارپائی پر رکھ کر خدام نے جنازہ کندھوں پر اُٹھا لیا۔ صبح آٹھ بجے کے قریب گیارہ میل کا سفر طے کر کے قادیان پہنچا دیا۔ راستہ میں عجیب کیفیت تھی۔ سلسلہ کے مخلصین اپنے محبوب آقا کے جنازہ کو لے کر اشکبار آنکھوں کے ساتھ دُرود شریف پڑھتے ہوئے چل رہے تھے اور ہر ایک کی یہی خواہش تھی کہ وہ زیادہ سے زیادہ دیر تک جنازہ کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر لے جائے۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ تیرہ سو سال کے بعد ایک عظیم الشان مصلح اور نائب رسول (صلّی اللہ علیہ وسلّم۔ فداہ روحی) کو اللہ تعالیٰ نے اس جہان کی اصلاح کے لیے بھیجا۔ اور پھر سارے جہان میں سے اس کا جنازہ اُٹھانے کے لیے محض اپنے فضل و کرم اور رحمت سے انہیں چُن لیا پس یہ ان کے لیے کوئی معمولی

فخر کی بات نہیں تھی۔ بہر حال مسیح محمدیؑ کے عاشقوں نے چند گھنٹوں کے اندر اندر نعش مبارک قادیان میں پہنچادی اور یہ جسد اطہر و مبارک اس باغ میں جو بہشتی مقبرہ کے ساتھ ملحق ہے۔ بحفاظت تمام رکھ دیا گیا اور جماعت کے تمام دوستوں کو جو بارہ سو کی تعداد میں تھے اور جن میں سے کافی دوست انبالہ۔ جالندھر۔ کپورتھلہ۔ امرتسر۔ لاہور۔ گوجرانوالہ۔ وزیر آباد۔ جموں۔ گجرات۔ بٹالہ۔ گورداسپور۔ وغیرہ وغیرہ مقامات سے بھی آئے ہوئے تھے۔ اپنے محبوب آقا کی آخری زیارت کا موقعہ دیا گیا۔

27 مئی 1908ء کو تمام حاضر الوقت جماعت نے متفقہ طور پر حضرت مولانا حکیم حافظ نورالدینؓ صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پہلا خلیفہ منتخب کر کے ان کے دستِ مبارک پر بیعت کی۔ اور اس طرح سے حضرت اقدس کا وہ الہام پورا ہوا کہ **"ستائیس کو ایک واقعہ"** بیعتِ خلافت کے بعد جو حضرت اقدس کے باغ میں ایک آم کے درخت کے نیچے ہوئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے تمام حاضر الوقت احمدیوں کے ساتھ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی نمازِ جنازہ اَدا کی۔ نماز میں گریہ وزاری اور رقت کا یہ عالم تھا کہ تمام مخلصین کی اپنے مولا کے حضور غم وحزن سے ملے جلے جذبات کے ساتھ چیخیں نکل رہی تھیں۔ کچھ گذشتہ زمانہ کی حضرت اقدس کی صحبتیں آنکھوں کے سامنے آ گئی ہوں گی۔ کچھ حضور کے اس طرح آناً فاناً جُدا ہو جانے کی وجہ سے غم کا غلبہ آنکھوں میں آنسو لا رہا ہوگا۔ کچھ آئندہ کے حالات آنکھوں کے سامنے آ کر عجیب عجیب تصوّرات ذہنوں کو پریشان کر رہے ہوں گے۔ پُرانے صحابہ کرام کا بیان ہے کہ اس وقت کی حالت الفاظ میں بیان کرنا مشکل ہے۔ نماز کے بعد چھ بجے شام کے قریب جنازہ بہشتی مقبرہ میں لے جا کر دفن کر دیا گیا۔ اور اس طرح سے اس پاک اور مقدّس وجود کو جس کی کل انبیاء بشارتیں دیتے چلے آئے تھے اور جس نے کل مذہبی دُنیا میں زندہ مذہب، زندہ خُدا، زندہ کتاب اور زندہ نبی کو پیش کر کے ایک رُوحانی انقلاب پیدا کر دیا تھا۔ اور دینِ اسلام کو نہ صرف دلائل اور براہین کے ساتھ بلکہ زندہ معجزات کو پیش کر کے تمام ادیانِ عالم پر غالب کر کے دکھا دیا تھا۔ ہمیشہ ہمیش کے لئے اپنے **مالک** اور **حیّ وقیّوم خُدا** کے سپرد کر کے ایک بار پھر آخری دُعا کر کے اشکبار آنکھوں اور غمگین دلوں کے ساتھ احباب گھروں کو واپس لوٹے۔ اس وقت ہر شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے جلیل القدر صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ کے اس شعر کے مطابق کہ

كُنتَ السَّوادَلِنَا ظِرِیْ فَعَمِیَ عَلَیْكَ النَّاظِرُ

مَنْ شَاءَ بَعْدَكَ فَلْیَمُتْ فَعَلَیْكَ كُنتُ اُحَاذِرُ

یعنی "اے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم! تُو تو میری آنکھ کی پتلی تھا۔ آج تیرے مرنے سے میری آنکھیں اندھی ہو گئیں۔ اب تیرے مرنے کے بعد کوئی مرا کرے۔ مجھے ان میں سے کسی کی موت کی پروا نہیں" ۔ کے مطابق زبانِ حال سے یہ کہہ رہا تھا کہ اے خُدا کے مسیحؑ! تیرے بغیر اب اس دُنیا میں ہماری نظروں کے آگے اندھیرا ہے۔ اب جو چاہے مرے ہمیں کسی کی پروا نہیں۔ **اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّاٰلِ مُحَمَّدٍ** اَے خُدا کے برگزیدہ مسیحؑ! تجھ پر ہزاروں ہزار درود اور سلام! کہ تُو نے اپنی پاک تعلیم اور پاک نمونے سے رُوحانی انقلاب کا ایک بیج بو دیا ہے۔ جو اَب بڑھتا، پھولتا اور پھلتا چلا جائے گا۔ اور کوئی نہیں جو اس کی ترقی کے راستے میں روک ڈال سکے۔ دُنیا کے جلیل القدر بادشاہ تجھ پر دَرُود اور سلام بھیجا اور تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈا کریں گے اور تیرا نام تمام عالم میں عزت اور تکریم کے ساتھ لیا جائے گا۔ بلکہ ان لوگوں کا بھی جو تیرے دامن کے ساتھ وابستہ کر دیئے گئے ہیں۔ سو مبارک ہیں وہ جو وقت کی نزاکت کو پہچانیں اور سلسلہ کے ساتھ اپنی وفاداری کے عہد کو استوار کریں۔ اَے اللہ! تو مجھے اور میری اولاد اور اعزہ اور تمام جماعت بلکہ کل عالم کو محض اپنے فضل وکرم سے اس راہ پر گامزن ہونے کی توفیق عطا فرما کہ تیرے فضل وکرم کے بغیر تمام کوششیں بے سود ہیں اور تمام جدوجہد رائیگاں اور فضول! **اَللّٰھُمَّ آمین**

(حیاتِ طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر مرحوم سابق سوداگرمل، صفحہ: 316.358)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اخلاق فاضلہ

محبت الٰہی

الف: سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دل میں اپنے ربّ کی محبت اس قدر رچی ہوئی اور غلبہ پائے ہوئے تھی کہ اس کے مقابل پر ہر دوسری محبت ہیچ تھی آپؑ اس حدیث کا کامل نمونہ تھے کہ ''اَلْحُبُّ فِی اللّٰہِ وَالْبُغْضُ فِی اللّٰہِ (ابوداؤد) یعنی سچے مومن کی ہر محبت اور ہر ناراضگی خُدا تعالیٰ کی محبت اور خُدا تعالیٰ کی ناراضگی کے تابع ہے۔ دراصل حضرت اقدس علیہ السلام کا فلسفۂ سلوک تمام کا تمام محبت کے محور کے اِرد گرد ہی گھومتا ہے۔

ب: دوسرے نیک اور بزرگ لوگوں نے تو اپنی اپنی استعداد اور روحانی طاقتوں کے مطابق بہشت دیکھے ہوں گے مگر سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا بہشت تو کلیۃً خُدا کی ذات والاصفات میں مرکوز تھا۔ آپؑ خُدا تعالیٰ کی محبت میں اس قدر محو اور مخمور تھے اور جزا سزا کے خیال سے اس قدر بلند تھے جس طرح آسمان کا ایک اُونچا ستارہ زمین کی پستیوں سے بالا ہوتا ہے چنانچہ حضرت اقدسؑ اپنے ربّ العالمین کے عشق میں متوالے ہو کر فرماتے ہیں۔ ''ہمارا بہشت ہمارا خُدا اور ہماری اعلیٰ لذات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اُسے دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمے کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا۔ یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔

(کشتی نوح، روحانی خزائن، جلد 19 اوّل ایڈیشن) (سوانح عمری آف امام المتقین ومہدی دوراں عالی حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام، صفحہ 79.80)

ج: بے شک اُخروی زندگی کی جنت بھی حق ہے اور دوزخ بھی حق ہے لہٰذا مومن اور غیر مومن اپنے اپنے ایمان اور اعمال کے مطابق جگہ پائیں گے۔ مگر نبیوں اور رسولوں کی حقیقی جنت صرف اپنے ربّ کی محبت میں ہوتی ہے۔ اسی لیے رضوان اِلٰہی کا خاص طور پہ علیحدہ صورت میں ذکر کیا ہے جیسا کہ یہ کلام وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ اَکْبَرُ (سورۃ توبہ 72) اسی لیے یہ برگزیدہ اور معصوم گروہ اپنے خالقِ ارض وسما کی بے لوث محبت کی پاک فضاؤں میں بسیرا کرتے ہیں۔ حضرت اقدس علیہ السلام ایک جگہ فرماتے ہیں کہ!!

''مجھے جواہرات کے معدن پر اطلاع ہوئی ہے اور مجھے خوش قسمتی سے ایک چمکتا ہوا اور بے بہا ہیرا اس کان سے ملا ہے.......... وہ ہیرا کیا ہے سچا خُدا اور اس کا حاصل کرنا یہ ہے کہ اس کو پہچاننا اور سچا ایمان اس پر لانا اور سچی محبت کے ساتھ اس سے تعلق پیدا کرنا اور سچی برکات اس سے پانا۔''

(اربعین، روحانی خزائن، جلد 17 اوّل ایڈیشن) (سوانح عمری آف امام المتقین ومہدی دوراں عالی حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام، صفحہ 79.80)

حضرت مولانا سیّد سرور شاہ صاحب روایت کرتے ہیں!!

''جن دنوں مولوی کرم الدین کا وہ مقدمہ جو اس بدبخت ملاں نے بلاوجہ سیّدنا حضرت اقدس علیہ السلام پر کیا ہوا تھا۔ یہ مقدمہ گورداسپور میں چندولال یا آتمارام ہندو مجسٹریٹ کی عدالت میں زیرِ سماعت تھا۔ ہندو آریوں نے مجسٹریٹ کو اُکسایا کہ یہ مرزا قادیانی (علیہ السلام) ہمارے گرو لیکھرام کا قاتل ہے اور ہمارا سخت دشمن ہے۔ ساری قوم کی نظر آپ کی طرف ہے اگر اب آپ نے اس شکار کو ہاتھ سے جانے دیا تو آپ اپنی قوم کا بُرا کریں گے۔ اس پر اُس ہندو مجسٹریٹ نے کہا میں تو چاہتا ہوں کہ ان سب کو جہنم میں ڈال دوں (نعوذ باللہ) آپ فکر نہ کریں میں پہلی ہی پیشی کو عدالتی کارروائی کروں گا تاکہ سزا دے سکوں۔ قدرتی طور پر یہ ساری گفتگو کچہری کے منشی محمد حسین صاحب کے سامنے ہوئی تھی جس پر منشی صاحب نے یہ تمام واقعہ ڈاکٹر محمد اسماعیل صاحبؓ کے ذریعہ حضور اقدس کی خدمت میں عرض کر دیا گیا۔ آپؑ اُس وقت لیٹے ہوئے تھے۔ واقعہ سن کر آپؑ

اُٹھ بیٹھے اور جلال سے چہرہ مبارک سرخ ہوگیا۔ آنکھیں چمک اُٹھیں اور فرمانے لگے ''میں اُس کا شکار نہیں ہوں میں تو شیر ہوں اور شیر بھی خُدا کا وہ بھلا خُدا کے شیر پر ہاتھ ڈال سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔'' پھر لمحہ کے بعد حضور اقدس علیہ السلام نے فرمایا ''میں کیا کروں میں نے تو خُدا کے سامنے پیش کیا ہے کہ میں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کے لیے تیار ہوں مگر میرا خُدا کہتا ہے کہ نہیں اور ہرگز نہیں۔ میں تجھے ہر ذلت سے بچاؤں گا اور عزت کے ساتھ بری کروں گا۔''

چنانچہ خُدا تعالیٰ نے کیا کہ یہ مقدمہ ایک انگریز مجسٹریٹ کے سپرد ہوگیا اور اس کے ذریعہ آپ عزت سے بری کیے گئے اور ساتھ اس انگریز مجسٹریٹ نے مولوی کرم الدین کو کذاب اور جھوٹا قرار دے کر مقدمہ خارج کر دیا۔ عدالت کی اس آخری پیشی کی کاروائی پر ملک مولا بخش صاحب روایت کرتے ہیں کہ ''اس مقدمہ کے اختتام پر ایک انگریز مسٹراے۔ آئی۔ ہری سیشن جج تھے۔ عدالت نے مولوی کرم الدین بدبخت کو بلوایا کہ کٹہرے یعنی Witness Box میں کھڑے ہو کر حلفی بیان دے۔ اس پر یہ مولوی بڑا سر پٹایا کہ میں کوئی مجرم ہوں کہ کٹہرے میں کھڑے ہو کر بیان دوں۔ چنانچہ سیشن جج نے ڈانٹ کر کہا کٹہرے میں کھڑے ہو کر حلفی بیان دو تب اُس نے وہیں کھڑے ہو کر کہا کہ میرا بیان جھوٹا تھا ویسے مرزا صاحب نے مجھے کذاب کہا تھا۔ (جس کے معنی بہت جھوٹا) اگر وہ مجھے عربی الفاظ کے لحاظ سے کاذب کہہ دیتے تو کوئی بات نہ تھی۔ اس پر وہ سیشن جج اس مولوی سے پوچھنے لگا کہ بتاؤ ایک عام اُلو اور بڑے اُلو میں کیا فرق ہے۔ اس پر دوسرے لوگ ہنس پڑے اور مولوی سخت شرمندہ ہوا۔ پھر مولوی نے حلفاً اپنے جھوٹ کا اقرار کیا اور جرمانہ بھی بروقت اَدا کیا۔ یہ ہے ذلت جو خُدا تعالیٰ جھوٹوں کو دیتا ہے۔''

(اصحاب احمد، جلد اوّل، صفحہ 96) (سوانح عمری آف امام المتقین ومہدی دوراں عالی حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام، مرتبہ، مولوی احسان الٰہی واقف زندگی، صفحہ 82-80)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ: ''منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی نے بذریعہ تحریر مجھ سے بیان کیا کہ کلکتہ کا ایک برہمن مجسٹریٹ خدا تعالیٰ کی ہستی کا قائل نہ تھا۔ وہ قادیان آیا اور حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں خدا کی ہستی کا قائل نہیں ہوں اور سنی سنائی باتوں پر یقین نہیں رکھتا۔ کیا آپ خدا مجھے دکھا دیں گے؟ آپؑ نے فرمایا کہ اگر کچھ عرصہ آپ ہمارے پاس ٹھہریں گے تو ہم آپ کو دکھا دیں گے اور یہ دریافت فرمایا کہ آپ کچھ عرصہ ٹھہر سکتے ہیں؟ اس نے کہا کہ میں چھ ماہ کی رخصت پر ہوں۔ اور میں یہ سارا عرصہ ٹھہر سکتا ہوں۔ بشرطیکہ آپ خدا مجھے دکھا دیں۔ حضورؑ نے فرمایا کہ آپ لندن گئے ہیں۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا لندن کوئی شہر ہے۔ اس نے کہا ہاں ہے۔ سب جانتے ہیں۔ فرمایا آپ لاہور تشریف لے گئے ہیں اس نے کہا کہ میں لاہور بھی نہیں گیا۔ فرمایا۔ قادیان آپ پہلے کبھی تشریف لائے تھے۔ اس نے کہا نہیں۔ فرمایا! آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ قادیان کوئی جگہ ہے اور وہاں پر کوئی ایسا شخص ہے جو تسلی کر سکتا ہے۔ اس نے کہا سنا تھا۔ آپ نے ہنس کر فرمایا۔ آپ کا سارا دارومدار سماعت پر ہی ہے اور اُس پر پورا یقین رکھتے ہیں۔ پھر آپؑ نے ہستی باری تعالیٰ پر تقریر فرمائی اور سامعین پر اس کا ایسا اثر ہوا کہ ایک کیفیت طاری ہوگئی۔ اور اس شخص کی دماغی حالت کی یہ کیفیت تھی کہ وہ اقلیدس کی شکلوں کا ذکر کرنے لگا۔ اور حضرت مولوی صاحب نے اسے دوا منگوا کر دی۔ جب اس کی حالت دُرست ہوئی تو وہ حضرت صاحب کے پیروں کو ہاتھ لگا کر مسجد سے نیچے اُتر آیا اور حضرت مولوی صاحب اس کے ساتھ ہی اُتر آئے۔ اس نے یکہ منگوایا اور سوار ہوگیا۔ حضرت مولوی صاحب نے فرمایا۔ کہ آپ ایسی جلدی کیوں کرتے ہیں۔ اس نے کہا کہ میں مسلمان ہونے کی تیاری نہیں کر کے آیا تھا اور مجھے پورا یقین ہے کہ اگر رات کو میں یہاں رہا تو صبح ہی مجھے مسلمان ہونا پڑے گا۔ مجھے خدا پر ایسا یقین آ گیا ہے کہ گویا میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ہے۔ میرے بیوی اور بچے ہیں اُن سے مشورہ کرلوں۔ اگر وہ متفق ہوئے تو پھر آؤں گا۔ اس کے بعد وہ چلا گیا۔ (سیرت المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اےؓ، جلد 2 ص 78-77 نمبر 1098 سن اشاعت 2008ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ: ''مجھ سے مولوی شیر علی صاحب نے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ قادیان سے گورداسپور

جاتے ہوئے بٹالہ ٹھہرے وہاں کوئی مہمان جو آپ کی تلاش میں قادیان سے ہوتا ہوا بٹالہ واپس آیا تھا آپ کے پاس کچھ پھل بطور تحفہ لایا۔ پھلوں میں انگور بھی تھے۔ آپؑ نے انگور کھائے اور فرمایا انگور میں ترشی ہوتی ہے مگر یہ ترشی نزلہ کے لیے مضر نہیں ہوتی۔ پھر آپؑ نے فرمایا ابھی میرا دل انگور کو چاہتا تھا سو خدا نے بھیج دیئے۔ فرمایا کئی دفعہ میں نے تجربہ کیا ہے کہ جس چیز کو دل چاہتا ہے اللہ اسے مہیا کر دیتا ہے۔ پھر ایک دفعہ واقعہ سنایا کہ مَیں ایک سفر میں جا رہا تھا کہ میرے دل میں پونے گنّے کی خواہش پیدا ہوئی مگر وہاں راستہ میں کوئی گنا میسر نہیں تھا مگر اللہ کی قدرت کہ تھوڑی دیر کے بعد ایک شخص ہم کو مل گیا جس کے پاس پونے تھے، اس سے ہم کو پونے مل گئے۔

(سیرت المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اےؓ، جلد اوّل صفحہ 25 نمبر 35 سن اشاعت 2008ء)

جھنڈا سنگھ ساکن کالہواں نے بیان کیا کہ ''میں بڑے مرزا صاحب کے پاس آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے بڑے مرزا صاحب نے کہا کہ جاؤ غلام احمد کو بلا لاؤ ایک انگریز حاکم میرا واقف ضلع میں آیا ہے اس کا منشاء ہو تو کسی اچھے عہدہ پر نوکر کرا دوں۔ جھنڈا سنگھ کہتا تھا کہ میں مرزا صاحب کے پاس گیا تو دیکھا چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا کر اس کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ مطالعہ کر رہے ہیں۔ میں نے بڑے مرزا صاحب کا پیغام پہنچا دیا، مرزا صاحب آئے اور جواب دیا ''میں تو نوکر ہو گیا ہوں'' بڑے مرزا صاحب کہنے لگے کہ اچھا کیا واقعی نوکر ہو گئے ہو؟ مرزا صاحب نے کہا ہاں ہو گیا ہوں۔ اس پر بڑے مرزا صاحب نے کہا اچھا نوکر ہو گئے ہو تو خیر ہے۔

(سیرت المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اےؓ، جلد اوّل صفحہ 43 نمبر 52 سن اشاعت 2008ء)

ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ نے ایک دفعہ تسبیح پڑھنے کے متعلق یہ قصہ سُنایا۔ کہ کوئی عورت کسی پر عاشق تھی۔ وہ ایک ملّا کے پاس اپنی کامیابی کے لئے تعویذ گنڈا لینے گئی۔ ملّاں اس وقت تسبیح پڑھ رہا تھا۔ عورت نے پوچھا۔ مولوی جی! یہ کیا کر رہے ہو؟ مولوی جی کہنے لگے۔ مائی اپنے پیارے کا نام لے رہا ہوں۔ وہ عورت حیران ہو کر کہنے لگی۔ ملّاں جی! نام پیارے کا اور لینا گن گن کر۔ یعنی کیا کوئی معشوق کا نام بھی گن گن کر لیتا ہے؟ وہ تو بے اختیار اور ہر وقت دل اور زبان پر جاری رہتا ہے۔ اس قصہ سے حضرت صاحب کا منشاء یہ تھا کہ ایک سچے مومن کے لیے خدا کا ذکر تسبیح کی قیود سے آزاد ہونا چاہیے۔

(سیرت المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اےؓ، جلد اوّل ص 744 نمبر 821 سن اشاعت 2008ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشق رسول ﷺ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اپنے آقا حضرت محمد ﷺ سے بے پناہ عشق تھا۔ آپ فرماتے ہیں:

''وہ اعلیٰ درجہ کا نور جو انسان کو دیا گیا۔ یعنی انسانِ کامل کو۔ وہ ملائک میں نہیں تھا۔ نجوم میں نہیں تھا۔ قمر میں نہیں تھا۔ آفتاب میں بھی نہیں تھا۔ وہ زمین کے سمندروں اور دریاؤں میں بھی نہیں تھا۔ وہ لعل اور یاقوت اور زمرّد اور الماس اور موتی میں بھی نہیں تھا۔ غرض وہ کسی چیز ارضی اور سماوی میں نہیں تھا۔ صرف انسان میں تھا۔ یعنی انسان کامل میں جس کا اتم اور اکمل اور اعلیٰ اور ارفع فرد ہمارے سیّد و مولیٰ سید الانبیاء سیّد الاحیاء محمد مصطفےٰ ﷺ ہیں۔'' (آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ۔16۔160 سن اشاعت، 1984ء)

پھر آپ فرماتے ہیں:

''وہ جو عرب کے بیابان میں ایک عجیب ماجرا گذرا کہ لاکھوں مُردے تھوڑے دنوں میں زندہ ہو گئے اور پشتوں کے بگڑے الٰہی رنگ پکڑ گئے اور آنکھوں کے اندھے بینا ہوئے اور گونگوں کی زبان پر الٰہی معارف جاری ہوئے اور دنیا میں یک دفعہ ایک ایسا انقلاب پیدا ہوا کہ نہ پہلے اس سے

کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ کسی کان نے سُنا۔ کچھ جانتے ہو کہ وہ کیا تھا؟ وہ ایک فانی فی اللہ کی اندھیری راتوں کی دُعائیں ہی تھیں جنہوں نے دُنیا میں شور مچا دیا اور وہ عجائب باتیں دکھلائیں کہ جو اس اُمّی بے کس سے محالات کی طرح نظر آتی تھیں"۔ (برکات دُعا صفحہ 11.10)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ صرف بے مثال عشق کیا بلکہ جہاں آپ ﷺ کی شان میں کوئی گستاخی کرتا تو شدید ناراضگی کا اظہار کرتے۔ چند واقعات پیش ہیں:

"حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانیؓ بیان کرتے ہیں کہ 1925ء میں جب میں انگلستان گیا تو مجھے خواہش ہوئی کہ میں پادری ڈاکٹر وایٹ بریخٹ سے ملاقات کروں کیونکہ یہ پادری بٹالہ میں مشنری رہ چکے تھے اور حضرت مسیح پاکؑ سے بھی کئی بار مل چکے تھے۔ دوران گفتگو انہوں نے کہا: "میں نے ایک بات مرزا صاحب میں یہ دیکھی وہ مجھے پسند نہیں تھی کہ جب "آنحضرت ﷺ" پر اعتراض کیا جاتا۔ تو وہ ناراض ہو جاتے تھے۔ اور ان کا چہرہ متغیّر ہو جاتا تھا۔" (حیات احمد جلد اوّل صفحہ حصہ سوم صفحہ 22) تقریر عطاء المجیب راشد بر موقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ 2010ء)

برصغیر کے نامور ادیب مرزا فرحت اللہ بیگ کی شہادت بھی سننے سے تعلق رکھتی ہے وہ لکھتے ہیں: کہ ان کے چچا مرزا عنایت اللہ بیگ نے انہیں ایک بار یہ تاکید کی کہ جب میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے ملنے جاؤں تو ان کی آنکھوں کو غور سے دیکھ کر آؤں۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں قادیان گیا۔ آنکھوں کو غور سے دیکھا تو ان میں سبز رنگ کا پانی گردش کرتا معلوم ہوا۔ میں نے واپس آکر اپنے چچا سے اس کا ذکر کیا تو وہ کہنے لگے:

"فرحت! دیکھو اس شخص کو کبھی بُرا نہ کہنا۔ یہ فقیر ہے اور یہ حضرت محمد ﷺ کے عاشق ہیں۔"

وہ لکھتے ہیں کہ میں نے چچا سے پوچھا کہ آپ نے یہ کیسے جانا۔ تو انہوں نے فرمایا کہ جو عاشقِ رسول اپنے محبوب کے خیال میں ہر وقت غرق رہتا ہے تو اس کی آنکھوں میں سبزی آجاتی ہے اور سبز رنگ کی ایک لہر دوڑتی رہتی ہے۔

(تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ 580.579) (تقریر عطاء المجیب راشد بر موقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ 2010ء)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے شاہد رویئت کے طور پر گواہی دی اور فرمایا: "میں خدا کی قسم کھا کر بیان کرتا ہوں کہ میں نے ۔۔۔۔۔۔ آپؑ سے زیادہ اللہ اور رسول کی محبت میں غرق کوئی شخص نہیں دیکھا۔" (سیرت المہدی حصہ سوم صفحہ 308) (تقریر عطاء المجیب راشد بر موقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ 2010ء)

ایک اور موقع پر حضرت مسیح موعودؑ اپنے کمرہ میں تشریف فرما تھے۔ باہر سے تشریف لائے ہوئے کچھ مہمان بھی آپ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اتنے میں کسی شخص نے باہر دروازہ پر دستک دی۔ مہمانوں میں سے ایک شخص نے اُٹھ کر دروازہ کھولنا چاہا۔ یہ دیکھ کر حضرت مسیح موعودؑ بڑی جلدی سے خود اُٹھے اور اس دوست سے فرمایا: "ٹھہریں ٹھہریں۔ میں خود دروازہ کھولوں گا۔ آپ ہمارے مہمان ہیں اور آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہمان کا اکرام ہونا چاہیے۔" (سیرت طیبہ صفحہ 110) (تقریر عطاء المجیب راشد بر موقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ 2010ء)

حضرت مسیح موعودؑ کے عشقِ رسول کے بارہ میں آپؑ کے بیٹے حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے بڑے واضح الفاظ میں گواہی دی ہے۔ آپ فرماتے ہیں: "میں نے ایک دن مر کر خدا کو جان دینی ہے۔ میں آسمانی آقا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ میرے دیکھنے میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے ذکر پر، بلکہ محض نام لینے پر ہی، حضرت مسیح موعودؑ کی آنکھوں میں جھلی نہ آگئی ہو۔ آپؑ کے دل و دماغ بلکہ سارے جسم کا رُواں رُواں اپنے آقا سرورِ کائنات فخرِ موجودات ﷺ کے عشق سے معمور تھا۔" (سیرتِ طیبہ صفحہ 27) (تقریر عطاء المجیب راشد بر موقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ 2010ء)

حضرت مسیح موعودؑ کی زبان ہمیشہ درود شریف سے تر رہتی تھی۔ آپؑ فرماتے ہیں: "ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہو گیا۔ اُسی رات خواب میں دیکھا کہ فرشتے آبِ زلال کی شکل پر نور کی مشکیں اس عاجز کے مکان میں لیے آتے ہیں اور

ایک نے ان میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمد کی طرف بھیجی تھیں ﷺ''۔

(براہین احمدیہ۔ روحانی خزائن جلد اوّل صفحہ 576) (تقریر عطاء المجیب راشد برموقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ 2010ء)

ایک بار کسی نے دریافت کیا کہ درود شریف کس قدر پڑھنا چاہیے؟ کیا خوب ارشاد فرمایا:

''تب تک پڑھنا چاہیے کہ زبان تر ہو جائے''۔

(سیرت المہدی حصہ چہارم صفحہ 156) (تقریر عطاء المجیب راشد برموقعہ جلسہ سالانہ برطانیہ 2010ء)

آپؑ فرماتے ہیں: ''اگر کسی نبی کی فضیلت اس کے اُن کاموں سے ثابت ہو سکتی ہے جن سے بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی سب نبیوں سے بڑھ کر ظاہر ہو تو اے سب لوگو! اُٹھو اور گواہی دو کہ اس صفت میں محمد ﷺ کی دُنیا میں کوئی نظیر نہیں۔۔۔۔ اندھے مخلوق پرستوں نے اس بزرگ رسول کو شناخت نہیں کیا جس نے ہزاروں نمونے سچی ہمدردی کے دکھلائے۔ لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ وہ وقت پہنچ گیا ہے کہ یہ پاک رسول شناخت کیا جائے چاہو تو میری بات لکھ رکھو۔۔۔ اے سننے والو! سنو! اور سوچنے والو! سوچو اور یاد رکھو کہ حق ظاہر ہو گا اور وہ جو سچا نور ہے چمکے گا''۔

(تبلیغ رسالت جلد ششم صفحہ ۱۰،۱۱)

آنحضرت ﷺ کو باوجود اُمّی ہونے کے تمام جہان کا مقابلہ کرنا تھا جس میں اہلِ کتاب۔ فلاسفر۔ اعلیٰ درجہ کے علمی ذوق والے لوگ اور عالم فاضل شامل تھے لیکن آپ ﷺ کو رُوحانی رزق اس قدر ملا کہ آپ سب پر غالب آئے اور اور ان سب کی غلطیاں نکالیں۔

(ملفوظات جلد ۱ صفحہ 9 (alislam.org

''آپ ﷺ کی صِدق نبوت پر آپ ﷺ کی زندگی سب سے بڑا نشان ہے۔ کوئی ہے جو آپ ﷺ پر نظر رکھے؟ آپ ﷺ کو دُنیا میں ایسے وقت پر بھیجا کہ دُنیا میں تاریکی چھائی ہوئی تھی اور اُس وقت تک زندہ رکھا کہ **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ**۔ اور فوجوں کی فوجیں اسلام میں داخل ہوتی ہوئیں آپ ﷺ نے نہ دیکھ لیں۔ غرض اس قسم کی بہت سی وجوہ ہیں جن سے آپ ﷺ کا نام محمد ﷺ رکھا۔

(ملفوظات جلد 2 صفحہ 177 سن اشاعت 20 نومبر 1984ء)

''ایک دفعہ گھریلو ماحول کی بات ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت کچھ ناساز تھی اور آپؑ گھر میں چارپائی پر لیٹے ہوئے تھے اور حضرت امّاں جان نوراللہ مرقدھا اور ہمارے نانا جان یعنی حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم بھی پاس بیٹھے تھے کہ حج کا ذکر شروع ہو گیا۔ حضرت نانا جان نے کوئی ایسی بات کہی کہ اب تو حج کے لیے سفر اور رستے وغیرہ کی سہولت پیدا ہو رہی ہے حج کو چلنا چاہیے۔ اس وقت زیادہ حرمین شریفین کے تصوّر میں حضرت مسیح موعودؑ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں اور آپؑ اپنے ہاتھ کی اُنگلی سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے حضرت نانا جان کی بات سن کر فرمایا: ''یہ تو ٹھیک ہے اور ہماری بھی دلی خواہش ہے مگر میں سوچا کرتا ہوں کہ کیا میں آنحضرت ﷺ کے مزار کو دیکھ بھی سکوں گا''۔

(سیرت طیبہ صفحہ 36-35)

میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی بیان کرتے ہیں کہ ''جن ایام میں عبداللہ آتھم عیسائی کے ساتھ مباحثہ شروع ہو گیا تھا موسم گرم تھا پانی کی ضرورت پڑتی تھی لیکن پانی اپنے ساتھ لے جایا جاتا تھا۔ عیسائیوں کے چاہ (کنوئیں) کا پانی نہیں لیا جاتا تھا کیونکہ عیسائی قوم حضرت محمد ﷺ کی شان میں گستاخیاں کرنے والی ہے۔ لہٰذا ان کے چاہ کا پانی پینا حضور پسند نہ فرماتے تھے۔

(سیرت المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ جلد حصہ دوم روایت نمبر 1308 صفحہ 198 سن اشاعت 2008ء)

نعتیہ منظوم کلام میں سے چند اشعار

ہر طرف فکر کو دوڑا کے تھکایا ہم نے — کوئی دیں ۔دینِ محمد سا نہ پایا ہم نے
کوئی مذہب نہیں ایسا کہ نشاں دِکھلائے — یہ ثمر باغِ محمد سے ہی کھایا ہم نے
مصطفٰے پر ترا بے حد ہو سلام اور رحمت — اُس سے یہ نُور لیا بارِ خُدایا ہم نے

(دُرّثمین، کلام از حضرت مسیح موعود علیہ السلام، صفحہ نمبر 15 سن اشاعت 2004ء)

رَبط ہے جانِ محمد سے مری جاں کو مُدام — دِل کو وہ جام لبالب ہے پلایا ہم نے
شانِ حق تیرے شمائل میں نظر آتی ہے — تیرے پانے سے ہی اس ذات کو پایا ہم نے
آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام — مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

(دُرّثمین، کلام از حضرت مسیح موعود علیہ السلام، صفحہ نمبر 17,15 سن اشاعت 2004ء)

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نور سارا — نام اس کا ہے محمد دلبر میرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اِک دوسرے سے بہتر — لیک از خدائے برتر خیرُالوریٰ یہی ہے
وہ آج شاہ دیں ہے وہ تاج مرسلیں ہے — وہ طیّب و امیں ہے اس کی ثنا یہی ہے
اس نور پر فدا ہوں اس کا ہی میں ہوا ہوں — وہ ہے میں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے

(دُرّثمین، کلام از حضرت مسیح موعود علیہ السلام، صفحہ نمبر 96 سن اشاعت 2004ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا عشق قرآن

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں: ''بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوری صاحب نے کہا کہ
''آپؑ قرآن کریم کی تلاوت کثرت سے کیا کرتے تھے حتیٰ کہ بعض دفعہ دیکھنے والوں کا بھی بیان ہے کہ اس زمانہ میں ہم نے آپ کو جب بھی دیکھا قرآن کریم ہی پڑھتے دیکھا۔
آپ کے بڑے فرزند حضرت مرزا سلطان احمد صاحب کی روایت ہے کہ'' آپ کے پاس ایک قرآن مجید تھا اس کو پڑھتے اور اس پر نشان کرتے رہتے تھے وہ کہتے ہیں کہ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ شائد دس ہزار مرتبہ اس کو پڑھا ہو۔ (حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر، صفحہ 13 سن اشاعت 1960ء)
حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب حضرت مسیح موعودؑ کے دعویٰ سے قبل کی زندگی کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں اور یہ ان کی تحقیق کا نچوڑ ہے:''اس وقت آپ کے مشاغل بجز عبادت الٰہی اور تلاوت قرآن مجید اور کچھ نہ تھے۔ آپ کی یہ عادت تھی کہ عموماً ٹہلتے رہتے اور پڑھتے رہتے۔ دوسرے لوگ جو حقائق سے ناواقف تھے وہ اکثر آپ کے اس شغل پر ہنسی کرتے۔ قرآن مجید کی تلاوت اس پر تدبر اور تفکر کی بہت عادت تھی۔ اس قدر تلاوت قرآن مجید کا شوق اور جوش ظاہر کرتا ہے کہ آپ کو خدا تعالیٰ کی اس مجید کتاب سے کس قدر محبت اور تعلق تھا اور آپ کو کلام الٰہی سے کیسی مناسبت اور دلچسپی تھی۔ اور اس تلاوت اور پُر غور مطالعہ نے آپ کے اَندر قرآن مجید کی صداقت اور عظمت کے اظہار کے لیے ایک جوش پیدا کر دیا تھا اور خدا تعالیٰ نے علوم قرآنی کا ایک بحر نا پیدا کنار آپ کو بنا دیا تھا۔ جو علم کلام آپ کو دیا گیا۔ اس کی نظیر پہلوں میں نہیں ملتی ۔۔۔۔ غرض ایک تو قرآن مجید کے ساتھ غایت درجہ کی محبت تھی اور اس کی عظمت اور صداقت کے اظہار کے لیے ایک رو بجلی کی طرح آپ کے اندر دوڑ رہی

تھی۔(حیات احمد، ص136-135 الفضل ربوہ 31.01.14)

حضرت مفتی صادق بیان کرتے ہیں کہ ”میں نے حضرت مسیح موعودؑ کو صرف ایک دفعہ روتے دیکھا ہے اور وہ اس طرح کہ ایک دفعہ آپ اپنے خدام کے ساتھ سیر کے لیے تشریف لے جا رہے تھے اور ان دنوں میں منشی حبیب الرحمٰن صاحب حاجی پورہ والوں کے داماد (حافظ محبوب الرحمٰن) قادیان آئے ہوئے تھے۔ کسی شخص نے حضرت صاحب سے عرض کیا کہ حضور یہ قرآن شریف بہت اچھا پڑھتے ہیں۔ حضرت صاحب وہیں راستہ کے ایک طرف بیٹھ گئے اور فرمایا کہ کچھ قرآن شریف سنائیں۔ چنانچہ انہوں نے قرآن شریف سنایا تو اس وقت میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی وفات پر مَیں نے بہت غور سے دیکھا مگر مَیں نے آپ کو روتے نہیں پایا حالانکہ آپ کو مولوی صاحب کی وفات کا نہایت سخت صدمہ تھا۔(سیرت المہدی حصہ دوم روایت نمبر 433)(الفضل ربوہ 31.01.14)

مکرم شیخ عبدالرحمٰن صاحب نے اس واقعہ کی مزید وضاحت فرمائی ہے کہ ”حضور کو قرأت بہت پسند آئی اور وہیں حضور نے فرمایا کہ روزانہ بعد نماز عشاء ہمیں قرآن مجید سنایا کریں۔ قریباً ایک ماہ وہ حضور کو قرآن مجید سناتے رہے۔“ (رفقاء احمد جلد دہم 206)(الفضل ربوہ 31.01.14)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ: ”بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعودؑ جب کبھی مغرب کی نماز گھر میں پڑھاتے تھے تو اکثر سورۃ یوسف کی وہ آیات پڑھتے تھے جس میں یہ الفاظ آتے ہیں **اِنَّمَآ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ** ۔(12:87) خاکسار عرض کرتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی آواز میں بہت سوز اور درد تھا اور آپ کی قرأت لہردار ہوتی تھی۔

(سیرت المہدی مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ جلد اوّل صفحہ 61 روایت نمبر 85 سن اشاعت 2008ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ: ”بیان کیا مجھ سے مرزا سلطان احمد نے بواسطہ مولوی رحیم بخش صاحب ایم۔اے کہ والد صاحب تین کتابیں بہت کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ یعنی قرآن مجید، مثنوی رومی اور دلائل الخیرات اور کچھ نوٹ بھی لیا کرتے تھے اور قرآن شریف بہت کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔(سیرت المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ، جلد اوّل صفحہ 199 نمبر 190 سن اشاعت 2008ء)

شمس العلماء جناب مولانا سیّد میر حسن صاحب (اُستاد علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال) کا بیان ہے کہ

”حضرت مرزا صاحب پہلے محلہ کشمیریاں میں جو اس عاصی پُر معاصی کے غریب خانہ کے بہت قریب ہے عمرا نامی کشمیری کے مکان پر کرایہ پر رہا کرتے تھے۔ کچہری سے جب تشریف لاتے تھے تو قرآن مجید کی تلاوت میں مصروف ہوتے تھے۔ بیٹھ کر، کھڑے ہو کر، ٹہلتے ہوئے تلاوت کرتے تھے اور زار زار رویا کرتے تھے۔ ایسی خشوع اور خضوع سے تلاوت کرتے تھے کہ اس کی نظیر نہیں ملتی۔

(سیرۃ المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ، حصہ اوّل ص270 الفضل ربوہ 31.01.14)

میاں عبداللہ سنوری صاحب بیان کرتے ہیں کہ ”ایک دفعہ حضرت صاحب نے بیان فرمایا کہ قرآن شریف کی جو آیات بظاہر مشکل معلوم ہوتی ہیں اور ان پر بہت اعتراض ہوتے ہیں دراصل ان کے نیچے بڑے بڑے معارف اور حقائق کے خزانے ہوتے ہیں اور پھر مثال دے کر فرمایا کہ ان کی ایسی ہی صورت ہے جیسے خزانہ کی ہوتی ہے جس پر سنگین پہرہ ہوتا ہے اور جو بڑے مضبوط کمرے میں رکھا جاتا ہے جس کی دیواریں بہت موٹی ہوتی ہیں اور دروازے بھی بڑے موٹے اور لوہے سے ڈھکے ہوئے ہوتے ہیں اور بڑے بڑے موٹے اور مضبوط قفل اس پر لگے ہوتے ہیں۔ اور اس کے اندر بھی مضبوط آہنی صندوق ہوتے ہیں جن میں خزانہ رکھا جاتا ہے اور پھر یہ صندوق بھی خزانہ کے اندر اندھیری کوٹھڑیوں اور تہہ خانوں میں رکھے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ہر شخص وہاں تک نہیں پہنچ سکتا اور نہ اس سے آگاہ ہو سکتا ہے بمقابلہ نشست گاہ ہونے کے جو کھلے کمرے ہوتے

ہیں اور دروازوں پر بھی عموماً شیشے لگے ہوئے ہوتے ہیں جس کی وجہ سے باہر والا شخص بھی اندر نظر ڈال سکتا ہے اور جو اندر آنا چاہے با آسانی آسکتا ہے۔(سیرت المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ، جلد اوّل صفحہ نمبر 166 سن اشاعت 2008ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:''بیان کیا مجھ سے میری نانی اماں صاحبہ نے کہ ایک دفعہ جب تمہارے نانا کی بدلی کاہنووان میں ہوئی تھی۔میں بیمار ہوگئی تو تمہارے نانا مجھے ڈولی میں بٹھلا کر قادیان تمہارے دادا کے پاس علاج کے لیے لائے تھے۔اور اسی دن میں واپس چلی گئی تھی۔تمہارے دادا نے میری نبض دیکھ کر نسخہ لکھ دیا تھا۔اور تمہارے نانا کو یہاں اور ٹھہرنے کے لیے کہا تھا۔مگر ہم نہیں ٹھہر سکے۔کیونکہ پیچھے تمہاری اماں کو اکیلا چھوڑ آئے تھے۔نیز نانی امّاں نے بیان کیا کہ جس وقت میں گھر میں آئی تھی میں نے حضرت صاحب کو پیٹھ کی طرف سے دیکھا تھا کہ ایک کمرے میں الگ بیٹھے ہوئے رِحل پر قرآن شریف رکھ کر پڑھ رہے تھے۔میں نے گھر والیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ یہ مرزا صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے اور بالکل ولی آدمی ہے۔قرآن ہی پڑھتا رہتا ہے۔نیز والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ مجھے اپنی امّاں اور ابّا کا مجھے اکیلا چھوڑ کر قادیان آنے کے متعلق صرف اتنا یاد ہے کہ میں شام کے قریب بہت روئی چلائی تھی کہ اتنے میں ابّا گھوڑا بھگاتے ہوئے گھر میں پہنچ گئے اور مجھے کہا کہ ہم آگئے ہیں۔(سیرت المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ، جلد اوّل صفحہ 219 نمبر 239 سن اشاعت 2008ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب: حضرت والدہ صاحبہ نے بیان کیا کہ ایک دفعہ تمہارے بھائی مبارک احمد مرحوم سے بچپن کی بے پروائی میں قرآن شریف کی کوئی بے حرمتی ہوگئی اس پر حضرت مسیح موعودؑ کو اتنا غصہ آیا کہ آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ نے بڑے غصہ میں مبارک احمد کے شانہ پر ایک طمانچہ مارا جس سے اس کے نازک بدن پر آپ کی اُنگلیوں کا نشان اُٹھ آیا اور آپ نے اس غصہ کی حالت میں فرمایا کہ اس کو اس وقت میرے سامنے سے لے جاؤ۔خاکسار عرض کرتا ہے کہ مبارک احمد مرحوم ہم سب بھائیوں میں سے عمر میں چھوٹا تھا اور حضرت صاحب کی زندگی میں ہی فوت ہوگیا تھا۔حضرت صاحب کو اس سے بہت محبت تھی چنانچہ اس کی وفات پر جو شعر آپ نے کتبہ پر لکھے جانے کے لیے کہے اس کا ایک شعر یہ ہے: ؎ جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خُو تھا۔

وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر

مبارک احمد بہت نیک سیرت بچہ تھا اور وفات کے وقت اس کی عمر صرف کچھ اُوپر آٹھ سال کی تھی۔لیکن حضرت صاحب نے قرآن شریف کی بے حرمتی دیکھ کر اس کی تادیب ضروری سمجھی۔(سیرت المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ، جلد اوّل صفحہ 301.302 نمبر 325 سن اشاعت 2008ء)

ملک غلام محمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں قادیان میں میاں منظور علی شاہ صاحب ولد سیّد محمد علی شاہ صاحب کی بسم اللہ کی تقریب پر جو مولوی نورالدینؓ نے کرائی تھی، گیا تھا۔حسب دستور میں مولوی صاحب کے درس میں جایا کرتا تھا اور حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ کبھی کبھی سیر کو جایا کرتا تھا میں تقریباً پندرہ بیس دن وہاں رہا۔یہ اس زمانہ کی بات ہے جس زمانہ میں ڈاکٹر عبدالحکیم (جو بعد میں مرتد ہوگیا تھا) قرآن شریف کا ترجمہ کر کے لایا ہوا تھا حضرت صاحب سیر کو جاتے تھے اور وہ سناتا جاتا تھا۔حضورؑ سنتے جاتے تھے اور بعض دفعہ کچھ فرمایا بھی کرتے تھے۔

(سیرت المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ، حصہ دوم ص 170 نمبر 1251 سن اشاعت 2008ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب بیان کرتے ہیں کہ:''ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعودؑ یوں تو ہر اَمر میں قرآن مجید کی طرف رجوع کرتے تھے مگر بعض بعض آیات آپ خصوصیت کے ساتھ زیادہ پڑھا کرتے تھے۔علاوہ وفات مسیح کی آیات کے حسب ذیل آیات آپ کے منہ سے زیادہ سنی ہیں:

سورۃ الفاتحہ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ O (1.1)

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ O(1.2) الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ O (1.3)

مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ O (1.4) اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ O(1.5)

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ O (1.6,7)

قَدۡ اَفۡلَحَ مَنۡ زَكّٰهَا O(91:10)

اِنَّ اَكۡرَمَكُمۡ عِنۡدَ اللّٰهِ اَتۡقٰكُمۡ ۔(49:14)

وَرَحۡمَتِيۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡءٍ ۔(7:157)

هُوَ الَّذِيۡۤ اَرۡسَلَ رَسُوۡلَهٗ بِالۡهُدٰى وَدِيۡنِ الۡحَقِّ لِيُظۡهِرَهٗ عَلَى الدِّيۡنِ كُلِّهٖ ۔(9:33)

وَمَنۡ كَانَ فِيۡ هٰذِهٖۤ اَعۡمٰى فَهُوَ فِي الۡاٰخِرَةِ ۔(17:73)

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفۡسُ الۡمُطۡمَئِنَّةُ O (89:28) ارۡجِعِيۡۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرۡضِيَّةً O(89:29)

فَادۡخُلِيۡ فِيۡ عِبٰدِيۡ O (89:30)

وَادۡخُلِيۡ جَنَّتِيۡ (89:31)

وَاَمَّا بِنِعۡمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثۡ O (93:12)

قُلۡ يٰعِبَادِيَ الَّذِيۡنَ اَسۡرَفُوۡا عَلٰۤى اَنۡفُسِهِمۡ لَا تَقۡنَطُوۡا مِنۡ رَّحۡمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِيۡعًا ؕ (39:54)

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيۡنَ ۔(2:156)

الَّذِيۡنَ اِذَاۤ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَ O (2:157)

اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ ۔(2:158)

مَا يَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ اِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ ۔(2:148)

فَقُوۡلَا لَهٗ قَوۡلًا لَّيِّنًا (20:45)

اِنَّ عِبَادِيۡ لَيۡسَ لَكَ عَلَيۡهِمۡ سُلۡطٰنٌ (15:43)

وَاللّٰهُ يَعۡصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۔(5:68)

وَاٰخَرِيۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ ۔(62:4)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ۔(2:287)

وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَيۡدِيۡكُمۡ اِلَى التَّهۡلُكَةِ ۔(2:196)

اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ یُّتْرَكُوْٓا اَنْ یَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا یُفْتَنُوْنَ ۝ (29:3)

مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰى ۝ (53:4,5)

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰى ۝ (53:9,10)

وَلَا تَقْفُ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ۔ (17:37)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ۔ (3:32)

لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ۔ (2:257)

قُلْ مَا یَعْبَؤُا بِكُمْ رَبِّیْ لَوْلَا دُعَآؤُكُمْ۔ (25:78)

(سیرۃ المہدی، مرتبہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ، جلد دوم ص 15-14، روایت نمبر 997 سن اشاعت 2008ء)

منظوم کلام:

جمال وحسن قرآں نور جان ہر مسلماں ہے — قمر ہے چاند اوروں کا۔ ہمارا چاند قرآں ہے
نظیر اس کی نہیں جمتی نظر میں فکر کر دیکھا — بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلام پاک رحماں ہے
کلام پاک یزداں کا کوئی ثانی نہیں ہرگز — اگر لولوئے عماں ہے وگر لعلِ بدخشاں ہے

(دُرِّ ثمین، کلام از حضرت مسیح موعود علیہ السلام، صفحہ نمبر 5 سن اشاعت 2004ء)

نور فرقاں ہے جو سب نوروں سے اَجلیٰ نکلا — پاک وہ جس سے یہ اَنوار کا دریا نکلا
حق کی توحید کا مرجھا ہی چلا تھا پودا — ناگہاں غیب سے یہ چشمۂ اَصفیٰ نکلا
پہلے سمجھے تھے کہ موسیٰ کا عصا ہے فرقاں — پھر جو سوچا تو ہر اک لفظ مسیحا نکلا

(دُرِّ ثمین، کلام از حضرت مسیح موعود علیہ السلام، صفحہ نمبر 7 سن اشاعت 2004ء)

ہے شکر ربِّ عزوجل خارج از بیاں — جس کے کلام سے ہمیں اُس کا ملا نشاں
وہ روشنی جو پاتے ہیں ہم اس کتاب میں — ہوگی نہیں کبھی وہ ہزار آفتاب میں
اُس سے پاک ہمارا دل وسینہ ہوگیا — وہ اپنے منہ کا آپ ہی آئینہ ہوگیا

(دُرِّ ثمین، کلام از حضرت مسیح موعود علیہ السلام، صفحہ نمبر 118 سن اشاعت 2004ء)

اے دوستو جو پڑھتے ہو اُمّ الکتاب کو — اب دیکھو میری آنکھوں سے اس آفتاب کو
سوچو دعائے فاتحہ کو پڑھ کے بار بار — کرتی ہے یہ تمام حقیقت کو آشکار

(دُرِّ ثمین، کلام از حضرت مسیح موعود علیہ السلام، صفحہ نمبر 50 سن اشاعت 2004ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عائلی زندگی

دوسری شادی

اس جگہ یہ بحث ضروری نہیں ہے کہ دوسری شادی ضروری ہے یا نہیں؟ لیکن یہ ایک مسلّمہ بات ہے کہ اسلام نے اس چیز کو بعض حالات میں نہایت ضروری قرار دیا ہے۔قوموں کی زندگی کے لیے جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے ان میں سے ایک کثرت بھی ہوتی ہے اور کثرت دو طرح سے واقع ہوتی ہے۔

اوّل: بذریعہ نسل۔

دوم: بذریعہ اشاعتِ مذہب۔

اسلام نے ان دونوں چیزوں پر زور دیا ہے۔جس طرح اشاعتِ مذہب ضروری ہے۔اسی طرح اکثارِ نسل بھی ضروری ہے۔ایسی صورت میں جو بچہ پیدا ہوتا ہے وہ دینی قومیت کا ایک سپاہی ہوتا ہے اور وہ شوکت اسلام کو قریب کرنے کا باعث ہوتا ہے ۔اس لیے ایسے حالات میں عندالضرورت جو لوگ زیادہ شادیاں کر کے تقویت دین کا باعث نہیں بننا چاہتے وہ قوم ،ملت اور مذہب کے دشمن گردانے جائیں گے پس کبھی ایک سے زیادہ شادیاں ایک قومی ،ملی اور مذہبی مقدس فریضہ بن جاتا ہے۔اس لیے اس کے خلاف جذبہ خواہ مردوں کی طرف سے ہو یا عورتوں کی طرف سے ہو ایک قومی جرم ہے۔

اس زمانہ میں مسلمانوں نے یورپ کے اعتراضوں سے مرعوب ہو کر اس اَمر کو تسلیم کر لیا کہ دوسری شادی وحشت ہے،ظلم ہے، بربریت ہے۔بعض اسلامی ملکوں میں ایسے قوانین وضع کیے گئے کہ وہاں کے مسلمان باشندے ایک سے زیادہ شادیاں نہ کریں۔انہوں نے عورتوں کی آواز سے اپنی آواز ملائی اور اس پر صدائے احتجاج بلند کی۔اخبارات اور رسالوں میں مضمون لکھے۔زنانہ مردانہ انجمنوں میں لیکچر دیئے اور جن لوگوں نے اسلام کے اِس رکن کے خلاف آواز اُٹھائی۔ان کو انہوں نے اپنا لیڈر راہنما اور ہادی تسلیم کیا۔حالانکہ ان کو اس قدر معلوم نہ تھا کہ یورپ وامریکہ نے تو مذہب کا گلا گھونٹ کر اور اس کی لاش پر کھڑے ہو کر اباحت اور بدکاری کا دروازہ کھول کر مردوں عورتوں کو جامۂ انسانی سے باہر نکال کر محض بہائم کی زندگی میں داخل کر دیا اور یہ وہ زندگی ہے۔جس کے لیے نہ کوئی قانون ہے اور نہ کوئی شریعت مگر یہ عقل کے اَندھے بھی ان بہائم طبیعت لوگوں کے پیچھے لگ گئے ۔یہ سب لوگ اسلام کے دشمن ہیں اور اس اسلام دشمنی نے مسئلہ تعدّد ازدواج کو ایسی بھیانک صورت دے دی کہ یورپ کے لوگوں نے ترک یعنی مسلمان کو دنیا کا وحشی ترین انسان قرار دے دیا۔

حرم یعنی عرب سرداروں کے محلات جن کی ان خیال میں سر بفلک دیواریں ہر وقت آسمان سے باتیں کرتی رہتی ہیں تا کہ حرم کے اَندر محبوس عورتوں کو ہوا نہ لگ سکے۔اس کے اَندر ایسے قیدی رہتے ہیں۔جن کے پاس کبھی ہوا بھی نہیں گزرتی۔ جہاں وہ عورتیں اَندر ہی اَندر سڑتی رہتی ہیں۔دِق اور سِل کے جراثیم اَندر ہی اَندر ان عورتوں کو ہلاک کرتے رہتے ہیں۔اس قسم کی بھیانک تصویر ان لوگوں نے جو دشمنانِ اسلام تھے اسلام کی بنائی۔ان کو پڑھ کر یورپ کی لڑکیاں مشرق کے دُوردَراز کے شہروں کو عالمِ تصوّر میں دیکھتیں اور کانپ کر رہ جاتیں۔

اگر خدانخواستہ کبھی کسی مسلم کا ذکر سن پاتیں تو ان کو ہسٹیریا کا دَورہ شروع ہو جاتا۔اس پراپیگنڈہ سے خود مسلمان ملکوں کے مرد اور عورتیں بھی متاثر ہو کر رہیں اور انہوں نے بھی ایسے احکام کو جہالت اور وحشت قرار دیا۔اللہ اکبر حالت کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔اس وقت اس زمانہ میں کوئی عورت نہ تھی جو اس ظلم کے خلاف آواز اٹھائے۔تب خدا نے اس ظلم کے خلاف عملی آواز اُٹھانے کے لیے نصرت جہاں بیگم کو پیدا کیا۔جس نے اپنے عمل

سے اور اپنی دُعاؤں سے اسلام کے اس حکم کی سچائی اور بزرگی کو ظاہر کیا اور فرمایا:
''میں صدق دل اور شرح صدر سے چاہتی ہوں کہ خدا کے منہ کی باتیں پوری ہوں اور ان سے اسلام اور مسلمانوں کی عزت ہو اور جھوٹ کا زوال اور ابطال ہو''۔
یہ الفاظ مرقع ہیں اس قلب مطہر کے۔ یہ الفاظ آئینہ ہیں ایک سچی مسلم عورت کے خیالات کے۔ اور یہ فعل موٹو ہے۔ اُسوۂ حسنہ ہے ہر مسلمان عورت کے لیے اگر اسلام کے لیے کسی ایسے کام کی ضرورت پڑے جس سے وہ عورت ہو یا مرد ہلاک ہو جاتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ ہلاک ہو جائے مگر اس چیز کو خوشی اور مسرت سے صدق دل اور شرح صدر سے قبول کرے۔ جیسے حضرت اُمّ المؤمنین نے اپنے نمونہ سے ثابت کر دیا۔
(سیرت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1943ء مصنف شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان صفحہ نمبر 222 تا 224)

حضرت اُمّ المؤمنین حضرت مسیح موعودؑ کی نظر میں

قبل اس کے کہ میں یہ لکھوں کہ حضرت مسیح موعودؑ کس نگاہ سے حضرت اُمّ المؤمنین کو دیکھتے تھے۔ پہلے میں یہ بتلانا چاہتا ہوں کہ گزشتہ صدی ہندوستان پر ہر لحاظ سے جہالت کی صدی تھی۔ عورتوں کے ساتھ ہندوستان میں سلوک کرنا ایک قسم کا جُرم سمجھا جاتا تھا۔ اچھا مرد وہ سمجھا جاتا تھا جو گھر میں جب داخل ہو تو چہرے پر شکن ڈال لے اور ڈانٹ ڈپٹ، گالی گلوچ اور عندالضرورت مار پیٹ کرتا رہے۔ ایسے مرد کو مرد سمجھا جاتا تھا اور جو شخص اپنی بیوی سے ذرا اچھا سلوک کرے اُسے زن مُرید خیال کیا جاتا تھا۔
عورتیں صاف ستھری نہ رہ سکتی تھیں۔ ان کو تعلیم نہ دی جاتی تھی اور اسے پاؤں کی جوتی سمجھا جاتا تھا۔ اس طرح عورت جو دُنیا کی نصف آبادی ہے وہ ذلیل اور مقہور ہو رہی تھی۔ بلکہ عربوں کے زمانہ جاہلیت کے بہت سے اطوار اس زمانہ میں واپس آ چکے تھے۔ چونکہ انبیاء کی آمد کی ایک غرض یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ ہر مظلوم کی حمایت کریں اور ہر اس شخص کو اس کا حق دلائیں جو اپنے حق سے محروم کر دیا گیا ہو۔
اس لیے ضروری تھا کہ حضرت مسیح موعودؑ کی آمد جو دراصل رسول کریم ﷺ کی ہی بعثت ثانیہ تھی عورتوں کے لیے بھی باعث رحمت ہوتی اور ان کو ان کے حقوق دلانے کا باعث ہوتی۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے۔ **خَیْرُکُمْ خَیْرُکُمْ لِاَھْلِہٖ**۔ اس لیے اگر آپ حضرت اُمّ المؤمنین سے شادی نہ کرتے تو یقیناً یہ حصّہ عمل لوگوں کے سامنے نہ آتا اور عورتیں شاید اس حق سے محروم ہی رہ جاتیں مگر یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ خدا تعالیٰ اس مخلوق کو چھوڑ دیتا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعودؑ اور حضرت اُمّ المؤمنین کے اس مبارک تعلق کی برکت اور پاکیزہ نمونہ کی وجہ سے ہزار ہا گھروں کو اپنی برکتوں سے بھر دیا اور ہزار ہا گھر جنت کا نمونہ بن گئے۔
(سیرت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1943ء مصنف شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان صفحہ نمبر 224)

میاں بیوی کے جھگڑوں میں سے ایک جھگڑا

سب سے پہلی چیز جو میاں بیوی کے درمیان جھگڑا پیدا کرتی ہے وہ میاں کا یہ شعور ہے کہ اسے اپنی بیوی پر غیر معمولی حکومت حاصل ہے۔
جس کی وجہ سے اُسے حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہیے اس سے سلوک کرے۔ اس شعور کے ماتحت اس قسم کی باتیں پیدا ہو جاتی ہیں کہ کھانے میں نمک کیوں تیز ہو گیا۔ چاول سخت کیوں رہ گئے۔ یہ برتن یہاں کیوں پڑا ہے۔ الغرض چھوٹی چھوٹی باتیں مرد کو جوش میں لاتیں اور غصہ دلاتی ہیں ان ساری چیزوں کے پیچھے ایک چیز کام کرتی ہے اور وہ یہ کہ مرد کو گھر پر رُعب رکھنا چاہیے اور قطعاً اس اَمر کی پرواہ نہ کی جاتی کہ یہ کوئی میری غلام تو نہیں۔ یہ دائرہ انسانی سے خارج تو نہیں۔ مجھے کیا حق ہے کہ میں اس طرح اس سے بدسلوکی سے پیش آؤں۔ مگر یہی حالت تھی جس نے عام گھروں کی حالت بہت بُری بنا رکھی تھی اور عورتیں مردوں کے ہاتھوں سخت نالاں تھیں۔ لیکن حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے گھر میں اسلامی گھر کا پورا

نقشہ کھینچ کر دکھا دیا۔

محترمہ اُستانی سکینۃ النساء بیگم صاحبہ جو مکرم قاضی اکمل صاحب کی حرم محترم ہیں اور تعلیم یافتہ خاتون ہیں اور جن کو حضرت اقدسؑ کے گھر میں بہت قریب سے حالات دیکھنے کا موقعہ ملا ہے۔اپنی ایک روایت میں جوانہوں نے مجھے لکھ کر دی لکھا:

''ایک دفعہ حضرت اُمّ المؤمنین فرماتی تھیں کہ میں پہلے پہل جب دلّی سے آئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضرت مسیح موعودؑ گڑ کے چاول پسند فرماتے ہیں۔چنانچہ میں نے بہت شوق اور اہتمام سے میٹھے چاول پکانے کا انتظام کیا۔تھوڑے سے چاول منگوائے اور اس میں چار گُنا گڑ ڈال دیا۔سو وہ بالکل راب سی بن گئی۔جب پتیلی چولہے سے اُتاری اور چاول برتن میں نکالے تو دیکھ کر سخت رنج اور صدمہ ہوا کہ یہ تو خراب ہو گئے۔اِدھر کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔حیران تھی کہ اب کیا کروں۔اتنے میں حضرت صاحبؑ آ گئے۔میرے چہرے کو دیکھا جو رنج اور صدمہ سے رونے والوں کا سا بنا ہوا تھا۔آپؑ دیکھ کر ہنسے اور فرمایا کیا چاول اچھے نہ پکنے کا افسوس ہے؟ پھر فرمایا۔نہیں یہ تو بہت اچھے ہیں۔میرے مذاج کے مطابق پکے ہیں۔ایسے زیادہ گڑ والے ہی تو مجھے پسندیدہ ہیں۔یہ تو بہت ہی اچھے ہیں اور پھر بہت خوش ہو کر کھائے۔

حضرت اُمّ المؤمنین فرماتی تھیں کہ حضرت صاحبؑ نے مجھے خوش کرنے کی اتنی باتیں کہیں کہ میرا دل بھی خوش ہو گیا۔''

(سیرت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1943ء مصنف شیخ محموداحمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان صفحہ نمبر 225 تا 226)

اس واقعہ سے سبق

یہ واقعہ ہمارے گھروں کے لیے ایک بہت بڑا سبق ہے۔حضرت اُمّ المؤمنین دلّی کی رہنے والی تھیں۔وہاں گڑ کے چاولوں کا کوئی رواج نہیں تھا۔
مگر حضرت اُمّ المؤمنین نے بحیثیت بیوی کے سب سے پہلے یہ جاننے کی کوشش کی کہ میرے شوہر کو کون کونسی چیز پسند ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی طبیعت میں کیسی دُور رسی تھی۔ہر عقل منداور سلیقہ شعار عورت کا فرض ہے کہ وہ اپنے میاں کے گھر میں جا کر پہلے یہ جاننے کی کوشش کرے کہ میرے میاں کی طبیعت کا کیا رنگ ہے۔وہ کون سے کھانے پسند کرتا ہے۔وہ کس کس چیز کو اور کس کس عادت کو پسند کرتا ہے۔جو بیوی نئے گھر میں آ کر
شوہر کی پسند کی چیزوں کو معلوم کرنے کی کوشش کرے گی اس کی زندگی بحیثیت بیوی کے کامیاب زندگی ہوگی۔

اس واقعہ میں جہاں حضرت اماں جان کی طبیعت کا یہ رنگ معلوم ہوا وہاں حضرت مسیح موعودؑ کی طبیعت کا رنگ بھی معلوم ہوا۔آپؑ نے کوئی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔شور اور غل سے مکان سر پر نہیں اُٹھایا۔جیسے مغلوب الغضب شوہر کرتے ہیں۔بلکہ اپنی نادم اور پریشان بیوی کو اپنی نیکی اور خوش خُلقی سے اور بھی موہ لیا۔

ایسے موقعوں پر شور وغل کرنے والے شوہر بھی یا تو کھپ کھپا کر اسی غذا کو کھایا کرتے ہیں اور یا خود بھی بھوکے رہتے ہیں اور بیوی کو بھی بھوکا رکھتے ہیں۔لیکن یہ واقعہ ہمارے لیے ایک ایسا سبق ہے کہ اگر اس پر عمل کیا جائے تو کبھی بدمزگی کی صورت پیدا ہی نہ ہو۔

(سیرت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1943ء مصنف شیخ محموداحمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان صفحہ نمبر 226 تا 228)

اس واقعہ کی تائید میں ایک اور واقعہ

مئی 1893ء میں ڈپٹی عبداللہ آتھم سے اَمرتسر میں مباحثہ تھا۔ایک رات جبکہ خان محمد شاہ صاحب مرحوم کے مکان پر بڑا مجمع تھا۔
اطراف سے بہت سے لوگ آئے ہوئے تھے۔حضرت اس روز سر درد سے بیمار تھے۔شام کو مشتاقانِ زیارت ہمہ تن چشم انتظار بنے ہوئے تھے۔
حضرتؑ مجمع میں تشریف لائے۔منشی عبدالحق صاحب لاہوری پنشنر نے جو پہلے آپؑ سے بڑی محبت اور حسن ظنی رکھتے تھے۔مگر بعد میں الگ ہو

گئے۔ آپؑ سے آپؑ کی بیماری کی تکلیف پوچھی۔ اور پھر کہا: ''آپؑ کا کام بہت نازک اور آپؑ کے سر پر بھاری فرائض کا بوجھ ہے۔ آپؑ کو چاہیے کہ جسم کی صحت کی رعایت کا خیال رکھا کریں اور ایک خاص مقوّی غذا لازماً آپ کے لیے ہر روز تیار ہونی چاہیے''۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا: ''ہاں بات تو دُرست ہے اور ہم نے کبھی کبھی کہا بھی ہے مگر عورتیں کچھ اپنے ہی دھندوں میں ایسی مصروف رہتی ہیں کہ اور باتوں کی چنداں پرواہ نہیں کرتیں''۔ اس پر منشی عبدالحق صاحب نے کہا: ''اجی حضرت آپؑ ڈانٹ ڈپٹ کر نہیں کہتے اور رُعب پیدا نہیں کرتے۔ میرا یہ حال ہے کہ میں کھانے کے لیے خاص اہتمام کیا کرتا ہوں اور ممکن ہے کہ میرا حکم کبھی ٹل جائے اور میرے کھانے کے اہتمامِ خاص میں سرِ موفرق آجائے ورنہ ہم دوسری طرح خبر لیں''۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ نے خیال کیا کہ یہ بات میرے محبوب آقا کے حق میں مفید ہے۔ اس لیے بغیر سوچے سمجھے اس کی تائید کر دی۔ حضرت اقدسؑ نے مولانا کی طرف دیکھا اور تبسم سے فرمایا: **''ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیے''۔**

حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ بڑے ذکی الحس آدمی تھے وہ فرماتے ہیں:

''بس خدا ہی جانتا ہے کہ میں اس مجمع میں کس قدر شرمندہ ہوا اور مجھے کس قدر افسوس ہوا۔''

اس ایک واقعہ سے واضح ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی مجلس میں بعض ایسے لوگ بھی آتے تھے جو بظاہر محبت سے ایک بات کہتے تھے مگر ان کی بات پر عمل کرنا اہلی زندگی کو خراب کرنے کے برابر ہوتا اور پھر اللہ تعالیٰ ان اوامر کے بھی خلاف جو بیوی کے ساتھ بھلائی، خیر اور حسنِ سلوک کے متعلق نازل ہوئے ہیں۔

منشی عبدالحق صاحب کا یہ قول: ''اگر میرے کھانے کے اہتمام خاص میں کوئی سر موفرق آجائے تو ہم دوسری طرح خبر لیں۔''

اس بداخلاقی کا پتہ دیتا ہے۔ جو بڑے بڑے گھروں میں اور تعلیم یافتہ لوگوں کے گھروں میں رائج تھی کہ وہ محض کھانے کے اہتمام میں نقص آنے کی وجہ سے کیا صورت پیدا کر دیتے تھے اور حضرت کا یہ فرمانا کہ: **''ہمارے دوستوں کو تو ایسے اخلاق سے پرہیز کرنا چاہیے''۔**

اس مقام بلند کا پتہ دیتا ہے جو چشم پوشی اور لطف و کرم کا پہلو لیے ہوئے ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اُمّ المؤمنین پر ناراض ہونا جانتے ہی نہ تھے۔

<u>حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت اُمّ المؤمنین کو شعائر اللہ میں سے سمجھتے تھے۔</u>

حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے مجھے جو مضمون لکھ کر بھیجا اس میں ایک روایت لکھی ہے کہ:

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام اندرونِ خانہ جس دالان میں عموماً سکونت رکھتے تھے۔ جس کی ایک کھڑکی کوچہ بندی کی طرف کھلتی ہے اور جس میں سے ہو کر بیت الدعا کو جاتے ہیں۔ اس کمرے کی لمبائی کے برابر اس کے آگے جنوبی جانب ایک فراخ صحن ہوا کرتا تھا۔ گرمی کی راتوں میں حضرت مسیح موعودؑ اور آپؑ کے اہل و عیال سب اس صحن میں سویا کرتے تھے۔ لیکن برسات میں یہ دقت ہوتی تھی کہ اگر رات کو بارش آجائے تو چارپائیاں یا تو دالان کے اَندر لے جانی پڑتی تھیں یا نیچے کے کمروں میں۔ اس واسطے حضرت اُمّ المؤمنین نے یہ تجویز کی کہ اس صحن کے ایک حصّہ پر چھت ڈال دی جائے تا کہ برسات کے واسطے چارپائیاں اس کے اَندر کی جاسکیں۔

حضرت مسیح موعودؑ نے اس تبدیلی کے واسطے حکم صادر فرما دیا۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ مرحوم کو جب اس تبدیلی کا حال معلوم ہوا تو وہ اس تجویز کی مخالفت کے لیے حضرت مسیح موعودؑ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

حضرت مولوی صاحبؓ نے عرض کی کہ ایسا کرنے سے صحن تنگ ہو جائے گا۔ ہوا نہ آئے گی، صحن کی خوبصورتی جاتی رہے گی وغیرہ وغیرہ۔دیگر احباب نے بھی مولوی صاحبؓ کی بات کی تائید کی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی باتوں کا جواب دیا۔مگر آخری بات جو حضورؑ نے فرمائی اور جس پر سب خاموش ہوئے وہ یہ تھی۔

''کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وعدوں کے فرزند اس بی بی سے عطا کیے ہیں۔جو شعائر اللہ میں سے ہیں۔اس واسطے اس کی خاطر داری ضروری ہے اور ایسے اُمور میں اس کا کہنا ماننا لازمی ہے۔''

(سیرت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1943ء مصنف شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان صفحہ نمبر 228 تا 229)

<u>مولوی سیّد محمد احسن صاحب کا واقعہ</u>

ایک دفعہ حضرت اُمّ المؤمنین نے اس سیڑھی کے بدلنے کی ضرورت محسوس کی جو حضرت مولوی عبد الکریم صاحبؓ کے مکان کی دیوار کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔اسے اس بالا خانہ کے ساتھ رکھنا تھا جس میں مولوی محمد علی صاحب رہتے تھے اور نیچے مولوی سیّد محمد احسن صاحب رہتے تھے مولوی محمد احسن صاحب نے اس سیڑھی کے وہاں رکھنے کی مخالفت کی کہ میرے حجرہ کو اندھیرا ہو جائے گا۔حضرت اُمّ المؤمنین نے حکم دیا کہ سیڑھی وہیں ہی رکھی جائے۔

حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ انتظام کر رہے تھے اور ان کو اس کے لیے بڑی جدوجہد کرنی پڑی۔آخر ان کے مزاج میں گرمی تھی اور جیر الصوت تھے۔انہوں نے زور زور سے بولنا شروع کیا کہ یہ سیڑھی یہاں ہی رہے گی۔وہ بھی اُونچی آواز سے اِنکار اور تکرار کرتے رہے۔اتنے میں حضرت صاحبؑ باہر تشریف لے آئے۔اور پوچھا کیا ہے میر صاحبؓ نے کہا کہ مجھ کو اندر سیّدانی (مراد اُمّ المؤمنین) آرام نہیں لینے دیتی اور باہر سیّد سے پالا پڑ گیا ہے۔نہ یہ مانتے ہیں نہ وہ مانتی ہیں میں کیا کروں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسکرا کر فرمایا:''مولوی صاحب آپ کیوں جھگڑتے ہیں۔میر صاحبؓ کو جو حکم دیا گیا ہے ان کو کرنے دیجئے۔روشنی کا انتظام کر دیا جائے گا۔آپ کو تکلیف نہیں ہوگی۔''

اس طرح پر حضرت اُمّ المؤمنین کے ارشاد کی تکمیل ہوگئی۔الغرض کبھی بھی ایسا موقع نہیں آیا جس میں حضرت اقدسؑ کی طرف سے حضرت اُمّ المؤمنین کی دل شکنی ہوئی ہو۔(سیرت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1943ء مصنف شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان صفحہ نمبر 229 تا 230)

<u>حضرت اُمّ المؤمنین کے احترام کے متعلق ایک اور روایت</u>

حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے میری اس کتاب کے لیے ایک اور روایت تحریر فرمائی ہے۔آپ لکھتے ہیں کہ:

''حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت اُمّ المؤمنین سلمہا اللہ تعالیٰ کا اس قدر اکرام و اعزاز کرتے تھے آپ کی خاطر داری اس قدر ملحوظ رکھتے تھے کہ عورتوں میں اس بات کا چرچا رہتا تھا۔جب میں لاہور میں ملازم تھا۔1897ء یا اس کے قریب کا واقعہ ہے۔لاہور کا ایک معزز خاندان قادیان آیا۔ان میں سے بعض نے بیعت کی اور سب حسنِ عقیدت کے ساتھ واپس گئے۔واپسی میں اس خاندان کی ایک بڑھیا نے ایک مجلس میں یہ ذکر کیا کہ مرزا صاحب اپنی بیوی کی کس قدر خاطر اور خدمت کرتے ہیں۔اتفاقاً اس مجلس میں ایک پُرانے طرز کے صوفی بزرگ بھی بیٹھے تھے۔وہ فرمانے لگے ہر سالک کا ایک معشوق مجازی بھی ہوتا ہے۔معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مرزا صاحبؑ کا معشوق ان کی بیوی ہے۔

''یہ خیال تو ان صوفی بزرگ کا تھا مگر اصل بات یہ ہے کہ حضرت اُمّ المؤمنین کا احترام ان خوبیوں اور نیکیوں کے سبب تھا جو ان میں پائی جاتی تھیں

اور اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کے باعث تھا جو ہمیشہ ان پر ہوتے رہے۔''

(سیرت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1943ء مصنف شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان صفحہ نمبر 230 تا 231)

حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کا عینی مشاہدہ

حضرت میر صاحب نے میرے لیے لکھی روایات میں تحریر فرمایا:

''میں نے اپنے ہوش میں نہ کبھی حضور علیہ السلام کو حضرت اُمّ المؤمنین سے ناراض دیکھا نہ سنا۔ بلکہ ہمیشہ وہ حالت دیکھی جو ایک ideal آئیڈیل جوڑے کی ہونی چاہیے۔ بہت کم خاوند اپنی بیویوں کی وہ دلداری کرتے ہیں جو حضور علیہ السلام حضرت اُمّ المؤمنین کی فرمایا کرتے تھے اور آپ کو لفظ تم سے مخاطب فرمایا کرتے تھے اور ہندوستانی میں ہی اکثر کلام کرتے تھے۔ مگر شاذ و نادر پنجابی میں بھی۔ حالانکہ بچوں سے اکثر پنجابی بولا کرتے تھے۔''

حضرت میر صاحب کا علم ذاتی اور عینی مشاہدے پر مبنی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام شادی کے بعد 25 سال تک اپنی حرم محترم کے ساتھ رہے اور اس 25 سال کے عرصہ میں حضرت میر صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے کبھی آپؑ کو ناراض ہوتے دیکھا نہ سنا۔

ہمارے ملک میں ایک ضرب المثل ہے۔ اکٹھے برتن بھی پڑے پڑے کبھی ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ناممکن ہے کہ دو آدمی اکٹھے رہیں اور وہ جھگڑیں نہیں۔ پھر ہم اس جوڑے کو کیا کہیں گے جو چوتھائی صدی تک اکٹھے رہے مگر ان میں کبھی ناراضگی پیدا نہ ہوئی۔ میں مجبور ہوں کہ ان کو ملائکۃ اللہ کہوں۔ جن کے سینے ہر قسم کے جھگڑوں۔ رنجشوں اور ناراضگیوں سے پاک ہیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق یہ بات بالکل واضح ہے کہ وہ حضرت اُمّ المؤمنین کا بڑا احترام کرتے تھے اور عام طور پر عورتوں کی زبان زد تھا: ''کہ مرزا بیوی دی بڑی گل مندا ہے''

(سیرت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1943ء مصنف شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان صفحہ نمبر 231 تا 232)

بیوی کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نگاہ میں

حضرت نواب محمد علی خان صاحب کی پہلی بیگم صاحبہ 1898ء میں فوت ہوگئی تھیں۔ حضرت اقدسؑ نے ان کو ایک تعزیت کا خط لکھا۔ جس میں بیوی کے تعلقات پر روشنی ڈالی۔ یہ خط آئینہ ہے ان خیالات کا جو آپؑ کے اندر موجزن تھے اور اس آئینہ میں ہمیں آپؑ کی اعلیٰ زندگی کا پتہ ملتا ہے۔ آپؑ نے تحریر فرمایا:

''درحقیقت اگرچہ بیٹے بھی پیارے ہوتے ہیں۔ بھائی اور بہنیں بھی عزیز ہوتی ہیں۔ لیکن میاں بیوی کا علاقہ ایک الگ علاقہ ہے جس کے درمیان اسرار ہوتے ہیں۔ میاں بیوی ایک ہی بدن اور ایک ہی وجود ہو جاتے ہیں۔ ان کو صدہا مرتبہ اتفاق ہوتا ہے کہ وہ ایک ہی جگہ سوتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے کا عضو ہو جاتے ہیں۔ بسا اوقات ان میں ایک عشق کی سی محبت پیدا ہو جاتی ہے۔ اس محبت اور باہم اُنس پکڑنے کے زمانے کو یاد کرکے کون دل ہے جو پُرآب نہیں ہوسکتا۔ یہی وہ تعلق ہے جو چند ہفتہ باہر رہ کر آخر فی الفور یاد آتا ہے۔ اسی تعلق کا خدا نے بار بار ذکر کیا ہے کہ باہم محبت اور اُنس پکڑنے کا یہی تعلق ہے۔ بسا اوقات اس تعلق کی برکت سے دنیوی تلخیاں فراموش ہو جاتی ہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء علیہ السلام بھی اس تعلق کے محتاج تھے۔ جب سرورِ کائنات ﷺ بہت غمگین ہوتے تھے۔ تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ران پر ہاتھ مارتے تھے اور فرماتے **اَرِحْنَا یَا عَائِشَہ** ۔ یعنی عائشہ ہمیں خوش کر کہ ہم اس وقت غمگین ہیں۔ اس سے ثابت ہے کہ اپنی پیاری بیوی۔ پیارا رفیق عزیز ہے۔ جو اولاد کی ہمدردی میں شریک غالب اور غم کو دُور کرنے والی اور خانہ داری کے معاملات کی متوّلی ہوتی ہے۔

اگر چہ یہ خط حضرت نواب صاحب کے نام ہے۔مگر اس میں بیوی کی حقیقت اور اس کے تعلق کی مٹھاس اور شیرینی پر خوب روشنی ڈالی گئی ہے اور بتلایا ہے کہ انبیاء علیہ السلام اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس تعلق کے محتاج تھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ انبیاءؑ پر بعض اوقات غم اور فکر سے ایسے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں کہ اگر ان کو فوق القوۃ طاقت نہ ملی ہو تو شاید وہ ان مصائب کو اُٹھا نہ سکیں۔

ایک طرف وہ اپنے فرض منصبی کی نزاکت کو دیکھتے ہیں۔دوسری طرف وہ قوم کی پستی۔ ذِلّت ، ادبار، نکبت ، بداخلاقی، عداوت، دشمنی کو دیکھتے ہیں۔ان کا دل اس حالت کو دیکھ کر خون ہو جاتا ہے۔ان کو خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ شاید وہ بالکل ناکام ہو جائیں گے۔

اس حالت میں ان کے اندر سے عجیب عجیب قسم کے نعرے نکلتے ہیں۔کبھی وہ کہتے ہیں ۔**رَبِّ اَرِنِیۡ کَیۡفَ تُحۡیِ الۡمَوۡتٰی**۔ اے خدا تو ان مردوں کو کیسے زندہ کرے گا اور کبھی کہتے ہیں **مَتٰی نَصۡرُ اللّٰہِ**۔اے خدا تیری نصرت کب آئے گی اور کبھی کہتے ہیں:

ؔ دن چڑھا ہے دشمنانِ دیں کا ہم پر رات ہے — اے میرے سورج نکل باہر کہ میں ہوں بیقرار
اے میرے پیارے فدا ہو تجھ پہ ہر ذرہ مرا — پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مُہار
کچھ خبر لے تیرے کوچہ میں یہ کس کا شور ہے — خاک میں ہوگا یہ سر گر تو نہ آیا بن کے یار
فضل کے ہاتھوں سے اب اس وقت کر میری مدد — کشتی اسلام تا ہو جائے اس طوفان سے پار

ایسے وقت میں جبکہ دنیا خدا تعالیٰ کے انبیاء کو قتل و غارت کرنے کی فکر میں لگی ہوتی ہے منصوبے اور دسائیس۔مکر اور مکاید کے جال ہر سو پھیلے ہوتے ہیں۔کبھی وہ تیغ و تفنگ سے اور کبھی فتنوں کی پھڑکتی آگ سے وہ اَندر اور باہر ہر قسم کے حیلوں بہانوں سے نقصان پہنچانے کی فکر میں لگے ہوتے ہیں۔اس وقت اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اگر کوئی انسانی ہستی ان پاک وجودوں کی راحت کا باعث بن سکتی ہے اور ان کے غم کے بوجھ کو ہلکا کر سکتی ہے تو وہ صرف اور صرف پاک بیوی ہی ہو سکتی ہے۔اس سے انبیاءؑ کی پاکیزہ بیویوں کا مقام سمجھ میں آسکتا ہے وہ ان کی رفیق اور انیس ہوتی ہیں۔وہ ان کی اولاد کی تربیت اور پرورش کی شریکِ غالب ہوتی ہیں۔وہ ان کے غموں کے بوجھ کو ہلکا کرنے والی ہوتی ہیں اور ان کی خانہ داری کے تمام معاملات کی متولّی ہوتی ہیں۔ بلکہ میں کہوں گا کہ وہ اس تبلیغ و اشاعت کے کام میں جو اس نبی کو سونپی جاتی ہے سب سے بڑی مؤیّد و مبلغ ہوتی ہیں۔ جب یہ مقام کسی عورت کو حاصل ہو تو وہ کیوں سیّد النساء نہ کہلائے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ ایسی خاتون کو عورتیں تو عورتیں مردوں پر بھی ایک عظیم الشان فضیلت ہوتی ہے تو اس میں کوئی غلطی نہ ہوگی اور یہی وجہ ہے کہ وہ اُمّ المؤمنین کہلاتی ہیں۔اس لیے قوموں کو اس کے روحانی وجود سے بالکل اسی طرح روحانی غذا میسر آتی ہے جس طرح ماں کے جسمانی وجود سے بچوں کو جسمانی غذا میسر آتی ہے۔

حضرت اُمّ المؤمنین کی تو روحانی پاکیزگی اس قدر بڑھی ہوئی تھی کہ خدا تعالیٰ بہت سی باتیں آپ پر بھی اس طرح کھول دیتا تھا۔جس طرح حضرت مسیح موعودؑ پر کھولا کرتا تھا۔اس سے مناسبت کا پتہ چلتا ہے جو آپ کی رُوح کو حضرت مسیح موعودؑ کی روح کے ساتھ تھی۔ نیز اس روحانیت اور اس قلب کی طہارت کا پتہ چلتا ہے۔جس کی وجہ سے آسمانی طاقتوں کا وقتاً فوقتاً انعکاس ہوا کرتا تھا۔

الغرض اُمّ المؤمنین کے وجود کو ایک پاکیزہ نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ ہے۔جس کے وجود سے آپ کو آرام ملتا تھا۔آپؑ کے غموں کا بوجھ ہلکا ہوتا تھا۔ یہ وہ اس زمانہ کی عائشہؓ ہے جسے بروز محمد **اَرِحۡنَا یَا عَائِیشه** کہا کرتا تھا۔

(سیرت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم تاریخ اشاعت یکم دسمبر 1943ء مصنف شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان صفحہ نمبر 232 تا 234)

حضرت مسیح موعودؑ بحیثیت باپ، تربیت اولاد اور بچوں سے شفقت

آنحضورﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور سرورِ عالمﷺ بچوں سے خصوصی شفقت فرمایا کرتے تھے۔ اور حضور نے تربیت اولاد کے سلسلہ میں اولاد میں خودداری اور عزتِ نفس پیدا کرنے کے لیے ہدایت فرمائی۔ ''اَکْرِمُوْا اَوْلَادَکُمْ''

<u>بچوں کی پرورش اور خبر گیری</u>

بچوں کی پرورش اور خبر گیری کے متعلق مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت کے اس پہلو کے متعلق فرماتے ہیں۔

''آپ بچوں کی پرورش اور خبر گیری اس طرح کرتے تھے کہ ایک سرسری دیکھنے والا گمان کرے کہ آپ سے زیادہ اولاد کی محبت کسی کو نہ ہوگی اور بیماری میں اس قدر توجہ کرتے ہیں اور تیمارداری اور علاج میں ایسے محو ہوتے ہیں کہ گویا اور کوئی فکر ہی نہیں۔ مگر باریک بین دیکھ سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے لیے ہے خدا کے لیے اس کی ضعیف مخلوق کی رعایت اور پرورش مدّنظر ہے۔ آپ کی پلوٹھی بیٹی عصمت لدھیانہ میں ہیضہ سے بیمار ہوئی آپ اس کے علاج میں اس طرح دوا دہی کرتے کہ گویا اس کے بغیر زندگی محال ہے۔ ایک دُنیادار دُنیا کی عرف واصلاح میں اولاد کا بھوکہ اور شیفتہ اس سے زیادہ جانکاہی کر نہیں سکتا۔ مگر جب وہ مرگئی آپ یوں الگ ہوگئے کہ گویا کوئی چیز تھی ہی نہیں۔ اور جب سے کبھی ذکر تک نہیں کیا کہ کوئی لڑکی تھی''۔ (سیرت مسیح موعودؑ مصنف عبدالکریم صاحب سیالکوٹی صفحہ 53,54) (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی صاحب، صفحہ نمبر 364 سن اشاعت 1924ء)

اسی طرح صاحبزادہ مبارک احمد کی علالت کے ایام میں آپ نے شبانہ روز اپنے عمل سے دکھایا کہ، اولاد کی پرورش اور صحت کے لیے ہمارے کیا فرائض ہیں۔

<u>بچوں کو سزا دینے کی ممانعت</u>

حضرت مسیح موعودؑ بچوں کو سزا دینے کے سخت مخالف تھے۔ مدرسہ تعلیم الاسلام میں جب بھی کسی اُستاد کے خلاف شکایت آتی کہ اس نے کسی بچہ کو مارا ہے تو سخت ناپسند فرماتے اور متواتر ایسے احکام نافذ فرمائے گئے کہ بچوں کو جسمانی سزا نہ دی جائے۔ چھوٹے بچوں کے متعلق فرمایا کرتے تھے کہ ''وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے تو مکلّف ہیں ہی نہیں پھر تمہارے مکلّف کیونکر ہو سکتے ہیں''۔ (مفہوم)

''حضرت بچوں کو سزا دینے کے سخت مخالف ہیں میں نے بارہا دیکھا ہے۔ ایسی کسی چیز پر برہم نہیں ہوتے۔ جیسے جب سن لیں۔ کہ کسی نے بچہ کو مارا ہے۔ یہاں ایک بزرگ نے ایک دفعہ اپنے لڑکے کو عادتاً مارا حضرت بہت متاثر ہوئے اور ان کو بلا کر بڑی درد انگیز تقریر فرمائی۔ فرمایا میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے گویا بد مزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے۔ فرمایا ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے۔ اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے۔ اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خوددار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے کسی وقت مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے، مگر مغضوب الغضب اور سبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں۔ کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ فرمایا جس قدر اور جس طرح سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دُعا میں لگ جاویں۔ اور بچوں کے لیے سوزِ دل سے دُعا کرنے کو حزب مقرر کر لیں۔ اس لیے کہ والدین کی دُعا کو بچوں کے حق میں ایک خاص قبول بخشا گیا ہے۔ فرمایا میں التزاماً چند دُعائیں ہر روز مانگا کرتا ہوں۔ اوّل اپنے نفس کے لیے دُعا مانگتا ہوں کہ خدا مجھ سے وہ کام لے جس سے اس کی عزت اور جلال قائم ہو اور اپنی رضا کی پوری توفیق عطا کرے۔ پھر اپنے گھر کے لوگوں کے لیے مانگتا ہوں کہ ان سے قرۃ العین عطا ہو اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات کی راہ پر چلیں، پھر اپنے بچوں کے لیے

دُعا مانگتا ہوں کہ یہ سب دین کے خادم بنیں۔........ پھر فرمایا ہدایت اور تربیت حقیقی خدا کا فعل ہے سخت پیچھا کرنا اور ایک اَمر پر اصرار کو حد سے گذار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیے۔ آپ نے قطعی طور پر فرمایا اور لکھ کر بھی ارشاد کیا کہ ہمارے مدرسہ میں جو اُستاد مارنے کی عادت رکھتا اور اپنے اس ناسزا فعل سے باز نہ آتا ہو اسے یک لخت موقوف کر دو۔ فرمایا ہم تو اپنے بچوں کے لیے دُعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آداب تعلیم کی پابندی کرواتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ نہیں اور پھر اپنا پورا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں جیسا کسی میں سعادت کا تخم ہو گا وقت پر سرسبز ہو جائے گا''۔

(سیرت مسیح موعودؑ مصنف عبدالکریم صاحب سیالکوٹی صفحہ 36.37) (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 365.366 سن اشاعت 1924ء)

حضرت مرزا بشیر صاحب کو آداب مسجد سکھاتے ہیں

آپؓ ابھی بچے ہی تھے 11 فروری 1904ء کی شام کا واقعہ ہے۔ حضرت مسیح موعودؑ حسب معمول مسجد میں تشریف فرما تھے حضرت صاحبزادہ صاحب اپنے بھائیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے مسجد میں آ گئے۔ اور حضرت اقدس کے پاس آ کر بیٹھ گئے اپنے لڑکپن کے باعث کسی بات کے یاد آنے پر اپنی دبی آواز سے کھکھلا کر ہنس پڑتے تھے۔ اس پر حضرت اقدسؑ نے فرمایا کہ **''مسجد میں ہنسنا نہ چاہیے''**

جب میاں صاحب نے دیکھا کہ ہنسی ضبط نہیں ہوتی تو چپکے سے چلے گئے اور حضرت اقدس کی نصیحت پر اس طرح عمل کیا۔ رحم کی تعلیم دیتے۔ ایک دفعہ میاں (خلیفۃ المسیح الثانیؓ) دالان کے دروازے بند کر کے چڑیاں پکڑ رہے تھے کہ حضرت صاحب نے جمعہ کی نماز کے لیے باہر جاتے ہوئے آپ کو دیکھ لیا اور فرمایا۔ **''میاں گھر کی چڑیاں نہیں پکڑا کرتے جس میں رحم نہیں اس میں ایمان نہیں''۔**

(سیرۃ المہدی جلد اوّل صفحہ 192) (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 366.367 سن اشاعت 1924ء)

بڑوں کا ادب کرنے کی تعلیم دیتے ہیں

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنا ایک ذاتی واقعہ سیرت المہدی میں لکھا ہے کہ اپنے اس حجرہ میں کھڑے تھے جو حضرت مرزا شریف احمد کے گھر کے ساتھ ملحق ہے والدہ صاحبہ بھی غالباً پاس تھیں میں نے کوئی بات کرتے ہوئے میاں نظام دین کا نام لیا تو صرف نظام دین کہا حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا میاں آخر وہ تمہارا چچا ہے اس طرح نام نہیں لیا کرتے۔ (سیرۃ المہدی جلد اوّل صفحہ 31) (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 368 سن اشاعت 1924ء)

بچوں کی دلداری کا کہاں تک خیال رہتا

حضرت مسیح موعودؑ بچوں کی دلداری کا بہت خیال رکھتے تھے اور اپنے صاحبزادوں کا خصوصیت سے اس لیے بھی خیال رکھا کرتے تھے کہ ان کو آیات اللہ یقین کرتے تھے اس لیے کہ خدا تعالیٰ نے ہر ایک پیدائش سے پہلے بطور نشان پیشگوئی فرمائی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ آنحضورﷺ نے بھی **یُتَزَوَّجُ وَیُولَدُلَهٗ** کہہ کر پیشگوئی فرمائی ہوئی تھی۔ پس احترام واکرام اور دلداری آپ آیات اللہ کے اکرام کے رنگ میں بھی فرمایا کرتے تھے۔ اس سے قطع نظر ایک شفیق باپ کا نمونہ آپ کے طرز عمل میں ایسا موجود تھا کہ اس کی نظیر عام انسانوں میں نہیں بلکہ صرف انبیاء میں ملتی ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے ایام طفولیت کا ایک واقعہ

''جاڑے کا موسم تھا محمود نے جو اس وقت بچہ تھا آپ کی واسکٹ کی جیب میں ایک بڑی اینٹ ڈال دی آپ جب لیٹیں وہ اینٹ چبھے، میں موجود تھا آپ حامد علی سے فرماتے ہیں۔ حامد علی! چند روز سے ہماری پسلی میں درد ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی چیز چبھتی ہے وہ حیران ہوا اور آپ کے جسد مبارک پر ہاتھ پھیرنے لگا اور آخر اس کا ہاتھ اینٹ سے جا لگا جھٹ جیب سے نکال لی اور عرض کیا یہ اینٹ تھی جو آپ کو چبھتی تھی۔ مسکرا کر

فرمایا کہ ''او ہو چند روز ہوئے محمود نے میری جیب میں ڈالی تھی اور کہا تھا اسے نکالنا نہیں میں اس سے کھیلوں گا''۔

(سیرت مسیح موعودؑ مصنف عبدالکریم صاحب سیالکوٹی صفحہ 39) (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 368.369 سن اشاعت 1924ء)

بچوں کی باتوں سے اُکتاتے نہیں

حضرت مخدوم الملت ؓ نے بچوں کے متعلق آپ کے طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''بارہا میں نے دیکھا ہے اپنے اور دوسرے بچے آپ کی چارپائی پر بیٹھے ہیں اور آپ کو مضطر کر کے پائنتی پر بٹھا دیا ہے۔ اور اپنے بچپنے کی بولی میں مینڈک اور کوے اور چڑیا کی کہانی سنا رہے ہیں اور گھنٹوں سنائے جا رہے ہیں اور حضرت ہیں کہ مزے مزے سے سنے جا رہے ہیں گویا کوئی مثنوی مولانا روم سنا رہے ہیں حضرت بچوں کو مارنے اور ڈانٹنے کے سخت مخالف ہیں بچے کیسے ہی بسوریں شوخی کریں سوال میں تنگ کریں اور بے جا سوال کریں ایک موہوم اور غیر موجود شے کے لیے حد سے زیادہ اصرار کریں آپ نہ تو کبھی مارتے ہیں نہ جھڑکتے ہیں اور نہ کوئی خفگی کا اظہار کرتے ہیں۔'' محمود (حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز) کوئی تین برس کا ہوگا۔ آپ لدھیانہ میں تھے۔ میں بھی وہیں تھا۔ گرمی کا موسم تھا۔ مردانہ اور زنانہ میں ایک دیوار حائل تھی۔ آدھی رات کو وقت ہوگا۔ جو میں جاگا اور مجھے محمود کے رونے اور حضرت کے اِدھر اُدھر باتوں میں بہلانے کی آواز آئی۔ حضرت اسے گود میں لیے پھرتے تھے۔ اور وہ کسی طرح چپ نہیں ہوتا تھا۔ آخر آپ نے کہا دیکھو محمود وہ کیسا تارا ہے۔ بچہ نے نئے مشغلہ کی طرف دیکھا۔ اور ذرا چپ ہوا۔ پھر وہی رونا اور چلانا اور یہ کہنا شروع کر دیا۔ ابا تارے جانا کیا مجھے مزہ آیا۔ اور پیارا معلوم ہوا آپ کا اپنے ساتھ یوں گفتگو کرنا، یہ اچھا ہوا ہم نے تو ایک راہ نکالی تھی اس نے اس میں بھی اپنی ضد کی راہ نکالی۔ آخر بچہ روتا روتا خود ہی جب تھک گیا، چپ ہو گیا۔ مگر اس سارے عرصہ میں ایک لفظ بھی سختی کا یا شکایت کا آپ کی زبان سے نہ نکلا۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 373.372 سن اشاعت 1924ء)

ابا بوا کھول

آپ کی قدیمی عادت ہے کہ دروازے بند کر کے بیٹھا کرتے ہیں۔ ایک لڑکے نے زور سے دستک بھی دی اور منہ سے بھی کہا، ابا بوا کھول آپ وہیں اُٹھے ہیں دروازہ کھولا ہے۔ کم عقل بچہ اندر گھسا ہے اور اِدھر اُدھر تانک جھانک کر اُلٹے پاؤں نکل گیا ہے۔ حضرت نے معمولاً پھر دروازہ بند کر لیا ہے دو ہی منٹ گزرے ہوں گے کہ پھر موجود اور زور زور سے دھکے دے رہے ہیں اور چلا رہے ہیں ابا بوا کھول آپ پھر بڑے اطمینان اور جمعیت سے اُٹھے ہیں اور دروازہ کھول دیا بچہ اس کی دفعہ بھی اندر نہیں گھسا ذرا سر ہی اندر کر کے منہ میں کچھ بڑ بڑا کے پھر اُلٹا بھاگ جاتا ہے۔ حضرت بڑے ہشاش بشاش اور بڑے استقلال سے دروازہ بند کر کے اپنے نازک اور ضروری کام پر بیٹھ جاتے ہیں۔ کوئی پانچ ہی منٹ گزرے ہیں تو پھر موجود اور وہی گرما گرمی اور شورا شوری کہ ابا بوا کھول اور آپ اُٹھ کر اسی وقار اور سکون سے دروازہ کھول دیتے ہیں اور منہ سے ایک حرف تک نہیں نکالتے کہ تو کیوں آتا ہے اور کیا چاہتا ہے۔ اور آخر تیرا مطلب کیا ہے جو بار بار ستاتا ہے اور کام میں حرج ڈالتا ہے۔ میں نے ایک دفعہ گنا کوئی بیس دفعہ ایسا کیا اور اس دفعات میں کوئی ایک دفعہ بھی حضرت کے منہ سے کوئی زجر اور توبیخ کا کلمہ نہیں نکلا۔

(سیرت مسیح موعودؑ مصنف عبدالکریم صاحب سیالکوٹی صفحہ ۳۳۔۳۴) (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 373.374)

دینی معاملات میں بچوں کے سوال کو بھی اہمیت دیتے

جہاں آپؑ کا یہ معمول تھا کہ وہ بچوں پر ہر طرح شفقت فرماتے ان کو سزا دینے سے نہ صرف کراہت فرماتے تھے بلکہ اگر کوئی سزا دے تو سخت نا

پسند فرماتے وہاں دینی امور میں آپ بچوں کے کسی ایسے فعل کو آنحضور کی یا قرآن کی توہین کا موجب ہو برداشت نہ کرتے تھے۔
اسی طرح اگر کوئی بچہ دینی معاملہ میں استفسار کرے تو آپ کا یہ طریق نہ تھا کہ محض بچہ سمجھ کر اس سے بے التفاتی کریں اس کا جواب نہ دیں اور یہ بھی نہ ہوتا کہ اگر کوئی بچہ بات کرنا چاہے تو اسے روک دیں برابر توجہ سے اسے سنتے اس کے سوال کو اسی طرح اہم سمجھتے جیسے کسی بڑے ذی علم اور عمر رسیدہ انسان کے سوال کو مکرمی ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب جو حضرت قبلہ نانا جان میر ناصر نواب صاحبؓ کے صاحبزادے ہیں۔اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ حضرت اُمّ المومنین کے بھائی ہونے کی وجہ سے رشتہ اُخوت رکھتے ہیں۔ان کی ایک ذاتی روایت حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب نے اپنی تالیف سیرت المھدی میں اس طرح لکھی ہے۔
''جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے لدھیانہ میں دعویٰ مسیحیت شائع کیا۔تو میں ان دنوں بچہ تھا۔اور شاید تیسری جماعت میں پڑھتا تھا جماعت کو اس دعویٰ سے کچھ اطلاع نہیں تھی۔ایک دن میں مدرسہ گیا۔تو بعض لڑکوں نے مجھے کہا کہ وہ جو قادیان کے مرزا صاحب تمہارے گھر میں ہیں۔انہوں نے دعویٰ کیا ہے۔کہ حضرت عیسیٰ فوت ہو گئے ہیں۔اور یہ کہ آنے والے مسیح وہ خود ہیں۔ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے۔کہ میں نے ان کی تردید کی کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے۔حضرت عیسیٰ تو زندہ ہیں اور آسمان سے نازل ہونگے۔خیر جب میں گھر آیا۔تو حضرت صاحب بیٹھے ہوئے تھے۔میں نے آپ سے مخاطب ہو کر کہا۔کہ میں نے سنا ہے آپ کہتے ہیں۔کہ آپ مسیح ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے کہا۔کہ میرا سوال سن کر حضرت صاحب خاموشی کے ساتھ اُٹھے اور کمرے کے اندر الماری سے ایک نسخہ فتح اسلام لا کر مجھے دے دیا۔اور فرمایا۔اسے پڑھو۔ڈاکٹر صاحب فرماتے تھے۔کہ یہ حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت کی دلیل ہے کہ آپ نے ایک چھوٹے بچے کے معمولی سوال پر اس قدر سنجیدگی سے توجہ فرمائی ورنہ یونہی کوئی بات کہہ کر ٹال دیتے۔'' (سیرت المھدی حصہ اوّل صفحہ 22.23) (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 377.375 سن اشاعت 1924ء)

محبت پدری کا مظاہرہ

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شفقت پدری کا ایک نمونہ سیرت المھدی میں لکھتے ہیں۔
حضرت صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ۔''ایک دفعہ ہم گھر کے بچے مل کر حضرت صاحب کے سامنے میاں شریف احمد کو چھیڑنے لگ گئے کہ ابا کو تم سے محبت نہیں ہے۔اور ہم سے ہے۔میاں شریف بہت چڑتے تھے۔حضرت صاحب نے ہمیں روکا بھی کہ زیادہ تنگ نہ کرو۔مگر ہم بچے تھے لگے رہے۔آخر میاں شریف رونے لگ گئے اور ان کی عادت تھی کہ جب روتے تھے تو ناک سے بہت رطوبت بہتی تھی۔حضرت صاحب اُٹھے اور چاہا کہ ان کو گلے لگالیں۔تا کہ ان کا شک دُور ہو۔مگر وہ اس وجہ سے کہ ناک بہہ رہا تھا پرے پرے کھینچتے تھے۔حضرت صاحب سمجھتے تھے۔کہ شاید اسے تکلیف ہے۔اس لیے دُور ہٹتا ہے۔چنانچہ کافی دیر تک یہی ہوتا رہا کہ حضرت صاحب ان کو اپنی طرف کھینچتے تھے۔اور وہ پرے پرے کھینچتے تھے۔اور چونکہ ہمیں معلوم تھا کہ اصل بات کیا ہے۔اس لیے ہم پاس کھڑے ہنستے جاتے تھے۔

(سیرت المھدی جلد اوّل صفحہ 55.54) (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 378.379 سن اشاعت 1924ء)

ایک دوسری روایت میں حضرت صاحبزادہ صاحب فرماتے ہیں کہ''جب ہم بچے تھے۔تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام خواہ کام کر رہے ہوں یا کسی اور حالت میں ہوں۔ہم آپ کے پاس چلے جاتے تھے۔کہ ابا پیسہ دو۔اور آپ رومال سے پیسہ کھول کر دے دیتے تھے۔اگر ہم کسی بات پر زیادہ اصرار کرتے۔تو آپ فرماتے تھے۔کہ میاں میں اس وقت کام کر رہا ہوں تنگ نہ کرو۔(سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 379 سن اشاعت 1924ء)
حضرت مرزا بشیر احمد صاحب شروع ہی سے نہایت سادہ مزاج اور مستغنی طبیعت تھے۔طبیعت بالکل لا اُبالی واقع ہوئی تھی۔انہوں نے اپنے

واقعات میں ایک واقعہ حضرت اُمّ المؤمنین کی روایت سے بیان کیا ہے۔ کہ ''ایک موقعہ پر جب بچے تھے۔ اور شاید دوسری جماعت میں ہوں گے۔ کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام رفع حاجت سے فارغ ہو کر آئے تو تم اس وقت ایک چارپائی پر اُلٹی سیدھی چھلانگیں مار رہے اور قلابازیاں کھا رہے تھے۔ آپ نے دیکھ کر تبسم فرمایا اور کہا دیکھو یہ کیا کر رہا ہے۔ پھر فرمایا۔ اسے ایم۔ اے کرانا''۔

(سیرت المہدی جلد اوّل صفحہ 53) سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی صفحہ 379.380 سن اشاعت 1924ء)

بچوں کی تربیت کہانیوں کے ذریعہ

عام طور پر بچوں میں کہانیاں کہنے اور سننے کا شوق ہوتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بچے بھی اس کلیہ سے مستثنیٰ نہ تھے۔ خصوصاً حضرت خلیفۃ الثانی کو کہانیاں سننے کا بہت شوق ہوتا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی ان کی دلداری نہیں، بلکہ تربیت کے خیال سے کہانیاں سننے کی اور دوسروں کو سنانے کی اجازت ہی نہ دیتے تھے۔ بلکہ خود بھی بعض اوقات سنا دیا کرتے تھے۔ میں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سوانح حیات احمد جلد اوّل کے صفحہ نمبر 197 پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کہی ہوئی دو کہانیاں درج کی ہیں۔ پہلی گنجے اور اندھے کی تھی اس کہانی سے آپ کو یہ تعلیم دُنیا مقصود تھا۔ کہ خُدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرو۔ اور ان کی قدر کرو۔ سوالی کو جھڑکی نہ دو۔ خیرات کرنا اچھی بات ہے۔ اور سوالی کو کچھ نہ کچھ دینا چاہیے۔ اس سے خُدا تعالیٰ خوش ہوتا ہے۔ اور اپنی دی ہوئی نعمتوں کو بڑھاتا ہے۔

دوسری کہانی ایک بزرگ اور چور کی تھی۔ اس کہانی سے آپ کو یہ تعلیم دینی تھی۔ کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ اور تقویٰ اختیار کرو۔ کہانی کا نتیجہ یہ تھا کہ خُدا تعالیٰ پر بھروسہ کرنے سے کیا کیا نعمتیں ملتی ہیں۔ اور تقویٰ اختیار کرنے سے کیا دولت نصیب ہوتی ہے۔ اور خُدا تعالیٰ پر ایمان بڑھتا ہے۔ کہ دیکھو وہ خُدا تعالیٰ جو زمین و آسمان کے رہنے والوں کی پرورش کرتا ہے۔ وہی پاک اور سچا خُدا ہے۔ جو ہم تم سب کو پالتا ہے۔ پس اسی سے ڈرو۔ اور اسی پر بھروسہ کرو اور نیکی اختیار کرو۔

حضور بچوں کی تالیف قلب اور دلداری کے لیے چھوٹی سے چھوٹی بات بھی مان لیتے تھے۔ مگر کبھی کبھی دینی کام کے پیش آجانے پر ان کی حسبِ خواہش معمول مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان کے طلباء کا کرکٹ میچ تھا۔ بچوں کی خوشی بڑھانے کے لیے بعض بزرگ بھی شامل ہو گئے۔ کھیل میں نہیں۔ بلکہ نظارہ کھیل کے لیے۔ اور فیلڈ میں چلے گئے۔ حضرت اقدس کے ایک صاحبزادے نے بچپن کی سادگی میں کہا۔ کہ اباتم کیوں کرکٹ پر نہیں گئے۔ یہ وہ زمانہ تھا۔ جب کہ آپ پیر مہر علی شاہ گولڑوی کے مقابلہ میں اعجاز المسیح لکھ رہے تھے۔ بچہ کو سوال سن کر جو جواب دیا۔ وہ آپ کی فطرتی خواہش اور مقصد عظمیٰ کا اظہار کرتا ہے۔ فرمایا۔ ''وہ تو کھیل کر واپس آجائیں گے۔ مگر میں وہ کرکٹ کھیل رہا ہوں۔ جو قیامت تک قائم رہے گا''۔ (اخبار الحکم 21 فروری 1901 صفحہ 7)

بچوں کو اس قسم کے کھیلوں میں شریک ہونے سے کبھی نہیں روکتے تھے بلکہ پسند فرماتے تھے۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 383.385 سن اشاعت 1924ء)

بچوں کی خوابوں کو بھی آپ نظر انداز نہ فرماتے تھے

آپ بچوں کی رؤیا کو محض لغو اور بے حقیقت قرار دے کر نظر انداز نہ فرما دیا کرتے تھے۔ یہ ایک مشہور اور شائع شدہ واقعہ ہے۔ کہ جب آپ 1905ء زلزلہ عظیمہ کے بعد باغ میں تشریف لے گئے۔ تو مکرمی ڈاکٹر صادق صاحب کے بڑے لڑکے منظور صادق نے ایک رؤیا دیکھی۔ کہ بہت سے بکرے ذبح کیے جا رہے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خواب کو سن کر اپنے خاندان کے ہر فرد کی طرف سے ایک ایک بکرا ذبح کیا۔

اور آپ کی اتباع میں ہر شخص نے جو مقدرت رکھتا تھا۔ ہر ممبر خاندان کی طرف سے ایک ایک یا کل خاندان کی طرف سے ایک ہی بکرا ذبح کیا۔ اور اس قسم کی قربانیوں سے خون کی ایک نالی جاری ہوگئی تھی۔ کم از کم ایک سو بکرا ذبح ہوا ہوگا۔

عزیز مکرم مفتی منظور صادق کی رؤیا کے متعلق 9 اپریل 1905ء کو جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تعمیل کے لیے ارشاد فرمایا۔ تو اسی سلسلے میں یہ بھی فرمایا۔ ''مومن کبھی رؤیا دیکھتا ہے اور کبھی اس کی خاطر کسی اور کو دکھاتا ہے۔ ہم نے اس کی تعمیل میں 14 بکرے ذبح کرنے کا حکم دیا ہے۔ سب جماعت کو کہہ دو کہ جس جس کو استطاعت ہے۔ قربانی کردے۔

(اخبار البدر 13 اپریل 1905ء صفحہ 2) (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ، یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 388.387 سن اشاعت 1924ء)

آپ بچوں کو گود میں اُٹھایا کرتے تھے

آپ بچوں کو گود میں اُٹھائے ہوئے باہر نکل آیا کرتے تھے۔ اور سیر میں بھی اُٹھالیا کرتے۔ اس میں کبھی آپ کو تامل نہ ہوتا تھا۔ اگرچہ خُدام جو ساتھ ہوتے۔ وہ خود اُٹھانا اپنی سعادت سمجھتے۔ مگر حضرت بچوں کی خواہش کا احساس یا ان کے اِصرار کو دیکھ کر آپ اُٹھالیتے اور ان کی خوشی پوری کر دیتے۔ پھر کچھ دُور جا کر کسی خادم کو دے دیتے۔ صاحبزادی امتہ النصیر کی وفات پر ان کا جنازہ بھی حضور نے اپنے ہاتھوں پر اُٹھایا تھا اور چھوٹے بازار سے باہر نکلنے تک یعنی اَڈا خانہ تک حضور ہی اُٹھائے ہوئے لے گئے تھے۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 389 سن اشاعت 1924)

بچوں کی خوشیوں میں شریک ہوتے تھے

بچوں کی ہر قسم کی خوشی کی تقریبوں کو آپ مناتے اور ان میں شریک ہوتے۔ آمین کے جلسے ہوتے تھے۔ اور اس تقریب پر سچی اور حقیقی خوشی کا اظہار ہوتا تھا۔ اور نمونہ دکھایا جاتا تھا۔ مگر یہ تقریبیں مسنون اور معروف ہوتی تھیں۔ آپ یہ کبھی پسند نہ فرماتے تھے۔ کہ ان تقریبات پر کسی قسم کا کوئی ایسا فعل ہو جو خلاف شریعت اور خلاف سنت نبی کریم ﷺ ہو۔ بچوں کی عقیقہ کی تقریب تو ان کے بچپن کے ایسے وقت ہوتی ہے کہ ان کو معلوم بھی نہیں ہوتا۔ البتہ آمین کی تقریب ایسی تھی۔ کہ وہ محسوس کرتے تھے۔ اور جانتے تھے۔ کہ کیا ہو رہا ہے۔ ان تقریبوں کی کیفیت اور اس وقت کے جذبات کا اظہار ہر ایک آمین سے ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی تقریب کے بعد پھر تمام بچوں کی آمین کی ایک ہی تقریب تھی۔ اور ہر دو تقاریب کی آمین شائع شدہ ہے۔ حضرت نواب صاحب کے بچوں کی آمین کی بھی تقریب ہوئی تھی۔ اور وہ بچے آپ کے سامنے پیش کیے گئے جنہوں نے قرآن مجید ختم کیا تھا حضور بہت مسرور ہوئے اور دُعا فرمائی۔ اسی طرح صاحبزادہ عبدالحی مرحوم کی آمین اور میاں محمد اسحاق صاحب کی شادی کی تقریب بھی اپنے رنگ میں بہت ہی خوشگوار اور مسرت افزاء تقریبیں تھیں۔

غرض حضور بچوں کی خوشیوں کی تقریب میں شریک ہوتے تا کہ ان کی خوشی دوبالا ہو جاوے۔ اور ایسی تقریب کا بابرکت ہو جانا تو ظاہر بات ہے۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 390.389 سن اشاعت 1924ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خدام سے عفوو درگذر

محمد اکبر خان صاحب سنوری کا واقعہ

حضرت مسیح موعودؑ کے پُرانے خادموں میں سے ایک محمد اکبر خان صاحب سنوری ہیں۔ جو مدت سے دارالامان میں ہجرت کر کے آگئے اور اب یہاں ہی رہتے ہیں اس واقعہ کے قلم بند کرنے کے وقت تک وہ خدا کے فضل سے زندہ ہیں وہ حضرت مسیح موعودؑ کے عملی طور پر خادم تھے اور خادم کو

اپنے آقا کے حضور متعدد مرتبہ پیش ہونے کا بھی موقع ملتا ہے اور اس کی زندگی میں بہت سے ایسے واقعات آتے ہیں جبکہ اس سے کسی فرض کی ادائیگی یا تکمیل میں کوئی نقص اور کمی پیدا ہوا اور اس کے کسی فعل سے مالک کے مال یا آرام پر اثر پڑے اور وہی وقت اس کے اخلاق کے ظہور اور اندازہ کا ہوتا ہے۔خان صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب ہم وطن چھوڑ کر قادیان آگئے تو ہم کو حضرت اقدس نے اپنے مکان میں ٹھہرایا۔حضرت اقدس کا قاعدہ تھا کہ رات کو عموماً موم بتی جلایا کرتے تھے اور بہت سی موم بتیاں اکٹھی روشن کر دیا کرتے تھے جن دنوں میں آیا میری لڑکی بہت چھوٹی تھی۔ایک دفعہ حضرت اقدسؑ کے کمرے میں بتی جلا کر رکھ آئی۔اتفاق ایسا ہوا کہ وہ بتی گر پڑی اور تمام مسودات جل گئے علاوہ ازیں اور بھی چند چیزوں کا نقصان ہو گیا۔تھوڑی دیر کے بعد جب معلوم ہوا کہ حضرت اقدس کے کئی مسودات ضائع ہو گئے ہیں تو تمام گھر میں گھبراہٹ ہوئی میری بیوی اور لڑکی کو سخت پریشانی تھی کیونکہ حضرت اقدس کتابوں کے مسودات بڑی احتیاط سے رکھا کرتے تھے۔لیکن جب حضور کو معلوم ہوا تو حضور نے اس واقعہ کو یہ کہہ کر رفت گزشت کر دیا کہ خدا کا بہت ہی شکر ادا کرنا چاہیے کہ کوئی اس سے زیادہ نقصان نہیں ہو گیا۔

تھوڑی دیر کے لیے اس واقعہ پر غور کیا جاوے۔حضرت اقدس ایک کتاب تصنیف کر رہے ہیں اور شبانہ روز محنت سے اس کا مسودہ لکھا گیا ہے آن کی آن میں وہ ایک خادمہ کی غفلت اور بے پروائی سے ضائع ہو گیا ہے۔دوسری طرف کاتب اور پریس کے اخراجات سر پر پڑ رہے ہیں ایسے موقعہ پر اگر کوئی اور آقا ہو تو خدا جانے اس کے غصّہ اور غضب کی کیا حالت ہوتی مگر خدا تعالیٰ کے برگزیدہ اور فرستادہ مسیح موعودؑ کے عفو درگزر کی شان کو ملاحظہ کرو کہ اس کے قلب مطہّر پر اس سے کچھ اثر نہیں پڑتا۔اور وہ نہ نقصان کی پرواہ کرتا ہے اور نہ اسے غصّہ آتا ہے بلکہ اس نقصان پر خدا کا شکر اس لیے کرتا ہے کہ اس نے اپنے فضل سے مزید نقصان سے محفوظ رکھا۔(سیرت حضرت مسیح موعودؑ ،مرتبہ یعقوب علی عرفانی ،صفحہ نمبر 104,103 سن اشاعت 1924ء)

ایک اور واقعہ

اسی طرح پر خان صاحب اکبر خان صاحب نے بتایا کہ مسجد مبارک کی اُوپر کی چھت پر سے حضرت اقدس کے مکان پر جانے کے لیے پہلے بھی اسی طرح ایک راستہ ہوتا تھا۔(جس مکان پر آجکل دروازہ ہے یہاں چھوٹی سی کھڑکی ہوتی تھی اور اس کے نیچے ایک لکڑی کی سیڑھی ہوتی تھی ایڈیٹر) جیسا کہ اب ہے اور اس میں نیچے اُترنے کے لیے ایک دیار کی سیڑھی لگی ہوئی تھی۔

''ایک دفعہ میں لالٹین اُٹھا کر حضرت اقدس کو راستہ دکھانے لگا اتفاق سے لالٹین ہاتھ سے چھوٹ گئی لکڑی پر تیل پڑا اُوپر سے نیچے تک آگ لگ گئی میں بہت پریشان ہوا۔بعض لوگ بھی کچھ بولنے لگے لیکن حضرت اقدس نے فرمایا:''**خیر!ایسے واقعات ہو ہی جاتے ہیں مکان بچ گیا**''۔

یہ واقعہ اپنی نوعیت میں اس پہلے سے کم نہیں بلکہ ایک طرح بڑھ کر ہے وہ غفلت تو ایک بچہ کی تھی مگر یہ حرکت ایک تجربہ کار آدمی سے وقوع میں آئی مگر حلم وعفو کے مجسمہ نے اسے بھی معاف ہی کر دیا اور نقصان کو نظر انداز کر کے اس بات کا خیال فرمایا کہ مکان بچ گیا۔

اس میں دراصل یہ بھی ایک سبق ہے کہ ایسے موقعہ پر انسان کس طرح پر اپنے غیظ وغضب کے جذبات کو دبا سکتا ہے اور اس کی یہی صورت ہے کہ اس نقصان عظیم کا خیال کرے جس کے ہونے کا احتمال ہو سکتا تھا۔بہر حال آپ نے دونوں موقعوں پر درگزر سے کام لیا۔اور نہ تو خان صاحب کو کچھ کہا اور نہ ان کی صاحب زادی کو۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ ،مرتبہ یعقوب علی عرفانی ،صفحہ نمبر 105.104 سن اشاعت 1924ء)

ایک چاول چرانے والی خادمہ کا واقعہ

حضرت مخدوم الملت مولانا مولوی عبدالکریم صاحبؓ الحکم میں ہفتہ وار ایک خط لکھا کرتے تھے جو نہایت مقبول ہوتے تھے ان خطوط میں بعض میں آپ نے حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت کے بعض حصص بھی لکھے جو حضرت مسیح موعودؑ کے نام سے الگ بھی شائع ہوئی ہے اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں

کہ'' ایک عورت نے اُندر سے کچھ چاول چرائے۔ چور کا دل نہیں ہوتا اور اس لیے اس کے اعضاء میں غیر معمولی قسم کی بے تابی اور اس کا اِدھر اُدھر دیکھنا بھی خاص وضع کا ہوتا ہے کسی دوسرے تیز نظر نے تاڑ لیا اور پکڑ لیا۔ شور پڑ گیا۔ اس کی بغل سے کوئی پندرہ سیر کی گٹھڑی چاولوں کی نکلی۔ اِدھر سے ملامت اُدھر سے پھٹکار ہو رہی تھی جو حضرت کسی تقریب سے اِدھر آ نکلے پوچھنے پر کسی نے واقعہ کہہ سنایا۔ فرمایا۔'' **محتاج ہے کچھ تھوڑے سے اسے دے دو اور فضیحت نہ کرو اور خدا تعالیٰ کی ستاری کا شیوہ اختیار کرو**''۔ (سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ 25)

غور کرو اور بتاؤ کہ کیا یہ کسی معمولی حوصلہ اور قلب کے انسان کا کام ہے یا یہ فعل ایسے عالی ہمت سے سرزد ہو سکتا ہے جس کا دل ہر قسم کی تلخی سے صاف کر دیا گیا ہو اور کوہ وقار ہو۔ چوری کی ہے اور خوب کی ہے اور معلوم نہیں کہ کتنے دنوں اور عرصہ سے یہ کام جاری تھا مگر خدا کا برگزیدہ فرستادہ ظاہر ہو جانے اور پکڑے جانے پر بھی صاف معاف کر دیتا ہے اور نہ صرف معاف کرتا ہے بلکہ کچھ دے دیتا ہے۔ اور دوسروں کو فضیحت سے روکتا ہے۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 106,105 سن اشاعت 1924ء)

<u>حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کا ایک واقعہ</u>

حضرت مولانا عبدالکریمؓ اپنی اسی سیرت میں لکھتے ہے'' محمود چار ایک برس کا تھا۔ حضرت معمول کے مطابق اُندر بیٹھے لکھ رہے تھے میاں محمود دیا سلائی لے کر وہاں تشریف لائے اور آپ کے ساتھ بچوں کا ایک غول بھی تھا۔ پہلے کچھ دیر تک آپس میں کھیلتے جھگڑتے رہے پھر جو کچھ دل میں آئی ان مسودات کو آگ لگا دی اور آپ لگے خوش ہونے اور تالیاں بجانے اور حضرت لکھنے میں مصروف ہیں۔ سر اُٹھا کر دیکھتے بھی نہیں کہ کیا ہو رہا ہے اتنے میں آگ بجھ گئی اور قیمتی مسودے راکھ کا ڈھیر ہو گئے اور بچوں کو کسی اور مشغلہ نے اپنی طرف کھینچ لیا۔ حضرت کو سیاق عبارت کے ملانے کے لیے کسی گزشتہ کاغذ کے دیکھنے کی ضرورت ہوئی۔ اس سے پوچھتے ہیں خاموش اس سے پوچھتے ہیں دبکا جاتا ہے آخر ایک بچہ بول اُٹھا کہ میاں صاحب نے کاغذ جلا دئے۔ عورتیں، بچے اور گھر کے سب لوگ حیران اور اُنگشت بدنداں کہ اب کیا ہوگا اور درحقیقت عادتاً ان سب کو اعلیٰ قدر مراتب بری حالت اور مکروہ نظارہ کے پیش آنے کا گمان اور انتظار تھا اور ہونا بھی چاہیے تھا مگر حضرت مسکرا کر فرماتے ہیں۔

''**خوب ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی کوئی بڑی مصلحت ہوگی اور اب خدا تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس سے بہتر مضمون ہمیں سمجھائے**''۔

مولانا فرماتے ہیں کہ'' اس موقعہ پر بھی ابنائے زمانہ کی عادات سے مقابلہ کیے بغیر ایک نکتہ چین نگاہ کو اس نظارہ سے واپس نہیں ہونا چاہیے''۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ 21.20)

حقیقت میں اس صدمہ اور تکلیف کو وہ شخص محسوس کر سکتا ہے جس نے بحثیت ایک مصنف کے بھی کام کیا ہو اس کی گھبراہٹ اور اضطراب کا اس وقت اندازہ کرنا چاہیے جبکہ اس کی محنت اور تلاش کی ساری متاع ایک دم میں ضائع ہو جائے مگر دیکھو کہ یہ خدا کا برگزیدہ ذرا بھی چیں بہ چیں نہیں ہوتا وہ اس کو ایک معمولی بات سمجھتا ہے اور اپنے خدا پر اسے اس قدر ایمان ہے کہ وہ بہتر سے بہتر عطیہ کا یقین رکھتا ہے اس سے یہ بات بآسانی سمجھ میں آ جاتی ہے کہ اس کی تصانیف اس کی اپنی محنت اور کاوش کا نتیجہ نہیں بلکہ وہ اسے خدا سے پاتا ہے اور اس کے لا انتہا خزانوں پر ایک لذیذ ایمان رکھتا ہے۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 107.106 سن اشاعت 1924ء)

<u>حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح کا واقعہ</u>

اسی سلسلہ میں حضرت مخدوم الملت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ۔

'' ایسا ہی ایک دفعہ اتفاق ہوا جن دنوں حضرت تبلیغ لکھا کرتے تھے (آئینہ کمالات اسلام میں جو تبلیغ ہے ایڈیٹر) مولوی نورالدین صاحب تشریف لائے

حضرت نے ایک بڑا بھاری دو ورقہ مضمون لکھا اور اس کی فصاحت و بلاغت خداداد پر حضرت کو ناز تھا اور وہ فارسی ترجمہ کے لیے مجھے دینا تھا مگر یاد نہ رہا اور جیب میں رکھ لیا۔ اور باہر سیر کو چل دیئے۔ مولوی صاحب اور جماعت بھی ساتھ تھی واپسی پر کہ ہنوز راستہ ہی میں تھے مولوی صاحب کے ہاتھ میں کاغذ دے دیا کہ وہ پڑھ کر عاجز راقم کو دے دیں مولوی صاحب کے ہاتھ سے وہ مضمون گر گیا واپس ڈیرہ میں آئے اور بیٹھ گئے۔ حضرت معمولاً اندر چلے گئے۔ میں نے کسی سے کہا کہ آج حضرت نے مضمون نہیں بھیجا اور کاتب سر پر کھڑا ہے۔ اور ابھی مجھے ترجمہ بھی کرنا ہے۔ مولوی صاحب کو دیکھتا ہوں تو رنگ فق ہو رہا ہے۔ آپ نے نہایت بے تابی سے لوگوں کو دوڑایا کہ لیجیو، پکڑیو، لپکیو۔ کاغذ راہ میں گر گیا۔ مولوی صاحب اپنی جگہ بڑے خجل اور حیران تھے کہ بڑی خفت کی بات ہے؟ حضرت کیا کہیں گے؟ یہ عجیب ہوشیار آدمی ہے ایک کاغذ اور ایسا ضروری کاغذ بھی سنبھال نہیں سکا۔ حضرت کو خبر ہوئی۔ معمولی ہشاش بشاش چہرہ تبسم زیر لب تشریف لائے اور بڑا اعذر کیا کہ مولوی صاحب کو کاغذ کے گم ہونے سے بڑی تشویش ہوئی مجھے افسوس ہے کہ اس کی جستجو میں اس قدر دوادو اور تگاپو کیوں کیا گیا؟ میرا تو اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بہتر ہمیں عطا فرمائے گا۔ (حضرت مسیح موعود مصنفہ حضرت مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ 21)

اس واقعہ کو نظر امعان سے دیکھو اگر کوئی اور شخص ہوتا تو اس کی خفگی اور خشونت کا اندازہ بھی نہ ہو سکتا۔ آپے سے باہر ہو جاتا مگر یہ عفو اور رحم کی زندہ تصویر بجائے اس کے کہ افسوس کرے بجائے اس کے کہ کوئی ذرّہ بھی اثر یا حرکت خفگی کی ظاہر کرے اُلٹا اس بات پر افسوس کرتا ہے کہ مولوی صاحب کو اس کے گم ہو جانے سے تشویش ہوئی۔ مولوی صاحب کی تکلیف کا اسے احساس ہے اور اپنے حرج اور تکلیف کو بھول ہی گیا ہے۔ دُنیا کے مصنفین میں اس کی نظیر بتاؤ کبھی نہیں ملے گی۔

''ان سب باتوں کی جڑ خدائے زندہ اور قادر کی ہستی پر ایمان ہے یہ ایمان ہر وقت قویٰ کو زندہ رکھتا ہے اور ہر قسم کی پژمردگی اور افسردگی سے بچاتا رہتا ہے جو دُنیاداروں کو بسا اوقات بڑی بڑی شرمناک حرکات پر مجبور کرتی ہے''۔

(سیرت مسیح موعود مصنفہ مولانا عبدالکریم صاحبؓ صفحہ 22.21)(سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 109.107 سن اشاعت 1924ء)

<u>حافظ حامد علی مرحوم کا واقعہ</u>

اُوپر کے واقعات سے پایا جاتا ہے کہ کوئی کتنا ہی بڑا نقصان کر دے آپ معاف کر دیتے اور معمولی چشم نمائی بھی نہیں کرتے تھے اور اس میں ایسا اثر اور جادو تھا کہ انسان ایک فوری تبدیلی کے لیے تیار ہو جاتا تھا۔

حافظ حامد علی صاحب حضرت کے پُرانے خدام میں سے تھے اور باوجود ایک خادم ہونے کے حضرت صاحب ان سے اس قسم کا برتاؤ اور معاملہ کرتے تھے جیسا کسی عزیز سے کیا جاتا ہے اور یہ بات حافظ حامد علی صاحب ہی پر موقوف نہ تھی حضرت کا ہر ایک خادم اپنی نسبت یہی سمجھتا تھا کہ مجھ سے زیادہ اور کوئی عزیز آپ کو نہیں۔ بہر حال حافظ حامد علی صاحب کو ایک دفعہ کچھ لفافے اور کارڈ آپ نے دیئے کہ ڈاک خانہ میں ڈال آؤ۔ حافظ حامد علی صاحب کا حافظہ کچھ ایسا ہی تھا۔ پس وہ کسی اور کام میں مصروف ہو گئے اور اپنے مفوّض کو بھول گئے۔ ایک ہفتہ کے بعد حضرت خلیفۃ ثانیؓ (جوان ایام میں میاں محمود اور ہنوز بچہ ہی تھے) کچھ لفافے اور کارڈ لیے دوڑتے ہوئے آئے کہ ابا ہم نے کوڑے کے ڈھیر سے خط نکالے ہیں۔ آپ نے دیکھا تو وہی خطوط تھے۔ جن میں بعض رجسٹرڈ خط بھی تھے اور آپ ان کے جواب کے منتظر تھے۔ حامد علی کو بلوایا اور خط دکھا کر بڑی نرمی سے صرف اتنا ہی کہا۔ ''حامد علی تمہیں نسیان بہت ہو گیا ہے ذرا فکر سے کام کیا کرو''۔

ضروری اور نہایت ضروری خطوط جن کے جواب کا انتظار مگر خادم کی غفلت کا شکار ہو جاتے ہیں اور بجائے ڈاک میں جانے کے وہ کوڑے کرکٹ

کے ڈھیر میں جا ملتے ہیں اس پر کوئی باز پرس کوئی سزا اور کوئی تنبیہہ نہیں کی جاتی۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ ،مرتبہ یعقوب علی عرفانی ،صفحہ نمبر 109 سن اشاعت 1924)

حافظ غلام محی الدین مرحوم کا واقعہ

حافظ غلام محی الدین مرحوم بھیرہ کے باشندہ تھے اور حضرت حکیم الامّت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہٗ کے رضاعی بھائی تھے حضرت مولوی صاحب کے ساتھ ہی قادیان میں آ گئے اور آپ کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے۔وہ مولوی صاحب کے مکان میں ڈیوڑھی کے اس کمرے میں رہا کرتے تھے۔جو مفتی فضل الرحمان صاحب کے اندرونی دروازہ کے بالمقابل ہے یا یوں کہو کہ ڈیوڑھی میں داخل ہوتے ہی بائیں ہاتھ کو ہے۔اور جس کی کھڑکیاں گلی کی طرف ہیں۔حافظ صاحب جلد سازی کا کام کیا کرتے تھے اور حضرت مسیح موعودؑ کی ڈاک لایا کرتے تھے اور ڈاک لے بھی جایا کرتے تھے۔چونکہ ڈاک خانہ میں وہی جایا کرتے تھے اس لیے دوسرے اکثر دوستوں کے خطوط لے آتے اور جب ڈاک میں ڈالنے کو جاتے تو لے بھی جاتے۔اس وقت ڈاک خانہ معمولی ایک برانچ آفس تھا اور کوئی لیٹر بکس شہر میں نہیں رکھا ہوا تھا خصوصیت کے ساتھ وہ اس کام کو حضرت کی خدمت یقین کر کے کرتے تھے۔

پنڈت لیکھرام کی پیش گوئی جب پوری ہوئی اور وہ لاہور میں قتل ہو گیا تو اس سلسلہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خانہ تلاشی بھی ہوئی۔یہ تلاشی بجائے خود ایک نشان تھا۔اسی سلسلہ میں حافظ غلام محی الدین صاحب کے حجرہ کی بھی تلاشی ہوگئی اس تلاشی میں بہت سے خطوط تو ایسے برآمد ہوئے جو ابھی حضرت کے پاس نہیں پہنچے تھے اور بہت سے ایسے نکلے تھے جو ابھی ڈاک خانہ میں ڈالے نہ گئے تھے۔بات یہ تھی کہ حافظ صاحب ڈاک لاتے تو اپنے حجرہ میں بیٹھ کر سارٹ کرتے اسی حالت میں بعض خطوط رکھ دیئے گئے اور ان کا اُٹھانا یاد نہ رہا۔اسی طرح کوئی آیا اور خط دے گیا کہ ڈاک خانہ میں ڈالنا ہے اور وہ بھول گئے غرض اس طرح پر بہت سے خطوط ان کے حجرہ سے نکلے جو نہ تو تقسیم ہوئے تھے اور نہ ڈاک میں ڈالے گئے تھے۔حضرت اقدس کو اطلاع ہوئی اور اس وقت اس کا علم ہو جانا لازمی تھا۔کیونکہ ان کے حجرہ کی تلاشی ہو رہی تھی پولیس کو یہ خیال تھا کہ کوئی خط و کتابت پائی جاوے جس سے اس قتل کا تعلق ہو اور حافظ صاحب چونکہ ایک قسم کے پوسٹ ماسٹر بنے ہوئے تھے اس لیے ان کے کاغذات کو دیکھا گیا تھا۔

غرض جب حضرت مسیح موعودؑ کو علم ہوا اور وہ خطوط بھی پیش ہوئے تو آپ نے حافظ صاحب سے ہنستے ہوئے پوچھا کہ ’’حافظ جی یہ خط رکھنے کے لئے تو نہیں دیئے گئے تھے اگر آج یہ نہ دیکھے جاتے تو پتہ بھی نہ لگتا اور ہم سمجھتے رہتے کہ خط لکھ دیا ہوا ہے ادھر دوسرے لوگ سمجھتے کہ ہم خط لکھ چکے ہیں خیر جو ہو گیا اچھا ہو گیا مصلحت الٰہی یہی ہوگی‘‘۔

حافظ صاحب بیچارے شرمندہ اور نادم تھے مگر حضرت نے اس سے زیادہ نہ کچھ کہا اور نہ پھر کبھی ذکر کیا کہ کوئی ایسا واقعہ ہوا تھا۔اور نہ ان کو اس ڈاک کے کام سے معزول کیا بلکہ وہی ہمیشہ جب تک زندہ رہے اور کام کرنے کے قابل رہے ڈاک خانہ سے جا کر ڈاک لاتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اپنے دیئے ہوئے خطوط ڈاک خانہ جا کر پوسٹ کرتے۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ ،مرتبہ یعقوب علی عرفانی ،صفحہ نمبر 111.110 سن اشاعت 1924ء)

حضرت مسیح موعودؑ کا دشمنوں سے سلوک عفوو درگزر کے حیرت انگیز نظارے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایسے حالات میں بھی عفوو درگزر سے کام لیتے تھے۔ جہاں بڑے بڑے عالی حوصلہ انسان بھی ٹھوکر کھا جاتے ہیں اور اپنے غیظ وغضب کے جذبات پر قابو نہیں پا سکتے لیکن ان واقعات اور حالات کو دیکھ کر کوئی نادان یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ باتیں محض دوستوں سے مخصوص تھیں مگر یہ بات نہیں حضرت مسیح موعودؑ کے اخلاق کی شان دشمنوں کے مقابلہ میں اور دشمنوں سے سلوک کرنے میں اور بھی نمایاں ہو جاتی ہے۔ حضرت مسیح ناصریؑ نے یہ تعلیم تو بے شک دی ہے کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو مگر اس کا عملی نمونہ آپ کی زندگی میں نہیں پایا جاتا۔ آپ کو وہ مقدرت اور موقعہ نصیب نہیں ہوا کہ آپ کے دشمن پکڑے ہوئے آپ کے سامنے آتے اور آپ اُن کو معاف کر دیتے۔ اس لیے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس خوش نما تعلیم کا معلم اس پہلو میں کن اخلاق کا مالک تھا۔ اس سے نعوذ باللہ حضرت مسیح علیہ السلام کی ہتک نہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے ماموروم رسل اور نبی تھے۔ اور قرآن کریم نے آپ کی شان اور عظمت کا ذکر فرمایا ہے۔ جس پر ہر ایک مسلمان ایمان لاتا ہے۔ اور میں بھی ایمان لاتا ہوں۔ لیکن اس اَمر واقعہ کا اِنکار نہیں کیا جا سکتا کہ ان کو یہ دولت نصیب نہیں ہوئی کہ اپنے عہد میں نہ تو اقتدار وحکومت کا موقع انہیں ملا۔ اور نہ ہی ایسی تقریب ہی پیدا ہوئی کہ وہ اپنے دشمنوں سے انتقام لے سکتے تھے اور انہیں اس خلق کے اظہار کا موقع ملا اور معاف کر دیا اور اس طرح پر اپنے دشمنوں سے محبت اور پیار کا نمونہ نہ دکھا سکے۔

حضرت نبی کریم ﷺ کی شان تو بہت ہی بلند اور اعلیٰ ہے۔ جن کو یہ موقع علیٰ وجہ الاتم حاصل ہوا۔ اور وہ مکہ جہاں سے آپ بے حد تکالیف اُٹھا کر ہجرت پر مجبور و مامور ہوئے تھے۔ وہ مکہ جہاں آپ کے خادموں پر انتہائی مظالم اور ستم توڑے گئے اور نا اہل و ناحق شناس دشمنوں نے غریب اور ضعیف مسلمان عورتوں تک پر ظلم کیے جب آپؐ نے اس کو فتح کیا اور ایک شہنشاہ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوئے اور آپ کو حق تھا کہ ان ظالموں کو ان کے ناسزا افعال کی سزا دیتے۔ اور وہ اپنے کیفر کردار کو پاتے مگر آپ نے ان کو معاف کر دیا۔ دنیا کی تاریخ میں عفوورحم کی ایسی مثال نہ ملے گی۔ اسی طرح حضرت مسیح موعودؑ کی زندگی میں ایسے واقعات ملتے ہیں کہ آپ نے اپنے دشمنوں کے ساتھ اسی رنگ میں برتاؤ کیا جس کی مثالیں آپ کے آقا ومحسن حضرت نبی کریم ﷺ کی زندگی میں نمایاں تھیں۔ یہ سچ ہے کہ آپ کے سامنے آپ کے دشمن اس حیثیت میں نہیں آئے کہ آپ ایک فاتح سلطان کی طرح ہوتے مگر حقیقت یہ ہے کہ صرف حالات کا فرق ہے ورنہ صورت واقعات وہی تھی۔ ایسی حالت میں دشمن آپ کے سامنے آتے ہیں کہ آپ جائز اور بجا طور پر ان سے انتقام لے سکتے ہیں اور آپ کو موقع اور اختیار حاصل ہے۔ مگر آپ نے اس حالت میں تلخ سے تلخ دشمنوں کو معاف کیا ہے اور کبھی بھی تو یہ کوشش اور خواہش نہیں کی کہ ان سے انتقام لیا جاوے۔ میں ان واقعات کو تاریخی ترتیب سے درج کرنے کی کوشش نہیں کروں گا۔ اس لیے کہ یہاں یہ ترتیب مدّنظر نہیں ہے بلکہ آپ کے اخلاق کی ایک شان کو دکھانا ہے۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 113.111 سن اشاعت 1924ء)

شوکت میرٹھی کے متعلق

میرٹھ سے احمد حسین شوکت نے ایک اخبار شحنہ ہند جاری کیا ہوا تھا۔ یہ شخص اپنے آپ کو مجدد السنہ کہا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعودؑ کی مخالفت میں اس نے اپنے اخبار کا ایک ضمیمہ جاری کیا۔ جس میں ہر قسم کے گندے مضامین مخالفت میں شائع کرتا۔ اور اس طرح جماعت کی دل آزاری کرتا۔ میرٹھ کی جماعت کو خصوصیت سے تکلیف ہوتی۔ کیونکہ وہاں ہی سے وہ گندہ پرچہ نکلتا تھا۔ 2 اکتوبر 1902ء کا واقعہ ہے۔ کہ میرٹھ کی جماعت کے پریزیڈنٹ جناب شیخ عبدالرشید صاحب جو ایک معزز زمین دار اور تاجر ہیں تشریف فرما تھے۔ حضرت اقدس کی خدمت میں عرض کیا کہ میں نے

اِرادہ کیا ہے کہ ضمیمہ شحنہ ہند کے توہین آمیز مضامین پر عدالت میں نالش کردوں۔حضرت حجتہ اللہ نے فرمایا۔''ہمارے لیے **خدا کی عدالت کافی ہے۔ یہ گناہ میں داخل ہوگا اگر ہم خدا کی تجویز پر تقدم کریں۔اس لیے ضروری ہے کہ صبر اور برداشت سے کام لیں''۔**

جو لوگ اس گندے لٹریچر سے واقف نہیں وہ اس فیصلہ کی اہمیت سمجھ نہیں سکتے ۔مگر جنھوں نے اس کو دیکھا ہے۔وہ یقیناً کہہ سکتے ہیں کہ اگر اس شخص سے عدالت کے ذریعے انتقام لیا جاتا تو **عقلاً عرفاً اخلاقاً** جائز ہوتا ۔مگر حضرت مسیح موعودؑ نے ہرگز پسند نہ فرمایا۔

یہ پہلا ہی موقع نہ تھا۔کہ حضرت اقدس نے اپنے دشمن کو اس طرح پر معاف کر دیا۔بلکہ اسی قسم کا ایک واقعہ اس سے پہلے بھی گزرا۔

<u>ڈاکٹر کلارک کو معاف کر دیا میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے</u>

ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک جو اُمرتسر کے میڈیکل مشن کے مشنری تھے اور مباحثہ آتھم میں عیسائیوں کی جانب سے پریزیڈنٹ تھے ایک دن خود بھی مناظر رہے۔انہوں نے 1897ء میں حضرت مسیح موعود کے خلاف ایک مقدمہ اقدام قتل دائر کیا۔یہ مقدمہ کچھ عرصہ تک چلتا رہا اور بالآخر محض جھوٹ اور بناوٹی پایا گیا اور حضرت اقدسؑ عزت کے ساتھ اس مقدمہ میں بری ہوئے۔میں جو اس مقدمہ کو شائع کرنے والا ہوں اور ایک عینی شاہد ہوں اُس وقت عدالت میں موجود تھا۔جب کپتان ڈگلس ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور نے حضرت اقدس کو مخاطب کر کے کہا کہ: ''کیا آپ چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر کلارک پر مقدمہ چلائیں اگر آپ چاہتے ہیں تو آپ کو حق ہے''**حضرت مسیح موعودؑ نے فرمایا''میں کوئی مقدمہ کرنا نہیں چاہتا۔ میرا مقدمہ آسمان پر دائر ہے''۔**

اس موقع پر اگر کوئی دوسرا آدمی ہوتا۔جس پر قتل کے اقدام کا مقدمہ ہو۔وہ اپنے دشمن سے ہر ممکن انتقام لینے کی کوشش کرتا۔مگر حضرت مسیح موعودؑ نے اپنے دشمن کو معاف کرو کی تعلیم پر صحیح عمل کر کے دکھایا۔ایک وقت تھا کہ مارٹن کلارک نے مباحثہ اُمرتسر میں حضرت اقدسؑ کو اور آپ کی جماعت کو چائے کی دعوت دی مگر آپ نے غیرت اسلامی کی بناء پر اس دعوت کو مسترد کیا۔کہ یہ شخص نبی کریم ﷺ کو گالیاں دیتا ہے اور آپ کی تکذیب پر زور دیتا اور مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کے لیے پورا زور لگاتا ہے۔اور مجھے دعوت دیتا ہے میری غیرت اِس کو قبول نہیں کرسکتی کہ میں آنحضرت ﷺ کے دشمن کے ہاں چائے پیئوں اس حیثیت کا دشمن ہو اور پھر ذاتی طور پر اِس نے حضرت مسیح موعودؑ کو خطرناک سازش کا نشانہ بنانا چاہا ہو۔ اس میں وہ بری ہو کر اپنے اور نبی کریمؐ کے دشمن سے جائز طور پر انتقام لے سکتے تھے مگر آپ نے ایک منٹ کے لیے بھی اس کو گوارا نہ فرمایا۔اور کوئی مقدمہ کرنا نہ چاہا یہ عفو اور درگزر اگر ایسی حالت میں ہوتا کہ آپ کو قدرت نہ ہوتی تو اس کی کچھ قدر و قیمت نہ ہوتی لیکن یہ ایسے موقع پر آپ نے دِکھایا کہ آپ کو حق تھا اور قانونی طور پر آپ سزا دلا سکتے تھے۔مگر آپ نے پسند نہ فرمایا اور معاف فرما دیا۔

یہ واقعہ ممکن ہے کہ کسی شخص کو شبہ میں ڈالے کہ شاید فریق مخالف کی طاقت اور رُسوخ کے باعث ایسا نہ کیا گیا ہو لیکن یہ شبہ محض لغو اور بے اصل ہوگا۔ اس لیے کہ اسی بارُسوخ اور طاقتور فریق سے مقدمہ تو پہلے ہی ہو چکا تھا۔اور انہوں نے اپنے تمام رسوخ اور قوت سے کام لے لیا تھا۔بلکہ بعض بڑے پادریوں نے بھی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کو کہا اور سفارش کی۔مگر مجسٹریٹ کا جواب یہ تھا کہ مجھ سے ایسی بدذاتی نہیں ہوسکتی کہ میں انصاف کو ہاتھ سے چھوڑ دوں۔تو یہ شبہ محض بے اصل ہے جس چیز نے حضرت اقدسؑ کو روکا وہ ایک ہی چیز تھی کہ آپ اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لینا چاہتے تھے اور اپنے عمل سے درگزر اور عفو کا سبق دینا چاہتے تھے۔

ڈاکٹر مارٹن کلارک کی ذات سے آپ کو کوئی دشمنی نہ تھی بلکہ آپ کو اس کے عقاید باطلہ اور اس طریق عمل سے نفرت تھی جو وہ اسلام کے متعلق رکھتا تھا۔اس لیے اگر آپ بذریعہ عدالت اُس کو سزا دلاتے تو اس غیرت مذہبی اور اخلاص فی الدارین کے خلاف ہوتا۔جو اللہ تعالیٰ نے فطرتاً آپ کو دیا

تھا۔اوراس میں نفسانیت کے کسی شائبہ کا شبہ بھی گزر سکتا تھا۔گوانصاف اور عقل کے نزدیک یہ انتقام صحیح ہوتا اس لیے کہ ڈاکٹر کلارک نے آپ کی عزت وآبرو اور آپ کی جان پر حملہ کیا تھا۔مگر آپ کو جب موقع دیا گیا تو آپ نے پسند نہیں کیا کہ اس سے وہی سلوک کیا جائے۔جس کا اس نے خود اِرتکاب کیا۔گووہ اس کا خود مستحق تھا اور یہ پہلی مثال نہ تھی آپ کی زندگی میں اس کی بہت کثرت سے مثالیں ملتی ہیں۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ ،مرتبہ یعقوب علی عرفانی،صفحہ نمبر 116.114 سن اشاعت 1924ء)

<u>مولوی محمد حسین بٹالوی پر احسان</u>

اسی مقدمہ ڈاکٹر کلارک میں مولوی محمد حسین بٹالوی ایک گواہ کی حیثیت سے حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف پیش ہوئے۔مولوی محمد حسین بٹالوی ایڈیٹر اشاعۃ السنہ بٹالہ کے رہنے والے تھے ابتداء میں انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی پہلی تصنیف براہین احمدیہ پر ایک زبردست ریویو لکھا اور حضرت کا اکرام واحترام بہت کرتے تھے۔مگر بعد میں کسی مخفی شامت اعمال کی وجہ سے وہ مخالف ہوئے اور خطرناک مخالفت کا رنگ انہوں نے اختیار کیا۔یہ مقام ان کی مخالفت کی نوعیت اور اس بارہ میں اس کی تفصیل اور تذکرہ کا نہیں۔وہ اتنا تلخ دشمن تھا کہ کفر وقتل کے فتوے اسی نے شائع کرائے اور بالآخر وہ اس مقدمہ اقدام قتل میں عیسائیوں کا گواہ ہو کر آیا۔اور وہ یہ ثابت کرنے کے لیے آیا تھا کہ فی الحقیقت جو الزام لگایا گیا ہے وہ گویا (نعوذ باللہ) درست ہے۔عدالت میں اس کے ساتھ کیا گزرا اور اس کی کس طرح پر کرکری ہوئی میں اسے بھی چھوڑ دیتا ہوں کہ یہ حصّہ مخصوص ہے اس سیرت وسوانح کے اس باب سے جو آپ کے دشمنوں کے انجام کے متعلق۔غرض اس مقدمہ میں مولوی محمد حسین صاحب کی یہ پوزیشن تھی کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے خلاف گواہ تھا۔روزانہ عدالتوں میں دیکھا جاتا ہے کہ ہر ایک فریق اپنے مخالف گواہوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔ان کی عزت ووقار پر واقعات حقّہ سے قطع نظر ایسے حملے ہوتے ہیں کہ وہ عاجز ہو جاتے ہیں۔مولوی محمد حسین صاحب جب حضرت کے خلاف دل کھول کر گواہی دے چکے۔تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان پر جرح کا موقع دیا گیا۔حضرت کی طرف سے مولوی فضل الدین پلیڈر لاہور وکیل تھے جو اس سلسلہ میں داخل نہیں ہیں۔انہوں نے مولوی محمد حسین صاحب پر کچھ ایسے سوالات کرنے چاہے جو ان کی عزت وآبرو کو خاک میں ملا دیتے۔اس نے حضرت مسیح موعودؑ سے کہا کہ میں یہ سوال کرنا چاہتا ہوں۔مگر حضرت صاحب نے اُن کو روک دیا۔اور باصرار وبزور روکا۔مولوی فضل الدین صاحب اپنے فرض منصبی کو دیانت داری سے اَدا کرنے کے لیے اور اپنے موکل کی صفائی اور بے گناہی ثابت کرنے کے لیے ایسے تلخ دشمن اور معاند گواہ کی اصلی صورت دکھا دینا چاہتے تھے۔اور اگر وہ سوالات ہو جاتے تو خدا جانے مولوی محمد حسین صاحب اس مقام پر کھڑے رہ سکتے یا گر جاتے۔مگر حضرت نے اس کی قطعاً اجازت نہ دی۔بلکہ ایک بار ان کو کسی قدر سختی سے روک دیا کہ میں ہرگز اجازت نہیں دیتا یہ ایسی بات ہے کہ اس کے اپنے اختیار سے باہر ہے۔اور میں اس کی عزت کو برباد نہیں کرنا چاہتا۔آخر مولوی فضل الدین صاحب بھی رُک گئے۔مولوی فضل الدین صاحب احمدی نہیں مگر اس بلند ہمتی نے انہیں ہمیشہ آپ کا مداح رکھا ہے۔خیال کرو کہ مولوی محمد حسین تو جان کا دشمن ہے اور آپ کو ایک قاتل ثابت کرنا چاہتا ہے۔اور آپ کی یہ شان رحم ودرگزر ہے۔کہ ایک اَمر واقعہ کے متعلق بھی (جو کوشش کی حیثیت وحالت پر ایک اثر ڈال سکتا ہے اور جو صحیح ہے) اپنے وکیل کو اجازت نہیں دیتا کہ اس سے پوچھا جاوے محض اس لیے کہ وہ ذلیل نہ کیا جاوے۔اس تمام خطرناک نتیجہ کے لیے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈال دیتے ہیں مگر دشمن کو اس عمل سے بچالیتے ہیں۔اس درگزر وعلو ہمتی کی نظیر تلاش کرو نہیں ملے گی۔

(سیرت حضرت مسیح موعودؑ ،مرتبہ یعقوب علی عرفانی،صفحہ نمبر 117.116 سن اشاعت 1924ء)

قادیان کے سکھوں اور ہندوؤں کا مقدمہ

حضرت مسیح موعودؑ کے دعوے کے ابتدائی ایام میں ہماری یہ حالت تھی کہ قادیان کی زمین باوجود فراخی کے ہم پر تنگ تھی حضرت مسیح موعودؑ قادیان کے مالکوں میں سے تھے لیکن باوجود اس کے بھی۔آپ کی غریب اور قلیل جماعت کو سخت تکلیف دی جاتی تھی بعض اوقات باہر سے آئے ہوئے مہمانوں کے دامن میں شریر اور خبیث مخالفوں نے پاخانہ ڈلوا دیا اور ایک ٹوکری مٹی کی بھی غریب مہاجرین کو اُٹھانی مشکل ہو جاتی تھی اور کوئی دن ہم پر ایسا نہ گزرتا تھا کہ ہماری کہیاں اور ٹوکریاں قادیان کے ظالم طبع دشمن نہیں لے جاتے تھے۔اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ چونکہ خود حضرت اقدسؑ کے اقارب اور عم زاد بھائی (جن کا سردار مرزا امام الدین تھا) دشمن تھے۔اس لیے اِن کی حمایت اور شہ سے ایسا ہوتا تھا۔سیّد احمد نور مہاجر جب اپنے ملک سے ہجرت کر کے قادیان آ گئے تو انہوں نے ڈھاب میں ایک موقع پر حضرت اقدس کی اجازت سے اپنا مکان بنانا چاہا چنانچہ جب انہوں نے تعمیر مکان شروع کی تو قادیان کے سکھوں اور بعض برہموں نے اس پر حملہ کر دیا اور اس کو اور اس کے بھائی کو مارا اس کشاکش میں ایک برہمن کو بھی چوٹ لگی اور اس کی پیشانی میں سے خون نکل آیا سیّد احمد نور بھی لہولہان ہو گیا۔اس واقعہ کو دیکھ کر میں (راقم) مرزا نظام الدین صاحب اور دفعدار چوکیدار ان کے پاس گیا اور ان کو موقع پر لا کر دکھایا کہ سکھوں کی بہت بڑی تعداد (شاید ہی کوئی گھر میں رہا ہو) اس موقعہ پر حملہ آوروں کی صورت میں موجود ہے مرزا نظام الدین صاحب ان کو وہاں سے ہٹا لائے۔اور سمجھایا۔حضرت صاحب کو میں نے اور مفتی فضل الرحمان نے اطلاع کی اور واقعات کا اظہار کیا۔آپ نے فرمایا کہ: **''باہم صلح اور سمجھوتہ کرا دینا چاہیے جس طرح بھی ہو''۔**

چنانچہ میں نے اور مفتی صاحب نے ہر چند کوشش کی ہماری موجودگی میں تو یہ سب لوگ یہی کہتے تھے کہ ہاں صلح ہو جانی چاہیے عدالت میں نہیں جانا چاہیے مگر دراصل اس شخص کو جس کی پیشانی سے خون نکلا اور اس کا نام پالا رام تھا کہا کہ جا کر نالش کرو چنانچہ اس نے جا کر حضرت مولوی نورالدین صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور سیّد احمد نور پر نالش کر دی یہ مقدمہ سردار غلام حیدر خاں صاحب مزاری کے اجلاس میں تھا۔

حضرت مسیح موعودؑ کا منشا یہی تھا کہ مقدمہ نہ ہو اور ہم ہر طرح صلح کی کوشش کرتے تھے۔لیکن جب کامیابی نہ ہوئی اور فریق مخالف نالش کرنے کے لیے چلا گیا تو چونکہ یہ بلوہ تھا اس لیے پولیس کو اطلاع دی گئی۔پولیس نے اپنی تفتیش سے جرم ثابت پا کر سولہ آدمیوں کا چالان کر دیا۔اور یہ مقدمہ بھی سردار غلام حیدر صاحب کے اجلاس میں تھا۔قادیان کے آریوں نے انتہائی کوشش کی کہ ہمارے خلاف مقدمہ خطرناک طور پر ثابت ہو مگر چونکہ اس کی بنا محض جھوٹ پر تھی اس لیے وہ پہلی ہی پیشی میں خارج ہو گیا۔اور دوسرے مقدمہ میں جو پولیس نے چالان کیا تھا ملزموں پر فردِ جُرم لگائی گئی آخر شہادت صفائی بھی گزر گئی اور اب صرف آخری مرحلہ تھا۔یعنی صرف فیصلہ اس کے متعلق یقینی تھا کہ ملزم سزایاب ہوں گے۔کیونکہ روئداد مقدمہ میں جرم ان پر ثابت ہو چکا تھا۔اس مرحلہ پر ملزمین لالہ شرمت رائے اور لالہ ملاوامل اور بعض دوسرے لوگوں کو لیکر حضرت اقدس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔حضرت اقدس ان لوگوں سے اس مکان میں ملے۔......... جو حضرت صاحب زادہ مرزا شریف احمد صاحب کا حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان کے اُوپر بنا ہوا ہے۔اس موقعہ پر انہوں نے بڑی معذرت کی اور یہ بھی کہا کہ آپ کے بزرگ ہمیشہ ہم سے سلوک کرتے آئے ہیں اور یہ بھی بڑے موثق وعدوں کے ساتھ کہا کہ آئندہ ایسی حرکت سرزد نہ ہوگی۔حضرت مسیح موعودؑ نے ان کی عرضداشت کو سن کر معاف کر دیا۔اور مجھ کو حکم دیا کہ میں عدالت سردار غلام حیدر صاحب میں جا کر حضرت صاحب کی طرف سے کہوں کہ حضرت صاحب نے ان لوگوں کو معاف کر دیا ہے اور ہم نے مقدمہ چھوڑ دیا ہے۔میں نے واقعات کی صورت بیان کرتے ہوئے عرض کیا کہ یہ مقدمہ پولیس نے چالان کیا ہے اس میں سرکار مدعی ہے۔سولہ ملزم ہیں پولیس سولہ ملزموں کا رہا ہو جانا کبھی پسند نہیں کرے گی۔اور ہمارے اختیار سے باہر ہے کہ ہم یہ مقدمہ بطور راضی نامہ

ختم کردیں کیونکہ ہم مدعی نہیں پھر مقدمہ ایسے مرحلے پر ہے کہ صرف حکم باقی ہے اس پر آپ نے فرمایا کہ ''ہمارے اختیار میں جو کچھ ہے وہ کرلینا چاہیے میں نے ان کو معاف کردیا ہے۔ میری طرف سے جاکر کہہ دیا جاوے کہ انہوں نے معاف کردیا ہے۔ ہم کو اس سے کچھ غرض نہیں ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ اگر عدالت منظور نہ کرے تو اس میں ہمارا کوئی اختیار نہیں ہے فوراً چلے جاؤ''۔

دوسرے دن تاریخ تھی میں اور مفتی فضل الرحمان صاحب گئے اور عدالت میں جاکر..... حضرت اقدس کا فیصلہ سنا دیا۔ وہی تاریخ حکم سنانے کے لیے مقرر تھی۔ پولیس کو قدرتی طور پر جو افسوس ہونا چاہئے تھا وہ ظاہر ہے۔ مجسٹریٹ صاحب نے کہا کہ اب کیا ہو سکتا ہے؟ آپ کا کیا اختیار ہے؟ سرکار مدعی ہے۔ تمام روئیداد مقدمہ ختم ہو چکی ہے صرف حکم باقی ہے میں نے عرض کیا کہ کچھ بھی ہو حضرت صاحب نے معاف کر دیا ہے آپ کا جو اختیار ہے آپ کریں ہم کو یہی حُکم ہے اور آپ تک پہنچا دیا۔ اس پر مجسٹریٹ صاحب بہت متاثر ہوئے اور انہوں نے کہا کہ جب حضرت صاحب نے معاف کر دیا تو میں بھی معاف ہی کرتا ہوں۔

اور ملزموں کو مخاطب کر کے اس نے کہا کہ ایسا مہربان انسان کم دیکھا گیا ہے جو دشمنوں کو اُس وقت بھی معاف کر دے جبکہ وہ اپنی سزا بھگتنے والے ہوں اور بہت ملامت کی کہ ایسے بزرگ کی جماعت کو تم تکلیف دیتے ہو بڑے شرم کی بات ہے۔ آج تم سب سزا پاتے مگر یہ مرزا صاحب کا رحم ہے کہ تم کو جیل خانے سے بچا دیا۔

یہ واقعہ کوئی ایسا واقعہ نہیں کہ قادیان میں کسی کو معلوم نہ ہو۔ یہ وہ دشمن تھے جنہوں نے حضرت صاحب کی مہمانوں کے دامنوں میں پاخانہ ڈلوایا اور ایسا ذلیل فعل کیا جو انسانیت کو اس پر ماتم کرنا پڑتا ہے مگر باوجود اس کے آپ کے رحم اور عفو کو دیکھو کہ آخری وقت میں جبکہ وہ سزا کا حکم سننے کو تیار تھے معاف کر دیا۔ عفو اور درگزر کی ایسی مثال کم ملے گی۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 121.117 سن اشاعت 1924ء)

<u>نہال سنگھ بانگرو پر دوران مقدمہ میں احسان</u>

اسی مقدمہ کے دوران ایک شخص سنتا سنگھ بانگرو بھی ملزم تھا۔ اس کا ایک چچا نہال سنگھ بانگرو تھا۔ ادھر اس نے فریق مخالف کو مقدمہ دائر کرنے پر آریوں کے ساتھ مل کر اُکسایا تھا چند ہی روز بعد اسے مشک کی ضرورت پڑی اور یہ ظاہر بات ہے کہ وہ نہایت قیمتی چیز ہے۔ میں اس وقت موجود تھا جب کہ وہ حضرت اقدس کے دروازے پر گیا اور دستک دی۔ حضرت صاحب باہر تشریف لائے اس نے کہا کہ '' مرزا صاحب مشک کی ضرورت ہے کسی جگہ سے ملتی نہیں آپ کچھ مشک دے دیں''۔

حضرت صاحب کو علم تھا کہ یہ اس فتنہ میں ایک لیڈر کی طرح حصّہ لیتا ہے حضرت صاحب نے بجز اس کے کچھ جواب نہ دیا کہ ٹھہرو میں لاتا ہوں چنانچہ آپ اندر تشریف لے گئے۔ اور قریباً نصف تولہ مشک اس کے حوالہ کر دی۔ یہ ہے عفو و عطا کی ایک عدیم المثال نظیر جو حضرت مسیح موعودؑ کے کیریکٹر میں پائی جاتی ہے۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 121 سن اشاعت 1924ء)

<u>اپنے عم زاد بھائیوں کو باوجود ان سے دُکھ اُٹھانے کے معاف کردیا</u>

جن دوستوں کو قادیان آنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ان کو دفتر بیت المال اور محاسب کے محل وقوع کا پتہ ہے اور اس کے سامنے گول کمرہ ہے۔ دفتر محاسب اور گول کمرہ کی دیوار کے درمیان سے بازار اور مسجد اقصیٰ کو راستہ جاتا ہے اور چھوٹی مسجد کو بھی۔ آج سے پچیس برس پیشتر نہ تو گول کمرہ کے سامنے کے احاطہ کی دیواریں تھیں اور نہ دفتر محاسب کے کمرے تھے۔ دفتر محاسب کے کمروں کی بجائے ایک چار دیواری بدوں چھت کے تھی اور اس جگہ کسی زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چچازاد بھائیوں کا خراس ہوتا تھا۔ بالآخر یہ جگہ خاکسار ایڈیٹر الحکم کے توسط سے خریدی گئی اور

توسیع مسجد مبارک کے لیے اسے مخصوص کیا گیا۔ نیچے دفاتر اور اُوپر کا حصّہ شامل مسجد مبارک ہو گیا۔

غرض وہ گلی جو بازار اور جامع مسجد کو جاتی ہے ایک شارع عام تھی۔ حضرت مسیح موعودؑ کے چچازاد بھائیوں میں سے مرزا امام الدین کو حضرت صاحب اور سلسلہ کے ساتھ عدوات اور عناد تھا۔ اور وہ کوئی دقیقہ تکلیف دہی کا اُٹھا نہ رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ اس نے اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ مل کر اس راستہ کو جو بازار اور مسجد مبارک کا تھا ایک دیوار کے ذریعے بند کر دیا۔ دیوار ہماری آنکھوں کے سامنے بن رہی ہے تھی اور ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کی یہ وجہ نہ تھی کہ ہم کچھ نہ کر سکتے تھے بلکہ حضرت مسیح موعودؑ کی تعلیم تھی کہ شر کا مقابلہ شر سے نہ کرو۔

ورنہ اگر چہ جماعت اس وقت بہت قلیل تھی اور قادیان میں بہت ہی تھوڑے آدمی تھے لیکن اگر اجازت ہوتی تو وہ دیوار ہرگز نہ بن سکتی۔ چنانچہ ایک دوسرے موقعہ پر جب حضرت مسیح موعودؑ کی اجازت سے حضرت کی ذاتی زمین پر ایک مکان بنانے کا اِرادہ کیا گیا اور فریق مخالف نے روکنے کا اِرادہ کیا تھا تو ایک ہی دن میں وہ پورا مکان بن گیا تھا۔ وہ ایام عجیب ایام تھے۔ ابتلاؤں پر ابتلاء آتے تھے اور جماعت ان ابتلاؤں کے اَندر ایک لذیذ ایمان کے ساتھ اپنی ترقی کی منزلیں طے کرتی تھی۔ غرض وہ دیوار چن دی گئی اور اس طرح ہم سب کے سب پانچ وقت کی نمازوں کے لیے مسجد مبارک میں جانے سے روک دیئے گئے۔ اور مسجد مبارک کے لیے حضرت صاحب کے مکانات کا ایک چکر کاٹ کر آنا پڑتا تھا۔ یعنی اس کوچہ میں سے گزرنا پڑتا تھا جو حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہٗ کے مکان کے آگے سے جاتا ہے اور پھر منور بلڈنگ کے پاس سے بازار کی طرف کو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے مکان کی طرف کو چلا جاتا ہے۔ جماعت میں بعض کمزور اور ضعیف العمر انسان بھی تھے۔ بعض نابینا تھے۔ اور بارشوں کے دن تھے۔ راستہ میں کیچڑ ہوتا تھا۔ اور بعض بھائی اپنے مولیٰ حقیقی کے حضور نماز کے لیے جاتے ہوئے گر پڑتے تھے۔ اور ان کے کپڑے گارے کیچڑ میں لت پت ہو جاتے تھے۔ ان تکلیفوں کا تصوّر بھی آج مشکل ہے جبکہ احمدیہ چوک میں پکے فرش پر سے احباب گزرتے ہیں۔ حضرت مسیح موعودؑ اپنے خدام کی ان تکالیف کو دیکھ کر بہت تکلیف محسوس کرتے تھے۔ مگر کچھ چارہ سوائے اس کے نہ تھا کہ حضرت ربّ العزت کے سامنے گڑگڑائیں۔

غرض وہ دیوار ہو گئی۔ راستہ بند ہو گیا۔ اور پانی تک بند کر دیا گیا آخر مجبوراً عدالت میں جانا پڑا۔ اور عدالت کے فیصلہ کے موافق خود دیوار بنانے والوں کو اپنے ہی ہاتھ سے دیوار ڈھانی پڑی جو بجائے خود ایک نشان تھا اور اس کی تفصیل انہیں دنوں میں الحکم میں چھپ چکی ہے۔ (دیکھو الحکم 24 اگست 1901ء) عدالت نے نہ صرف دیوار گرانے کا حکم دیا بلکہ حرجانہ اور خرچہ کی ڈگری بھی فریق ثانی پر کر دی۔ ناظرین خیال کریں گے کہ جس فریق نے آپ کو اور آپ کی جماعت کو اس قدر تکلیف دی ہو کہ ان کی آمد و رفت کا راستہ محض ایذاء دہی کے لیے بند کر دیا ہو اور پانی بند کر کے کربلا کا نمونہ دکھایا ہو۔ کیا وہ فریق اس قابل تھا کہ اس کے ساتھ کوئی سلوک کیا جاتا؟ اس جرم کی پاداش میں جو سلوک بھی ان سے کیا جاتا وہ عقل اور انصاف و اخلاق کے معیار پر بالکل جائز اور درست ہوتا مگر اخلاق اور اعلیٰ اخلاق کے معلم کی زندگی کے آئینہ میں دیکھو کہ وہ ان دشمنوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے۔

حضرت اقدسؑ نے کبھی اس خرچہ اور حرجہ کی ڈگری کا اجرا پسند نہ فرمایا۔ یہاں تک کہ اس کی معیاد گزرنے کو آ گئی۔ جب گورداسپور میں مقدمات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا تو خواجہ کمال الدین صاحب نے محض اس خیال سے کہ اس کی معیاد نہ گزر جائے اس کے اجراء کی کاروائی کی۔ اور اس میں حسب ضابطہ نوٹس مرزا نظام الدین صاحب کے نام جاری ہوا کہ اس وقت فریق ثانی میں سے وہی زندہ تھے۔ مرزا امام الدین فوت ہو چکے تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ کو اس واقعہ کی کچھ خبر نہ تھی۔ مرزا نظام الدین صاحب کو جب نوٹس ملا تو انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کو ایک خط لکھا۔ میں اس

وقت قادیان میں موجود تھا۔ مرزا نظام الدین صاحب نے مجھ کو وہ خط سنایا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ دیوار کے مقدمہ کے خرچہ وغیرہ کی ڈگری کے اجراء کا نوٹس میرے نام آیا ہے اور میری حالت آپ کو معلوم ہے۔ اگرچہ میں قانونی طور پر اس روپیہ کے ادا کرنے کا پابند ہوں اور آپ کو بھی حق ہے کہ آپ ہر طرح وصول کریں۔ مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ ہماری طرف سے ہمیشہ کوئی نہ کوئی تکلیف آپ کو پہنچتی رہی ہے۔ مگر یہ بھائی صاحب کی وجہ سے ہوتا تھا۔ مجھ کو بھی شریک ہونا پڑتا تھا۔ آپ رحم کر کے معاف فرما دیں آپ تو اس قابل ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہ اس خط کا مفہوم تھا اور یہ بھی چاہا گیا تھا کہ اگر معاف نہ کریں تو باقساط وصول کرلیں۔

حضرت اقدس اس وقت گورداسپور میں مقیم تھے اور یہ بارشوں کے ایام تھے حضرت اقدس کے پاس جس وقت خط پہنچا آپ نے سخت رنج کا اظہار کیا کہ کیوں اجراء کرائی گئی ہے مجھ سے کیوں دریافت نہیں کیا گیا۔ اس وقت خواجہ صاحب نے یہ عذر کیا کہ ''محض میعاد کو محفوظ کرنے کے لیے ایسا کیا گیا۔ **وَاِلَّا** اجرا مقصود نہ تھا''۔

حضرت اقدسؑ نے عذر کو بھی پسند نہ فرمایا اور فرمایا کہ آئندہ کبھی اس ڈگری کو اجراء نہ کرایا جاوے۔ ہم کو دُنیا داروں کی طرح مقدمہ بازی اور تکلیف دہی سے کچھ کام نہیں۔ انہوں نے اگر تکلیف دینے کے لیے یہ کام کیا تو ہمارا یہ کام نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ نے مجھے اس غرض کے لیے دنیا میں نہیں بھیجا۔ اور اسی وقت ایک مکتوب مرزا نظام الدین صاحب کے نام لکھا اور مولوی یار محمد صاحب کو دیا کہ وہ جہاں ہوں اُن کو فوراً پہنچائیں۔ چنانچہ مولوی یار محمد صاحب اسے لے کر قادیان پہنچے اور قادیان میں انہیں نہ پا کر اور یہ معلوم کر کے کہ مرزا نظام الدین صاحب موضع مسانیاں گئے ہوئے ہیں مسانیاں پہنچے۔ اور وہاں جا کر وہ خط اُن کو دیا گیا جس میں نہایت ہمدردی کا اظہار تھا اور ان کو اس ڈگری کے کبھی اجراء نہ کرنے کے متعلق یقین دلایا گیا تھا اور سب کچھ معاف کر دیا تھا۔ مرزا نظام الدین صاحب پر اس خط کا جو اثر ہوا وہ ان کی زندگی کے باقی ایام سے ظاہر ہوتا تھا کہ انہوں نے عملاً مخالفت کو ترک کر دیا تھا۔ میں نے نہایت سادہ الفاظ میں واقعات کو لکھ دیا ہے اس سے حضرت مسیح موعودؑ کے عفو و درگزر کی جو نمایاں مثال نظر آتی ہے مجھ کو ضرورت نہیں کہ اسے رنگ آمیزی سے پیش کروں۔ یہ ہے عفو اور درگزر کا نمونہ اور دشمنوں کو معاف کرنے کی تعلیم کا عملی سبق جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی جماعت کو دیا۔ (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ نمبر 125.121 سن اشاعت 1924ء)

مرزا نظام الدین صاحب کا ایک اور واقعہ

اسی سلسلہ میں مجھے ایک اور واقعہ کا اضافہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ صرف معاف ہی نہیں کر دیا بلکہ مزید احسان اور لطف فرمایا۔ ہمارے ایک نہایت ہی دوست اور حضرت کی راہ میں فدا شدہ بھائی حضرت حکیم فضل الدینؓ کے ساتھ قادیان کے ایک جولاہا نے (جو ہمیشہ مقدمہ بازی کرنا ضروری سمجھتا تھا) ایک زمین کے متعلق جہاں آج کل شیخ نور الدین تاجر کا مکان ہے مقدمہ بازی شروع کر دی۔ وہ جگہ دراصل حضرت کی ہی تھی حکیم فضل الدین صاحب کو دے دی گئی تھی۔ سو اس جولاہا نے حکیم صاحب مرحوم کے خلاف ایک مقدمہ دائر کر دیا۔ چونکہ حضرت اقدس پسند نہ فرماتے تھے کہ شرارتوں کا مقابلہ کیا جاوے آپ نے حکیم فضل الدین صاحب کو حکم دیا کہ جواب دہی چھوڑ دو۔ زمینوں کی پرواہ نہیں خدا تعالیٰ چاہے گا تو آپ ہی دے دے گا، زمین خدا کی ہے۔ مرزا نظام الدین صاحب کو جب معلوم ہوا تو انہوں نے کہلا بھیجا کہ آپ اپنے حق کو تو چھوڑتے ہیں مجھے ہی زمین دے دیں اور میں قیمت بھی دے دوں گا۔ چنانچہ انہوں نے ایک پرامیسری نوٹ بھی لکھ کر بھیج دیا۔ حضرت نے فرمایا کہ مرزا نظام الدین صاحب کو ہی یہ ٹکڑا زمین کا دے دیا جاوے چنانچہ وہ قطعہ زمین کا دے دیا گیا۔ جو بعد میں مرزا صاحب موصوف نے ایک معقول قیمت پر حضرت کے ایک خادم کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ مگر حضرت نے کبھی اس زمین کی قیمت یا پرامیسری نوٹ کی رقم کا مطالبہ نہ

فرمایا۔اس لیے کہ آپ کی فطرت ہی میں احسان و مروّت رکھی گئی تھی۔ یہ واقعہ ایسے وقت کا ہے کہ اس مقدمہ کی کل کاروائی ختم ہو چکی تھی حضرت مسیح موعودؑ کو بھی فریق ثانی نے بطور شہادت طلب کرایا تھا اور اس طرح پر آپ کو اور آپ کی جماعت کو تکلیف رسانی میں کمی نہ کی تھی۔مقدمہ کی حالت یہ تھی کہ اس میں اب حکم سنانا باقی تھا اور وہ ہمارے حق میں تھا۔مگر آپ نے ایسے وقت میں اس زمین کو مرزا نظام الدین صاحب کے عرض کرنے پر ان کو دے دیا۔

اَمر واقعہ کے طور پر میں یہ لکھنے پر مجبور ہوں کہ سلسلہ کے ابتدائی ایام میں مرزا نظام الدین صاحب اور ان کے زیر اثر لوگوں کی وجہ سے ہماری جماعت کو ایسی تکالیف پہنچ چکی تھیں کہ قدرتی طور پر کوئی دنیادار ان کے مقابلہ میں ہوتا تو ان کی تکلیف اور ایذاء رسانی کے لیے منتقمانہ طور پر جو چاہتا کرتا مگر نہیں حضرت مسیح موعودؑ کو جب موقعہ ملا اور ان پر ایک اقتدار حاصل ہوا تو آپ نے اسی طرح ۔**لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ** کہہ دیا اس طرح پر سیّد الرسل صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا تھا۔(سیرت حضرت مسیح موعودؑ ،مرتبہ یعقوب علی عرفانی ،صفحہ نمبر 126.125 سن اشاعت 1924ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیاں

یہ 1876ء کا واقعہ ہے کہ آپ کے والد بیمار ہوئے لیکن پھر صحت بھی ہو گئی۔معمولی بیماری باقی تھی کہ یکا یک حضور کو الہام ہوا کہ "**وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ** "اور اس کے معنی ہیں کہ قسم ہے آسمان کی اور قسم ہے اس حادثہ کی جو سورج غروب ہونے کے بعد ظاہر ہوگا اور پھر ساتھ ہی یہ سمجھا دیا گیا کہ یہ تمہارے والد کی وفات کی طرف اشارہ ہے۔گویا یہ خُدا کی طرف سے عزاپُرسی تھی۔یعنی ایک طرح کا اظہار ہمدردی تھا اور آپ سمجھ گئے کہ مجھے یہ میرے والد کی وفات کی خبر دی گئی ہے جو غروب آفتاب کے بعد ہوگی اور پھر حضرت صاحب نے اپنی کتابوں میں قسم کھا کر یہ اعلان کیا ہے کہ ایسا ہی واقعہ ہوا جیسا کہ خُدا نے آپ کو الہام کے ذریعہ بتایا تھا اور سورج ڈوبنے کے بعد آپ کے والد وفات پا گئے۔

"**اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ**" یہ الہام حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اُن کے والد کی وفات کے دن ہوا۔

(حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیاں ،تالیف حسن محمد عارف ،صفحہ 6.7 سن اشاعت 2007ء)

ایک مرتبہ حضور کو الہام ہوا کہ:" **آج حاجی ارباب محمد لشکر خاں کے قرابتی کا روپیہ آتا ہے**"۔اور آپ نے یہ پیشگوئی اپنے گاؤں کے رہنے والے دو ہندوؤں کو بھی سُنا دی ان کا نام شرمپت اور ملاوامل تھا۔اور انہی دونوں میں سے ایک یعنی ملاوامل ڈاکخانہ گیا تا کہ معلوم کرے کہ واقعی ارباب محمد لشکر خان کے کسی رشتہ دار کی طرف سے روپیہ آیا ہے یا نہیں وہاں گئے تو معلوم ہوا کہ خط آیا جس میں لکھا تھا کہ ارباب محمد سرور خان نے دس روپے بھیجے ہیں۔لیکن آریوں نے اِنکار کیا کہ یہ ارباب محمد سرور خان ارباب لشکر خان کا کوئی رشتہ دار ہے۔اُس وقت حضور نے ایک شخص منشی الٰہی بخش کو خط لکھا۔اور پوچھا کہ ارباب محمد سرور خان کی ارباب محمد لشکر خان سے کیا رشتہ داری ہے۔تو ان کا جواب آیا کہ سرور خان کا بیٹا ہے اور یوں ہندو لاجواب ہو گئے۔(حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیاں ،تالیف حسن محمد عارف ،صفحہ 40 سن اشاعت 2007ء)

اسی طرح ایک وحی ہوئی کہ:" **عبداللہ خان۔ڈیرہ اسماعیل خان**"۔یہ صبح کا وقت تھا اور اس وقت کچھ ہندو بھی پاس موجود تھے۔ان میں سے ایک شخص کا نام بشن داس تھا۔حضور نے ان سب کو بتایا کہ خُدا نے مجھے یہ سمجھایا ہے کہ اس نام کے ایک شخص کی طرف سے کچھ روپیہ آئے گا۔تو بشن داس نے کہا کہ اچھا میں خود ڈاکخانہ جا کر پتہ کروں گا۔ان دنوں ڈاک دو بجے آیا کرتی تھی۔وہ اسی وقت ڈاکخانہ گیا۔اور جواب لایا کہ ڈیرہ اسماعیل خان سے ایک دوست عبداللہ خان نے روپیہ بھیجا ہے۔اور پھر اس نے بڑی حیرت سے پوچھا کہ آپ کو یہ بات معلوم ہو گئی۔تو حضور نے

جواب دیا کہ وہ خُدا جس کو تم نہیں جانتے یہ خبر اُس نے دی ہے۔(حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیاں،تالیف حسن محمد عارف،صفحہ 41 سن اشاعت 2007ء)

سیالکوٹ میں ایک صاحب لالہ بھیم سین ہوتے تھے۔انہوں نے وکالت کا امتحان دیا تو حضور نے انہیں اطلاع دی کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتایا ہے کہ اس ضلع کے سب اشخاص جنہوں نے امتحان دیا ہے فیل ہو جائیں گے اور صرف لالہ بھیم سین پاس ہونگے اور یہ خبر نہ صرف لالہ بھیم سین کو دی بلکہ تیس کے قریب اور لوگوں کو بھی سُنا دی گئی چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سیالکوٹ کی ساری جماعت فیل ہوگئی اور صرف لالہ بھیم سین ہی پاس ہوئے۔

(حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیاں تالیف حسن محمد عارف صفحہ 41)

حضور کو خواب میں دکھایا گیا کہ شیخ مہر علی صاحب رئیس ہوشیار پور کے فرش کو آگ لگی ہوئی ہے۔اور حضور نے اس آگ کو بار بار پانی ڈال کر بجھایا ہے۔اور پھر اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس خواب کے معنی سمجھائے کہ شیخ صاحب پر اور ان کی عزت پر بڑی مصیبت آئے گی اور پھر وہ مصیبت صرف حضور کی دُعاؤں سے ہی دُور ہوگی۔اور شیخ صاحب کو بذریعہ خط اس کی اطلاع بھی کردی گئی چنانچہ اس کے چھ ماہ بعد شیخ صاحب ایک الزام میں پھنس گئے ان پر ایک مقدمہ بن گیا بلکہ یہاں تک کہ انہیں پھانسی کی سزا کا حکم بھی ہوگیا۔ایسے وقت میں ان کے بیٹے کی طرف سے دُعا کی درخواست ملی کہ ان کی رہائی کے لیے دُعا کی جائے اور پھر حضور نے ان کے لیے دُعا کی اور ان کے بیٹے کو ان کی رہائی کی خوشخبری لکھ دی گئی۔

چنانچہ اس کے بعد وہ رہا ہوگئے۔(حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیاں تالیف حسن محمد عارف صفحہ 42)

ایک دفعہ آپ نے عالم کشف میں دیکھا کہ آپ کا چوتھا بیٹا صاحبزادہ مبارک احمد چٹائی کے پاس گر پڑا اور اسے سخت چوٹ آئی ہے۔اور کُرتہ خون سے بھر گیا ہے۔خُدا کی قدرت کہ ابھی اس کشف کو تین منٹ ہی ہوئے تھے کہ حضور اپنے کمرہ سے باہر آئے تو دیکھا کہ مبارک احمد جس کی عمر قریباً سوا دو سال کی تھی کا پیر پھسل گیا اور وہ گر گیا اور زمین پر جا پڑا۔اور اسے چوٹ بھی لگی اور کپڑے خون سے بھر گئے اور بالکل جیسے کشف میں دیکھا تھا۔بالکل ویسے ہی واقعہ بھی ہوگیا۔اور اس بات کی بہت سی عورتیں جو گھر میں تھیں گواہ ہیں۔

(حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیاں،تالیف حسن محمد عارف،صفحہ 43 سن اشاعت 2007ء)

1897ء میں مرزا یعقوب بیگ صاحب نے جو میڈیکل کالج میں پڑھتے تھے ڈاکٹری کا امتحان دیا۔اور حضور نے ان کے لیے دُعا کی تو الہام ہوا:"تم پاس ہوگئے ہو"۔اور اس بات کی طرف اشارہ تھا کہ یعقوب بیگ کامیاب ہو جائے گا اور ایسا ہی واقعہ ہوا کہ یہ نوجوان بڑی خوبی سے پاس ہوا اور لاہور کے ہی میڈیکل کالج میں ہاؤس سرجن مقرر ہوا۔(حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیاں،تالیف حسن محمد عارف،صفحہ 43 سن اشاعت 2007ء)

اسی طرح ایک اور الہام کے بارہ میں حضور نے اپنی کتابوں میں تحریر فرمایا ہے کہ حضور کے بیٹے مرزا بشیر احمد صاحب کی بچپن میں آنکھیں خراب ہو گئیں اور ہر وقت پانی بہتا رہتا تھا یہاں تک کہ پلکیں بھی گر گئیں ایک لمبے عرصہ تک دیسی علاج بھی کیا اور انگریزی بھی کیا لیکن کچھ فائدہ نہ ہوتا تھا کہ تکلیف ویسی کی ویسی ہی تھی۔جس کی وجہ سے حضور کو پریشانی بھی تھی کیونکہ آنکھوں کا معاملہ تھا اگر بڑھ جاتا تو آنکھیں ضائع ہونے کا خطرہ بھی تھا جس کی وجہ سے فکر تھا۔علاج سے بجائے فائدہ ہونے کے بیماری بڑھتی چلی جارہی تھی۔تو حضور نے اپنے بچے کے لیے دُعا کی تو اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ:۔ **"بَرَّقَ طِفْلِیْ بَشِیْرٌ"**۔یعنی میرے بچے بشیر کی آنکھیں اچھی ہوگئیں۔اللہ تعالیٰ نے بچے کو شفا دے دی اور آنکھیں بالکل تندرست ہوگئیں۔اسی کو اللہ تعالیٰ کی قدرت کہتے ہیں وہ جب چاہتا ہے اور جو چاہتا ہے کرتا ہے۔اگر وہ چاہے تو علاج کے ذریعہ شفا بخشے اور اگر نہ چاہے تو اسی علاج کے ذریعہ صحت نہ دے۔پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اطلاع دی کہ بشیر کو شفا ہوگئی تو ایک ہفتہ کے اندر آرام آگیا اور سب پریشانیاں اور فکر دُور ہوگئے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن**۔

(حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیاں،تالیف حسن محمد عارف،صفحہ 45 سن اشاعت 2007ء)

یہ 1888ء کا واقعہ ہے جو حضور نے اپنی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ حضور کو پچاس روپے کی ضرورت پیش آئی اور اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت حضور کے پاس کچھ نہ تھا اور جب صبح کے وقت حضور سیر کے لیے تشریف لے گئے تو اس ضرورت کے خیال سے طبیعت میں جوش پیدا ہوا کہ اس ضرورت کے لیے دُعا کریں۔ پس حضور نے اس جنگل میں جا کر اس نہر کے کنارہ پر جو قادیان سے تین میل کے فاصلہ پر بہتی ہے دُعا کی تو دُعا کے بعد حضور کو عربی میں الہام ہوا جس کا ترجمہ ہے کہ: ''دیکھ میں تیری دُعاؤں کو کیسے قبول کرتا ہوں''۔ تو حضور خوشی خوشی قادیان واپس آئے اور بازار کی طرف تشریف لے گئے تا کہ ڈاکخانہ جا کر معلوم کریں کہ کیا کوئی رقم آئی ہے یا نہیں۔ چنانچہ وہاں حضور کو ایک خط ملا جس میں لکھا تھا کہ لدھیانہ سے کسی نے پچاس روپے بجھوائے ہیں۔ اور پھر وہ روپیہ حضور کو اسی دن یا اگلے دن مل بھی گیا۔

(حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی پیشگوئیاں، تالیف حسن محمد عارف، صفحہ 46 سن اشاعت 2007ء)

اپنے چچازاد بھائیوں کے اہل وعیال کی نسبت پیشگوئی

اپنے چچازاد بھائیوں مرزا امام الدین ونظام الدین کے مطالبہ اور اصرار پر کہ ہمیں کوئی نشان دکھلایا جاوے۔ حضرت اقدس نے 5 اگست 1885ء کو یہ پیشگوئی کی کہ: ''مرزا امام الدین کی نسبت مجھے الہام ہوا ہے کہ اکتیس ماہ تک ان پر ایک سخت مصیبت پڑے گی یعنی ان کے اہل وعیال میں سے کسی مرد یا کسی عورت کا انتقال ہو جائے گا۔ جس سے ان کو سخت تکلیف اور تفرقہ پہنچے گا۔ آج ہی کی تاریخ کے حساب سے جو تیئس ساون 1942ء مطابق 5 اگست ہے۔ **یہ واقعہ ظہور میں آئے گا''۔**

اس پیشگوئی پر حسب ذیل ہندوؤں کے بطور گواہ دستخط ہیں۔ پنڈت بھارامل ساکن قادیان بقلم خود۔ پنڈت بیجناتھ بقلم خود۔ بشن داس برہمن بقلم خود۔ بشن داس کھتری بقلم خود۔

چنانچہ ایسا ہی واقعہ بھی ہو گیا یعنی عین اکتیسویں مہینہ کے درمیان مرزا نظام الدین کی دختر یعنی مرزا امام الدین کی بھتیجی بعمر پندرہ سال ایک بہت چھوٹا بچہ چھوڑ کر فوت ہو گئی۔ (حیات طیبہ، مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر، صفحہ 61.60 سن اشاعت 1960ء)

کثرت اولاد کی پیشگوئی

''تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا تیری نسل بہت ہوگی۔ اور میں تیری ذریت کو بڑھاؤں گا۔ اور برکت دوں گا مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت بھی ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی اور ہر یک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائے گی اور وہ جلد لاولد رہ کر ختم ہو جائے گی۔ اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خُدا ان پر بلا پر بلا نازل کرے گا یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائیں گے''۔

(اشتہار 20 فروری 1886ء مجموعہ اشتہارات جلد اوّل صفحہ 102) (سیرت حضرت مسیح موعودؑ، مرتبہ یعقوب علی عرفانی، صفحہ 617 سن اشاعت 1924ء)

زارِ روس کا المناک انجام

پہلی جنگ عظیم سے قبل زارِ روس کی حکومت دُنیا کی طاقتور ترین حکومت سمجھی جاتی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے خُدا سے خبر پا کر 5 اپریل 1905ء میں پیشگوئی فرمائی کہ وقت آ رہا ہے جب زارِ روس کی حالت قابلِ رحم ہو جائے گی۔ آپ فرماتے ہیں:۔

"زار بھی ہوگا تو ہوگا اس گھڑی باحالِ زار"۔ (براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 152.151)

اس پیشگوئی کے مطابق 1914ء میں پہلی جنگ عظیم شروع ہوئی بے شمار جانیں ضائع ہوئیں اور خون کی ندیاں بہہ گئیں اور روس میں اس انقلاب کے نتیجہ میں آناً فاناً زارِ روس کا نہ صرف خاتمہ ہو گیا بلکہ اس کی اور اس کے خاندان کی حالت واقعی ایسی ہو گئی جو عبرتناک تھی اور زارِ روس باحالِ زار

ہو گیا۔(دینی نصاب نومبائعین کی تربیت کے لیے،مرتبہ نظارت نشر واشاعت،صفحہ 196.195 سن اشاعت 1999ء)

آہ نادر شاہ کہاں گیا

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو 3 مئی 1905ء کو ایک رؤیا ہوا فرمایا:" صبح کے وقت لکھا ہوا دکھایا گیا" آہ نادر شاہ کہاں گیا"۔

(تذکرہ صفحہ 547 چوتھا ایڈیشن)(دینی نصاب نومبائعین کی تربیت کے لئے،مرتبہ نظارت نشر واشاعت،صفحہ 196 سن اشاعت 1999ء)

اس الہام کا تعلق سر امن کابل سے ہے 1883ء میں جو الہامات حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر نازل ہوئے ان میں سے ایک یہ تھا۔

شَاتَانِ تُذْبَحَانِ وَكُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔(تذکرہ صفحہ 88 طبع چہارم)

یعنی دو بکریاں ذبح کی جائیں گی اور زمین پر کوئی ایسا نہیں جو مرنے سے بچ جائے گا۔یعنی ہر ایک کے لیے قضاء قدر درپیش ہے اور موت سے کسی کی خلاصی نہیں۔اس پیشگوئی کے مطابق 1903ء میں حضرت شہزادہ سیّد عبد اللطیف صاحب اور مولوی عبد الرحمٰن صاحب جو کابل کے رہنے والے تھے افغانستان کے شاہی خاندان کے حکم سے صرف اس وجہ سے سنگسار کر دیئے گئے انہوں نے احمدیت کو قبول کر لیا تھا۔یہ کاروائی امیر حبیب اللہ خاں کے دَور میں ہوئی۔

پھر یکم جنوری 1906ء کو الہام ہوا:''تین بکرے ذبح کئے جائیں گے''۔(تذکرہ صفحہ 589 چوتھا ایڈیشن)

چنانچہ یہ الہام 1924ء میں اس طرح پورا ہوا کہ افغانستان کے اسی شاہی خاندان کے آخری حکمران امیر امان اللہ خاں کے حکم سے جماعت احمدیہ کے تین اور افراد یعنی حضرت مولوی نعمت اللہ خاں صاحب،حضرت مولوی عبد الحکیم صاحب اور ملا نور علی صاحب صرف احمدیت کی وجہ سے شہید کر دیئے گئے۔اوّل الذکر 31 اگست 1924ء کو شہید کئے گئے اور دوسرے دو افراد 2 فروری 1925ء کو شہید کیے گئے۔اللہ تعالیٰ کے علم میں تھا کہ افغانستان کا یہ شاہی خاندان بے گناہ احمدیوں کے خون سے ہاتھ رنگے گا اس لیے علام الغیوب خدا نے ایک اور خبر'' آہ نادر شاہ کہاں گیا'' کے الفاظ میں دی اور فرمایا کہ یہ خاندان اپنے کیے کی سزا بھگتے گا۔چنانچہ 1929ء میں ایک نہایت ہی معمولی شخص حبیب اللہ خاں المعروف بچہ سقّہ کے ہاتھوں اس خاندان کا تخت اُلٹ گیا اور وہ وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے۔اس وقت نادر خاں نامی ایک جرنیل فرانس میں بیمار پڑا تھا افغانوں نے اس کو بلایا اور وہ افغانستان کا بادشاہ بن گیا۔اس نے''خان'' کا ملکی لقب ترک کر کے''شاہ'' کا لقب اختیار کیا اور''نادر شاہ'' کہلانے لگا۔پھر 8 نومبر 1933ء کو عین دن کے وقت ایک شخص عبد الخالق نے ایک بڑے مجمع میں اسے قتل کر دیا۔اس طرح نادر شاہ کی بے وقت اور اچانک موت نے نہ صرف افغانستان بلکہ تمام دُنیا کی زبان سے بے ساختہ یہ الفاظ نکلوا دیئے کہ'' آہ نادر شاہ کہاں گیا''۔

(دینی نصاب نومبائعین کی تربیت کے لیے،مرتبہ نظارت نشر واشاعت،صفحہ 196.197 سن اشاعت 1999ء)

کوریا کی نازک حالت

اللہ تعالیٰ نے حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کو ایک ایسے عالمی تغیر کی خبر دی جس کا دائرہ آپ کی زندگی میں ہی شروع ہو کر آئندہ پچاس سالوں پر محیط ہونے والا تھا۔یہ خبر مشرق بعید کے ایک چھوٹے سے اور غیر معروف ملک۔کوریا۔سے متعلق تھی۔اس ملک کا،ملک ھندیا سلطنتِ برطانیہ سے نہ اُس وقت براہِ راست کوئی تعلق تھا اور نہ اب ہے۔مگر عالم الغیب خُدا نے قادیان جیسے کور دِہ کے اَندر بیٹھے ہوئے اپنے ایک بندے کو اُس دُور افتادہ ملک کے اَندر بپا ہونے والے ایک بہت بڑے انقلابی تغیر کے بارے میں جو خبر دی،اس کے الفاظ یہ تھے:

''ایک مشرقی طاقت اور کوریا کی نازک حالت'' یہ الہام جیسا کہ اس کے الفاظ بتاتے ہیں،دو پیشگوئیوں پر مشتمل تھا۔ایک یہ کہ مشرق میں کوئی ایسی طاقت منصہ شہود آنے والی ہے جس کا پہلے کوئی قابل ذکر وجود نہیں تھا۔دوسرے یہ کہ اس طاقت کے عالم وجود میں آنے کے اثرات کے نتیجے میں

کوریا کی حالت نازک ہو جائے گی۔ الہام کے یہ دونوں پہلو جس حیرت انگیز طور پر پورے ہوئے۔ اور ایک بار نہیں، دو بار پورے ہوئے، تاریخ عالم اس پر گواہ ہے۔ یہ الہام حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر 1904ء میں نازل ہوا۔ اگرچہ ''الحکم'' میں اس کی اشاعت 10 جولائی 1905ء کی ہے۔ مگر ایڈیٹر 'الحکم' کا اس کے ساتھ ایک نوٹ بھی درج ہے جس میں انہوں نے الہام کے بروقت شائع نہ ہوسکنے پر معذرت کی ہے۔ تاہم الہام کی اشاعت میں تاریخ کا ابہام اس میں دی جانے والی آسمانی خبر کی اہمیت پر کوئی اثر نہیں ڈالتا۔ کیونکہ اس خبر کی عملی تعبیر بہرحال 1905ء کے بعد ظاہر ہونی شروع ہوئی۔ 1904ء میں کہ جب حضرت بانیٔ سلسلہؑ پر یہ الہام نازل ہوا۔ روس اور جاپان کے مابین جنگ شروع ہو چکی تھی۔ اس جنگ میں جو مئی 1905ء میں ختم ہوئی، روس جیسے عظیم ملک کو جاپان کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست اُٹھانی پڑی، جس کے نتیجے میں جاپان پہلی بار ایک مشرقی طاقت کے طور پر نمودار ہوا۔ اور کوریا جو اَب تک روسی تسلّط کے ماتحت چلا آرہا تھا، جاپان کے قبضے میں آگیا۔ یہی وہ وقت تھا، جب اس کی نازک حالت کا آغاز ہوا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نومبر 1905ء میں جاپانی افواج نے شاہ کوریا کے محل کا محاصرہ کرلیا اور اس سے جبراً ایک معاہدہ پر دستخط کروا کر تمام اُمورِ مملکت اپنے قبضہ میں لے لیے۔ پھر 1907ء میں انہوں نے شہنشاہ کوریا کو کلیۃً معزول کر کے اس کے بیٹے کو تخت پر بٹھا دیا مگر عملاً حکومت کے سارے اختیارات اپنے قبضے میں رکھے۔ یہاں تک کہ 1910ء میں جاپانیوں نے کوریا کو ایک جاپانی صوبہ قرار دے کر اہلِ کوریا کو ہر قسم کے انتظامی حقوق سے بے دخل کر دیا۔ کورین فوج برخاست کر دی گئی، پولیس اور عدلیہ میں حتیٰ کہ تمام چھوٹی بڑی ملازمتوں پر جاپانی افسر متعین کر دیئے گئے۔ اور کورین لوگوں کی حیثیت غلاموں کی سی ہو کر رہ گئی۔ کاٹن انسائیکلو پیڈیا کے مطابق انہیں پبلک میں مادری زبان میں گفتگو کرنے سے بھی قانوناً روک دیا گیا۔ اسی طرح انہیں اپنے تہوار منانے یا قومی لباس پہننے کی اجازت نہ تھی۔ پھر کوریا میں جو چاول اُگتا وہ جاپان پہنچا دیا جاتا۔ اور اہل کوریا جنگلی بوٹیوں اور درختوں کی چھالیں کھانے پر مجبور ہوگئے۔ مختصراً یہ کہ کوریا اپنے باشندوں کے لیے ایک ایسی ملک گیر جیل کی صورت اختیار کر گیا، جس میں ان کے تمام بنیادی حقوق سلب کر کے انہیں غلاموں سے بھی بدتر زندگی بسر کرنے پر مجبور کر دیا گیا۔

یہ حالت پورے چالیس سال تک قائم رہی۔ اس عرصہ کے دوران، جاپان نے جو مظالم کوریا پر ڈھائے اور جس رنگ میں وہ دیگر استعماری طاقتوں کے شانہ بشانہ اس کمزور اور بے بس ملک کا استحصال کرتا رہا، وہ سب کا سب اس الٰہی پیشگوئی کی صداقت ظاہر کرنے، حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السّلام کے منجانب اللہ ہونے اور آپ کے آقا محمد مصطفےٰ ﷺ کے زندہ رسول ہونے پر شاہد ناطق ہے۔ بالفاظ دیگر اس چالیس سالہ عرصہ کے دوران کوریا کے جسم پر برسنے والا ہر جاپانی کوڑا اور اس سرزمین سے اُٹھنے والی ہر انسانی چیخ، خُدا کی ہستی پر ایک زندہ ثبوت اور اسلام اور احمدیت کی صداقت کا ایک جلی اعلان بن گئی۔

دوسری طرف جاپان ایک چھوٹا سا جزیرہ ملک ہونے کے باوجود اس قدر طاقت اور قوت حاصل کر چکا تھا کہ جب جنگ عظیم دوم شروع ہوئی تو یہی جاپانی ایک آفت کا پرکالا بن کر مغرب کی متحدہ طاقتوں پر ٹوٹ پڑے۔ اتحادیوں کی تمام جنگی صلاحیتوں اور ان کے جدید ترین فنی حربے، اس تیز و تند سیلاب کے آگے خس و خاشاک کی طرح بہہ گئے۔ اور اگر امریکہ اس وقت جاپان کے اُوپر اپنے جوہری بم کا وہ ہلاکت آفرین ہتھیار استعمال نہ کرتا جس نے جنگ عالمگیر دوم کا نقشہ ہی بدل دیا تو جغرافیہ عالم کی شکل کچھ اور ہوتی۔

1954ء میں جنگ عظیم دوم کے خاتمے اور جاپان کی شکست کے بعد کوریا جاپانیوں کے قبضے سے نکل کر روس اور امریکہ کی مشترکہ کمان کے نیچے آگیا، جس کے نتیجے میں اس پر ڈھائے جانے والے ایک نئے دَور کا آغاز ہوا۔ وہ یوں کہ اس ملک کو ان دو مستقل اور متوازی ریاستوں ''شمالی کوریا'' اور ''جنوبی کوریا'' میں تقسیم کر دیا گیا۔ شمالی کوریا میں روس اور جنوبی کوریا میں امریکہ کچھ عرصہ تک تو اپنے اپنے مفادات کی خاطر اپنے اپنے

حصّوں کو عارضی فائدہ پہنچانے کی کوشش کرتے رہے۔اور اس طرح پر اگلے پانچ سالوں تک اس خطۂ زمین کو کسی قدر ستانے اور سکون کا سانس لینے کا موقع مل گیا۔مگر جلد ہی تاریخ کے پردے پر ایک اور مشرقی طاقت، اشترا کی چین نے جنم لیا۔یہ طاقت جس کی قیادت ماؤزے تنگ جیسے کہنہ ڈکٹیٹر کے آہنی ہاتھ میں تھی۔اس قدر قیامت خیز اور زلزلہ انگیز ثابت ہوئی کہ روس جس کی پوزیشن جنگ عظیم دوم کے بعد زیادہ مستحکم ہوگئی تھی۔اس کے آگے اپنے آپ کو بے بس پا کر میدان خالی کرنے پر مجبور ہوگیا اور شمالی کوریا عملاً اشترا کی چین کے قبضے میں آ گیا۔اس کے نتیجے میں شمالی کوریا اور جنوبی کوریا کے درمیان مسلح جھڑپوں کا ایک ایسا سلسلہ چل پڑا جس نے جلد ہی ایک باقاعدہ اور ہلاکت آفرین جنگ کی شکل اختیار کر کے کوریا کو ایک بار پھر ایک ہولناک تباہی سے دوچار کر دیا۔اس صورت حال میں کوریا کی حالت پہلے سے زیادہ ابتر ہوگئی۔اور یوں خُدا تعالیٰ کے فرستادہ کہ منہ سے نکلے ہوئے الفاظ ایک بار پھر پورے ہو کر عالم الغیب خُدا کی ہستی کے گواہ بن گئے۔

یہ جنگ جو ساڑھے تین سال تک جاری رہی۔اپنی تباہ کاریوں میں جاپانی دَور سے بھی زیادہ تباہ کن اور بربادی افگن ثابت ہوئی۔اس میں اقوام متحدہ کی چار لاکھ اڑتیس ہزار اور چین کی بارہ لاکھ اموات کے علاوہ صرف کوریائی باشندوں کی اموات کا اندازہ تیس لاکھ سے زیادہ ہے۔اِدھر الہامِ الٰہی کے نزول کے پچاس سال بعد مشرق بعید کا ایک بیمار، اپاہج اور مفلس ملک۔چین۔ایک نئی مشرقی طاقت بن کر اُبھرا اور اس کے ستر (70) کروڑ باشندے پنجاب کے ایک کور دِہ سے اُٹھنے والی آسمانی آواز کی صداقت کا زندہ اعلان بن گئے۔

(حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ السّلام کی پیشگوئیاں عالمی تغیرات کے بارے میں: مؤلفہ فضل الٰہی انوری: صفحہ 10 تا 15 طبع سوم 2006ء)

تزلزل 15 جنوری 1906ء

ایران ایک بہت پرانا تاریخی ملک ہے۔مدت ہائے دراز سے اس ملک کے بادشاہوں کا لقب کسریٰ چلا آتا تھا۔حضرت اقدس کو 15 جنوری 1906ء کو الہام ہوا۔''تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد'' جس وقت یہ الہام شائع ہوا ہے۔اس وقت ایران پر شاہ مظفرالدین حکمران تھے۔اور اس الہام سے چند ماہ قبل 1905 میں باشندگان ملک کے مطالبات کو قبول کر کے پارلیمنٹ کے قیام کا اعلان کر چکے تھے۔اور ایران کے لوگ بادشاہ کے اس اعلان سے بہت خوش تھے۔اور بادشاہ بھی اپنی مقبولیت پر خوش ہو رہا تھا، لیکن ربّ العرش خُدا جس نے الہام ''تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد'' نازل فرمایا تھا وہ اپنے اس الہام کو پورا کرنا چاہتا تھا۔مظفرالدین قاچار شہنشاہ ایران 1907ء میں وفات پا گئے اور ان کا ولی عہد مرزا محمد علی اپنے باپ کی جگہ تخت نشین ہوا۔اگرچہ اس نے بھی تختِ حکومت پر بیٹھتے ہی مجلس کے استحکام اور نیابتی حکومت کے دوام کا اعلان کیا۔مگر خُدا کی قدرت سے ملک میں ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ بادشاہ اور مجلس میں مخالفت شروع ہوگئی۔مجلس بادشاہ کے بعض درباریوں کو فتنہ کا بانی مبانی سمجھتی تھی اور اس کا مطالبہ تھا کہ وہ دربار سے علیحدہ کر دیئے جائیں۔گو بادشاہ نے مجلس کا مطالبہ ماننے کا وعدہ تو کر لیا مگر ساتھ ہی یہ اِرادہ بھی کیا کہ وہ تہران کو چلے جائیں۔اس تغیر مکانی کے وقت کاسکوں کی فوج جو بادشاہ کی باڈی گارڈ تھی۔اس کے اور قوم پرستوں کے حمایتیوں کے درمیان بگاڑ پیدا ہو گیا۔اور حضرت اقدس کا الہام اس رنگ میں پورا ہوا کہ ایران کا دارلمبعوثین توپ خانہ سے اُڑا دیا گیا اور بادشاہ نے پارلیمنٹ کو موقوف کر دیا۔

بادشاہ کے اس فعل سے ملک میں عام بغاوت پھیل گئی۔بالآخر بادشاہ نے پارلیمنٹ کو موقوف کر دیا۔بادشاہ کے اس فعل سے ملک میں عام بغاوت پھیل گئی۔بالآخر بادشاہ کی باڈی گارڈ فوج بھی جس پر بادشاہ کو بہت ناز تھا، باغیوں کے ساتھ مل گئی اور مرزا محمد علی قاچار کسریٰ ایران کے ایوان میں ایسا تزلزل پڑا کہ اسے پندرہ جولائی 1909ء کو اپنے حرم سمیت روسی سفارتخانہ میں پناہ لینی پڑی۔نتیجہ یہ ہوا کہ سلطنت ہمیشہ کے لیے اس خاندان سے نکل گئی اور کسریٰ کا وجود دُنیا سے مٹ گیا (حیات طیبہ، مرتبہ حضرت شیخ عبدالقادر، صفحہ: 307.308 سن اشاعت 1960ء)

اہل بنگال کی دلجوئی 11 فروری 1906ء

حضرت اقدس کو 11 فروری 1906ء کو یہ الہام ہوا کہ ”پہلے بنگالہ کی نسبت جو حکم جاری کیا گیا تھا۔اب ان کی دلجوئی ہوگی۔“ (بدر 16 فروری 1906ء)
اکتوبر 1905ء میں ہندوستان کے وائسرائے لارڈ کرزن نے بنگال کو ایک وسیع صوبہ خیال کر کے اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔(2) دوسرا حصہ مغربی بنگال جس میں بہار اور اڑیسہ بھی شامل تھے۔اوّل الذکر کا صدر ڈھاکہ اور ثانی الذکر کا کلکتہ مقرر کر دیا تھا۔مشرقی بنگال میں چونکہ مسلمانوں کی اکثریت تھی۔اس لیے وہ ایک لحاظ سے اسلامی صوبہ بن گیا تھا۔جو ہندوؤں کے لیے ایک ناسور کا حکم رکھتا تھا۔کیونکہ ہندو متحدہ بنگال پر حکومت کرنا چاہتے تھے اور مشرقی بنگال کے الگ ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں کو بھی صوبہ میں ایک بہت بڑی حیثیت حاصل ہو جاتی تھی جسے کوئی متعصب ہندو ہرگز برداشت نہیں کر سکتا تھا،اس لئے اس تقسیم پر ہندو قوم نے بہت شور مچایا۔جلسے کئے،جلوس نکالے،سرکاری عمارات کو نقصان پہنچایا۔ٹرینوں پر بم پھینکے بعض انگریزوں کو قتل بھی کیا۔اور اس تقسیم کی منسوخی کے لیے کوشش کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا۔مگر گورنمنٹ پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا لارڈ کرزن اپنی مدت ملازمت ختم کر کے 1905ء کے آخر میں انگلستان چلے گئے۔ان کی جگہ لارڈ منٹو آئے اور انہوں نے بھی ہندوؤں کی ایک نہ مانی۔جب ہندوستان بھر میں یہ تقسیم پختہ سمجھ لی گئی۔اور اس میں ردّ و بدل کا بظاہر کوئی امکان باقی نہ رہا تو مندرجہ بالا الہام ہوا تھا اور حسبِ معمول سلسلہ کے اخبارات میں شائع کر دیا گیا تھا۔لوگوں نے اس پر طرح طرح کے اعتراضات کیے،مضحکہ اُڑایا۔پھبتیاں کسیں کہ جب سارے مراحل طے ہو چکے اور یہ تقسیم اپنی جگہ قائم رہی۔تو اب اس کے خلاف الہام شائع کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔1910ء میں لارڈ منٹو بھی چلے گئے اور لارڈ ہارڈنگ وائسرائے بن کر ہندوستان آ گئے۔ان کے زمانہ میں خلافِ معمول ہندوستان میں بادشاہ جارج پنجم کی رسمِ تاجپوشی اَدا کیے جانے کا فیصلہ ہوا۔1911ء میں تاجپوشی کے جلسہ کی تیاریاں ہونے لگیں۔لارڈ ہارڈنگ نے از خود ہی ایک تجویز وزیرِ ہند کو پیش کی جس میں لکھا کہ اہل بنگال کی دلجوئی کے لیے ضروری ہے کہ بنگال کی تقسیم منسوخ کر دی جائے اور اس کے اعلان کا بہترین موقعہ جارج پنجم کی تاجپوشی سمجھی گئی۔جارج پنجم مع ملکہ ہزاروں میل کا سفر طے کر کے دہلی تشریف لائے اور دہلی کے دربار میں جہاں ہندوستان بھر کے اُمراء۔رؤساء۔عمائد اور والیان ریاست جمع تھے۔اس تقسیم کی منسوخی کا اعلان کیا اور اعلان میں یہ الفاظ استعمال کیے کہ تقسیم بنگالہ کی تنسیخ محض اہل بنگال کی دلجوئی کے لیے کی گئی ہے۔ (حیات طیبہ،حضرت شیخ عبدالقادر،صفحہ:308.309 سن اشاعت 1960ء)

زلزلوں سے متعلق بقیہ اشتہارات کا ذکر

20 دسمبر 1905ء حضور نے اپنی وصیت شائع فرمائی اور اس میں بھی زلزلہ والی پیشگوئی کا ذکر فرمایا اور اپنا تازہ الہام ”پھر بہار آئی خُدا کی بات پھر پوری ہوئی“ کو بھی پیش فرمایا اور بہار کے موسم کی تعیّن حضور نے آخر جنوری سے لے کر آخر مئی تک فرمائی۔(الوصیت صفحہ: 15) چنانچہ اس کے مطابق 28 فروری 1906ء کو رات کے ایک بجکر بیس منٹ پر ایک شدید زلزلہ آیا۔جس کا مرکز شملہ کی پہاڑیاں تھیں۔اس زلزلہ نے مشرقی پنجاب کے علاقوں کو سخت نقصان پہنچایا۔چنانچہ پیسہ اخبار لاہور نے لکھا کہ موضع دودھ پور تحصیل جگادھری ضلع انبالہ کے سارے آدمی رات کو سوئے ہوئے مر گئے۔صرف تین آدمی بچے اور تیرہ ضلع سہارنپور میں ایک سوکھا کنواں پانی سے بھر گیا۔حضرت اقدسؑ اور حضور کے خدام پہلے تو سمجھے کہ زلزلہ عظیمہ جس کی پیشگوئی کی گئی تھی۔یہی ہے،لیکن جلد ہی الہام الٰہی نے اس غلط فہمی کو رفع کر دیا اور بتلا دیا کہ وہ موعودہ زلزلہ جسے قیامت کا نمونہ کہا گیا تھا وہ آئندہ کسی وقت آئے گا۔ (حیات طیبہ،حضرت شیخ عبدالقدر،صفحہ:288 سن اشاعت 1960ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:

ایک شب کا ذکر ہے کہ کچھ مہمان آئے جن کے واسطے جگہ کے انتظام کے لیے حضرت اُمّ المومنینؓ حیران ہو رہی تھیں کہ سارا مکان تو پہلے ہی کشتی کی طرح پُر ہے۔اب ان کو کہاں ٹھہرایا جائے۔اس وقت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اکرام ضیف کا ذکر کرتے ہوئے حضرت بیوی صاحبہ کو پرندوں کا ایک قصّہ سنایا۔چونکہ میں بالکل ملحقہ کمرے میں تھا۔اور کواڑوں کی ساخت پرانے طرز کی تھی جن کے اندر سے آواز پہنچتی رہتی ہے۔اس واسطے میں نے اس سارے قصّہ کو سنا۔

فرمایا، دیکھو ایک دفعہ جنگل میں ایک مسافر کو شام ہوگئی۔رات اندھیری تھی۔قریب کوئی بستی اسے دکھائی نہ دی اور وہ ناچار ایک درخت کے نیچے رات گزارنے کے واسطے بیٹھ رہا۔اس درخت کے اُوپر ایک پرندہ کا آشیانہ تھا۔پرندہ اپنی مادہ کے ساتھ باتیں کرنے لگا کہ دیکھو یہ مسافر ہمارے آشیانہ کے نیچے زمین پر آبیٹھا ہے یہ آج رات ہمارا مہمان ہے اور ہمارا فرض ہے کہ اس کی مہمان نوازی کریں۔مادہ نے اس کے ساتھ اتفاق کیا اور ہر دو نے مشورہ کرکے یہ قرار دیا کہ ٹھنڈی رات ہے اور اس ہمارے مہمان کو آگ تاپنے کی ضرورت ہے۔اور تو کچھ ہمارے پاس نہیں۔ہم اپنا آشیانہ ہی توڑ کر نیچے پھینک دیں تاکہ وہ ان لکڑیوں کے جلا کر آگ تاپ لے۔چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔آشیانہ تنکا تنکا کرکے نیچے پھینک دیا۔اس کو مسافر نے غنیمت جانا اور ان سب لکڑیوں کو تنکوں کو جمع کرکے آگ جلائی اور تاپنے لگا۔تب درخت پر اس پرندوں کے جوڑے نے پھر مشورہ کیا کہ آگ ہم نے اپنے مہمان کو بہم پہنچائی اور اس کے واسطے سینکنے کا سامان مہیا کیا اب کچھ ہمیں چاہیے کہ اسے کچھ کھانے کو بھی دیں۔اور تو ہمارے پاس کچھ نہیں۔ہم خود ہی اس آگ میں جا گریں اور مسافر ہمیں بھون کر ہمارا گوشت کھالے۔چنانچہ ان پرندوں نے ایسا ہی کیا اور مہمان نوازی کا حق اَدا کیا۔(مطبوعہ:الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے۔تحریر فرماتے ہیں ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ لنگر کا انتظام حضرت مسیح موعودؑ کے ابتدائی ایام میں گھر میں ہی تھا۔گھر میں دال سالن پکتا اور لوہے کے ایک بڑے توے پر جسے ''لوہ'' کہتے ہیں روٹی پکائی جاتی۔پھر باہر مہمانوں کو بھیج دی جاتی۔اس لوہ پر ایک وقت میں دو تین نوکرانیاں بیٹھ کر بہت سی روٹیاں یک دم پکا لیا کرتی تھیں۔اس کے بعد جب باہر انتظام ہوا تو پہلے اس مکان میں لنگر خانہ منتقل ہوا جہاں اب نواب صاحب کا شہر والا مکان کھڑا ہے۔پھر باہر مہمان خانہ میں چلا گیا۔

(مطبوعہ:الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے۔تحریر فرماتے ہیں ''بیان کیا ہم سے حافظ علی صاحبؓ نے کہ ان سے ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے بیان کیا تھا کہ ایک دفعہ جب کوئی جلسہ وغیرہ کا موقعہ تھا اور ہم لوگ حضرت صاحبؑ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور مہمانوں کے لیے باہر پلاؤ زردہ وغیرہ پک رہا تھا کہ حضرت صاحب کے واسطے اندر سے کھانا آگیا۔ہم سمجھتے تھے کہ یہ بہت عمدہ کھانا ہوگا۔لیکن دیکھا تو تھوڑا سے خشکہ تھا اور کچھ دال تھی اور صرف ایک آدمی کی مقدار کا کھانا تھا۔حضرت صاحبؑ نے ہم لوگوں سے فرمایا آپ بھی کھانا کھالیں۔چنانچہ ہم بھی ساتھ شامل ہوگئے۔حافظ صاحب کہتے تھے کہ ڈاکٹر صاحب بیان کرتے تھے کہ اس کھانے سے ہم سب سیر ہوگئے حالانکہ ہم بہت سے آدمی تھے''۔

(مطبوعہ:الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

اسی طرح آپ تحریر فرماتے ہیں کہ:''بیان کیا مجھ سے میاں عبداللہ سنوریؓ نے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعودؑ نے چند مہمانوں کی دعوت کی اور ان

کے واسطے گھر میں کھانا تیار کروایا۔ مگر عین جس وقت کھانے کا وقت آیا اتنے ہی اور مہمان آ گئے اور مسجد مبارک مہمانوں سے بھر گئی۔ حضرت صاحب نے اَندر کہلا بھیجا کہ اور مہمان آ گئے ہیں کھانا زیادہ بھجواؤ۔ اس پر بیوی صاحبہ نے حضرت صاحب کو اَندر بلوا بھیجا۔ اور کہا کہ کھانا تو تھوڑا ہے۔ صرف چند مہمانوں کے مطابق پکایا گیا تھا جن کے واسطے آپ نے کہا تھا مگر شاید باقی کھانے کا تو کچھ کھینچ تان کر انتظام ہو سکے گا لیکن زردہ تو بہت ہی تھوڑا ہے اس کا کیا کیا جاوے۔ میرا خیال ہے کہ زردہ بھجواتی ہی نہیں۔ صرف باقی کھانا نکال دیتی ہوں۔ حضرت صاحب نے فرمایا نہیں یہ مناسب نہیں۔ تم زردہ کا برتن میرے پاس لاؤ۔ چنانچہ حضرت صاحب نے اس برتن پر رومال ڈھانک دیا اور پھر رومال کے نیچے اپنا ہاتھ گزار کر اپنی اُنگلیاں زردہ میں داخل کر دیں اور پھر کہا اب تم سب کے واسطے کھانا نکالو خُدا برکت دے گا۔ چنانچہ میاں عبداللہ صاحبؓ کہتے ہیں کہ زردہ سب کے واسطے آیا اور سب نے سیر ہو کر کھایا''۔ (مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

__حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت اماں جانؓ نے فرمایا:__ ''ایسے واقعات بارہا ہوئے ہیں۔ میں نے پوچھا کس طرح والدہ صاحبہ نے فرمایا یہی کہ تھوڑا کھانا تیار ہوا اور پھر مہمان زیادہ آ گئے۔ مثلاً پچاس کا کھانا ہوا تو سو آ گئے لیکن وہی کھانا حضرت صاحب کے دم سے کافی ہو جاتا رہا۔ پھر حضرت والدہ صاحبہ نے ایک واقعہ بیان کیا کہ ایک دفعہ کوئی شخص حضرت صاحب کے واسطے ایک مرغ لایا۔ میں نے حضرت صاحب کے واسطے اس کا پلاؤ تیار کروایا تھا مگر اسی دن اتفاق ایسا ہوا کہ نواب صاحب نے اپنے گھر میں دھونی دلوائی تو نواب صاحب کی بیوی بچے بھی ادھر ہمارے گھر آ گئے اور حضرت صاحب نے فرمایا کہ ان کو بھی کھانا کھلاؤ۔ میں نے کہا کہ چاول تو بالکل ہی تھوڑے ہیں صرف آپ کے واسطے تیار کروائے تھے۔ حضرت صاحب نے فرمایا چاول کہاں ہیں۔ پھر حضرت صاحب نے چاولوں کے پاس آ کر ان پر دم کیا اور کہا اب تقسیم کر دو۔ والدہ صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ ان چاولوں میں ایسی برکت ہوئی کہ نواب صاحب کے سارے گھر نے کھائے اور پھر بڑے مولوی صاحب (یعنی مولوی نورالدین صاحبؓ) اور مولوی عبدالکریم صاحب کو بھی بھجوائے گئے۔ اور قادیان میں اور بھی کئی لوگوں کو دیئے گئے۔ اور چونکہ وہ بر برکت والے چاول مشہور ہو گئے تھے اس لیے کئی لوگوں نے آ کر ہم سے مانگے اور ہم نے تھوڑے تھوڑے تقسیم کیے اور وہ سب کے لیے کافی ہو گئے۔ (مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

__حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ نے بیان کیا__ کہ جب میں قادیان سے واپس لاہور جایا کرتا تھا تو حضرت صاحب نے اندر سے میرے واسطے کھانا منگایا۔ جو خادم کھانا لایا وہ یونہی کھلا کھانا لے آیا۔ حضرت صاحب نے فرمایا کہ مفتی صاحب یہ کھانا کس طرح ساتھ لے جائیں گے کوئی رومال بھی تو ساتھ لانا تھا جس میں کھانا باندھ دیا جاتا۔ اچھا میں کچھ انتظام کرتا ہوں اور پھر آپ نے اپنے سر کی پگڑی کا ایک کنارہ کا ٹکڑا پھاڑا اور اس میں کھانا باندھ دیا۔ (مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

__حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ تحریر فرماتے ہیں:__ ''قاضی محمد یوسف صاحب پشاوری نے مجھ سے بذریعہ خط بیان کیا کہ ایک دفعہ میں اور عبدالرحیم خان صاحب پسر مولوی حسن خان صاحب پشاوری مسجد مبارک میں کھانا کھا رہے تھے جو حضرت صاحب کے گھر سے آیا تھا۔ ناگاہ میری نظر کھانے میں ایک مکھی پر پڑی۔ چونکہ مجھے مکھی سے طبعاً نفرت ہے میں نے کھانا ترک کر دیا۔ اس پر حضرت کے گھر کی ایک خادمہ کھانا اُٹھا کر واپس لے گئی۔ اتفاق ایسا ہوا کہ اس وقت حضرت صاحب اندرون خانہ کھانا تناول فرما رہے تھے۔ خادمہ پاس سے گزری تو اس نے حضرت سے یہ ماجرا عرض کر دیا۔ حضرت صاحب فوراً اپنے سامنے کا کھانا اُٹھا کر اس خادمہ کے حوالے کر دیا کہ یہ لے جاؤ۔ اور اپنے ہاتھ کا نوالہ بھی برتن ہی میں چھوڑ دیا۔ وہ خادمہ خوشی خوشی ہمارے پاس کھانا لائی اور کہا کہ لو حضرت صاحب نے اپنا تبرک دے دیا ہے۔ اور اس وقت مسجد میں سیّد عبدالجبار صاحب

بھی جو گزشتہ ایام میں کچھ عرصہ بادشاہ سوات بھی رہے ہیں۔موجود تھے۔چنانچہ وہ بھی ہمارے ساتھ شریک ہوگئے۔

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب لکھتے ہیں کہ:''ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحبؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ اوائل میں حضرت مسیح موعودؑ مدتوں دونوں وقت کا کھانا مہمانوں کے ہمراہ باہر کھایا کرتے تھے۔کبھی پلاؤ اور زردہ پکتا تو مولوی عبدالکریم صاحب ان دونوں چیزوں کو ملا لیا کرتے تھے۔آپ یہ دیکھ کر فرماتے کہ ہم تو ان دونوں کو ملا کر نہیں کھا سکتے۔کبھی مولوی صاحب کھانا کھاتے ہوئے کہتے کہ اس وقت اچار کو دل چاہتا ہے اور کسی ملازم کی طرف اشارہ کرتے تو حضرت صاحب فوراً دسترخوان پر سے اُٹھ کر بیت الفکر کی کھڑکی میں سے اندر چلے جاتے اور اچار لے آتے''۔

(مطبوعہ:الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی بیان کرتے ہیں۔''ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعودؑ مغرب کے بعد مسجد مبارک کی دوسری چھت پر مع چند احباب کے کھانے کے لئے تشریف فرما تھے۔ایک احمدی میاں نظام الدین ساکن لدھیانہ جو بہت غریب آدمی تھے اور ان کے کپڑے بھی دریدہ تھے۔حضرت مسیح موعودؑ سے چار پانچ آدمیوں کے فاصلے پر بیٹھے تھے۔اتنے میں کئی دیگر اشخاص خصوصاً وہ لوگ جو بعد میں لاہوری کہلاتے آتے گئے اور آپؑ کے قریب بیٹھتے گئے جس کی وجہ سے میاں نظام الدین کو پرے ہٹنا پڑتا رہا حتی کہ وہ جوتیوں کی جگہ تک پہنچ گیا۔اتنے میں کھانا آیا تو آپ نے ایک سالن کا پیالہ اور کچھ روٹیاں ہاتھ میں اُٹھا لیں اور میاں نظام الدین کو مخاطب کر کے فرمایا آؤ میاں نظام الدین صاحب ہم اور آپ اندر بیٹھ کر کھانا کھائیں اور یہ فرما کر مسجد کے صحن کے ساتھ کوٹھڑی ہے اس میں تشریف لے گئے اور حضرت صاحب نے اور میاں نظام الدین نے کوٹھڑی کے اندر ایک پیالہ میں کھانا کھایا اور کوئی اندر نہیں گیا۔جو لوگ قریب آکر بیٹھتے گئے تھے ان کے چہروں پر شرمندی ظاہر تھی''۔

(مطبوعہ:الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

حضرت منشی ظفر احمد صاحب بیان فرماتے ہیں:''ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر بہت سے آدمی آئے جن کے پاس کوئی پارچہ سرمائی نہ تھا۔ایک شخص نبی بخش نمبردار ساکن بٹالہ نے اندر سے لحاف بچھونے منگوانے شروع کئے اور مہمانوں کو دیتا رہا۔میں عشاء کے بعد حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ بغلوں میں ہاتھ دیے بیٹھے تھے اور ایک صاحبزادہ جو غالباً حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ تھے پاس لیٹے تھے اور ایک شتری چوغہ انہیں اوڑھا رکھا تھا۔معلوم ہوا کہ آپ نے بھی اپنا لحاف بچھونا طلب کرنے پر مہمانوں کے لیئے بھیج دیا۔میں نے عرض کی کہ آپ کے پاس کوئی پارچہ نہیں رہا اور سردی بہت ہے فرمانے لگے مہمانوں کو تکلیف نہیں ہونی چاہیے اور ہمارا کیا ہے رات گزر جائے گی۔نیچے آکر میں نے نبی بخش نمبردار کو بہت بُرا بھلا کہا کہ تم حضرت صاحب کا لحاف بھی لے آئے۔وہ شرمندہ ہوا کہنے لگا کہ جس کو دے چکا ہوں اس سے کس طرح واپس لوں۔پھر میں مفتی فضل الرحمٰن صاحب یا کسی اور ٹھیک یاد نہیں رہا لحاف بچھونا مانگ کر اُوپر لے گئے آپ نے فرمایا کہ کسی اور کو دے دو مجھے تو اکثر نیند بھی نہیں آتی اور میرے اصرار پر بھی آپ نے نہ لیا اور فرمایا کسی مہمان کو دے دو پھر میں لے آیا''۔(مطبوعہ:الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی بیان کرتے ہیں ''حضرت صاحب کو اپنے خدام کی دلداری کا بہت بڑا خیال رہتا تھا اور آپ ان کے لیے خود اپنی ذات سے ہر قسم کی قربانی اور ایثار کا عملی اظہار فرماتے تھے۔ایک مرتبہ عید کا دن تھا اور میرا صافہ صاف نہ تھا۔اس لیے کہ جب کبھی ہم آتے تھے تو ایک آدھ دن کی فرصت نکال کر آتے لیکن جب یہاں آتے اور حضرت صاحب قیام کا حکم دے دیتے تو پھر ہمیں ملازمت کے چلے جانے کا بھی خیال نہ ہوتا تھا۔اسی طرح عید کا دن آگیا اور میں ایک ہی صافہ لے کر آیا تھا اور وہ میلا ہو گیا۔میں نے چاہا کہ بازار سے جا کر خرید لاؤں۔چنانچہ میں بازار کی طرف جا رہا تھا۔آپ نے مجھے دیکھ لیا اور آپ کی فراست تو خداداد تھی پوچھا کہاں جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا کہ عید کا دن ہے

میرا اصافہ میلا ہے میں بازار سے خریدنے جا رہا ہوں، اسی وقت وہاں ہی کھڑے اپنا عمامہ شریف اُتار کے مجھے دیا اور فرمایا کہ یہ آپ کو پسند ہے؟ آپ لے لیں۔ میں دوسرا باندھ لیتا ہوں۔ مجھ پر اس محبت اور شفقت کا جو اثر ہوا الفاظ سے اَدا نہیں کر سکتا۔ میں نے نہایت احترام کے ساتھ اس عمامہ کو لے لیا اور آپ بے تکلف گھر تشریف لے گئے اور دوسرا عمامہ باندھ کر آ گئے''۔(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

<u>حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ فرماتے ہیں:</u> ''ایک دفعہ میں قادیان سے رخصت ہونے لگا اور حضرت بانی سلسلہؑ نے اجازت دی۔ پھر فرمایا کہ ٹھہر جائیں۔ آپ دُودھ کا گلاس لے آئے اور فرمایا پی لیں۔ شیخ رحمت اللہ صاحب بھی آ گئے۔ پھر ان کے لیے بھی حضرت صاحب دودھ کا گلاس لائے اور پھر نہر تک ہمیں چھوڑنے کے لیے تشریف لائے۔ اور بہت دفعہ نہر تک چھوڑنے کے لیے تشریف لاتے''۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

<u>ایک اور روایت میں حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلویؓ بیان کرتے ہیں:</u> ''میں قادیان میں مسجد مبارک سے ملحق کمرے میں ٹھہرا کرتا تھا۔ میں ایک دفعہ سحری کھا رہا تھا۔ حضرت صاحب تشریف لے آئے۔ دیکھ کر فرمایا آپ دال سے روٹی کھا رہے ہیں؟ اور اسی وقت منتظم کو بلایا اور فرمانے لگے کہ آپ سحری کے وقت دوستوں کو ایسا کھانا دیتے ہیں یہاں ہمارے جس قدر احباب ہیں وہ سفر میں نہیں۔ ہر ایک سے دریافت کرو کہ ان کو کیا کیا چیز کھانے کی عادت ہے اور وہ سحری کو کیا کیا چیز پسند کرتے ہیں۔ ویسا ہی کھانا ان کے لیے تیار کیا جائے۔ پھر منتظم میرے لیے اور کھانا لایا مگر میں کھانا کھا چکا تھا''۔(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

<u>حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے۔ اپنی کتاب سلسلہ احمدیہ میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی مہمان نوازی سے متعلق تحریر فرماتے ہیں:</u> ''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طبیعت نہایت درجہ مہمان نواز تھی اور جو لوگ جلسہ کے موقعہ پر یا دوسرے موقعوں پر قادیان آتے تھے خواہ وہ احمدی ہوں یا غیر احمدی وہ آپ کی محبت اور مہمان نوازی سے پورا پورا حصّہ پاتے تھے اور آپ کو ان کے آرام و آسائش کا از حد خیال رہتا تھا۔ آپ کی طبیعت میں تکلّف بالکل نہیں تھا اور ہر مہمان کو ایک عزیز کے طور پر ملتے تھے اور اس کی خدمت میں اور مہمان نوازی میں دلی خوشی پاتے تھے۔

اوائل زمانہ کے آنے والے لوگ بیان کرتے ہیں کہ جب کوئی مہمان آتا تو آپ ہمیشہ اسے مسکراتے ہوئے چہرہ سے ملتے۔ مصافحہ کرتے، خیریت پوچھتے، عزت کے ساتھ بٹھاتے، گرمی کا موسم ہوتا تو شربت بنا کر پیش کرتے۔ سردیاں ہوتیں تو چائے وغیرہ تیار کروا کے لاتے۔ رہائش کی جگہ کا انتظام کرتے اور کھانے وغیرہ کے متعلق مہمان خانہ کے منتظمین کو خود بلا کر تاکید فرماتے کہ کسی قسم کی تکلیف نہ ہو''۔

(مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

<u>ایک دوسری روایت میں حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے۔ سیرۃ طیّبہ میں یہ تحریر فرماتے ہیں:</u>

''ایک بہت شریف اور بڑے غریب مزاج احمدی سیٹھی غلام نبی صاحب ہوتے تھے جو رہنے والے تو چکوال کے تھے مگر راولپنڈی میں دکان کیا کرتے تھے۔ انہوں نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میں حضرت اقدسؑ کی ملاقات کے لیے قادیان آیا۔ سردی کا موسم تھا اور کچھ بارش بھی ہو رہی تھی۔ میں شام کے وقت قادیان پہنچا تھا۔ رات کو جب میں کھانا کھا کر لیٹ گیا اور کافی رات گزر گئی اور قریباً بارہ بجے کا وقت ہو گیا تو کسی نے میرے کمرے کے دروازہ پر دستک دی۔ میں نے اُٹھ کر دروازہ کھولا تو حضرت اقدسؑ کھڑے تھے۔ ایک ہاتھ میں گرم دودھ کا گلاس تھا اور دوسرے ہاتھ میں لالٹین تھی۔ میں حضرت صاحب کو دیکھ کر گھبرا گیا مگر آپ نے بڑی شفقت سے فرمایا کہیں سے دُودھ آ گیا تھا میں نے کہا کہ آپ

کو دے آؤں۔ آپ یہ دُودھ پی لیں۔ آپ کو شاید دودھ کی عادت ہوگی اس لیے یہ دُودھ آپ کے لیے لایا ہوں۔ سیٹھی صاحب کہا کرتے تھے کہ میری آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے کہ سبحان اللہ کیا اخلاق ہیں۔ یہ خُدا کا برگزیدہ اپنے ادنیٰ خادموں تک کی خدمت اور دلداری میں کتنی تکلیف اُٹھاتا ہے''۔ (مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ کپورتھلوی روایت کرتے ہیں:

''ایک دفعہ منی پور آسام کے دُور دراز علاقہ سے دو (غیر احمدی) مہمان حضرت مسیح موعودؑ کا نام سن کر آپ سے ملنے کے لیے قادیان آئے اور مہمان خانہ کے پاس پہنچ کر لنگر خانہ کے خادموں کو اپنا سامان اُتارنے اور چار پائی بچھانے کو کہا۔ لیکن ان خدام کو اس طرف فوری توجہ نہ ہوئی اور وہ ان مہمانوں کو یہ کہہ کر دوسری طرف چلے گئے کہ آپ یکہ سے سامان اُتاریں چار پائی بھی آجائے گی۔ اُن تھکے ماندے مہمانوں کو یہ جواب ناگزیر گزرا اور وہ رنجیدہ ہو کر اسی وقت بٹالہ کی طرف واپس روانہ ہو گئے۔ مگر جب حضرت صاحب کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی آپ نہایت جلدی ایسی حالت میں کہ جوتا پہننا بھی مشکل ہو گیا ان کے پیچھے بٹالہ کے رستہ پر تیز تیز قدم اُٹھاتے ہوئے چل پڑے۔ چند خدام بھی ساتھ ہو لیے۔ حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ روایت کرتے ہیں کہ میں بھی ساتھ ہو لیا۔ حضرت صاحب اس وقت اتنی تیزی کے ساتھ ان کے پیچھے گئے کہ قادیان سے اڑھائی میل پر نہر کے پل کے پاس انہیں جا لیا اور بڑی محبت اور معذرت کے ساتھ اصرار کیا کہ واپس چلیں اور فرمایا آپ کے واپس چلے جانے سے مجھے بہت تکلیف ہوئی ہے۔ آپ یکہ پر سوار ہو جائیں میں آپ کے ساتھ پیدل چلوں گا۔ مگر وہ احترام اور شرمندگی کی وجہ سے سوار نہ ہوئے اور آپ انہیں اپنے ساتھ لے کر قادیان واپس آ گئے اور مہمان خانہ میں پہنچ کر ان کا سامان اُتارنے کے لیے آپ نے یکہ کی طرف قدم بڑھایا مگر خدام نے آگے بڑھ کر سامان اُتار لیا۔ اس کے بعد حضرت صاحب ان کے پاس بیٹھ کر محبت اور دلداری کی گفتگو فرماتے رہے اور کھانا وغیرہ کے متعلق بھی پوچھا کہ وہ کیا کھانا پسند کرتے ہیں اور کسی خاص کھانا کھانے کی عادت تو نہیں؟ اور بڑی شفقت کے ساتھ باتیں کرتے رہے۔

دوسرے دن جب یہ مہمان واپس ہونے لگے تو حضرت صاحب نے دُودھ کے دو گلاس منگوا کر ان کے سامنے بڑی محبت سے پیش کیے اور پھر دو اُڑھائی میل پیدل چل کر بٹالہ کے رستے والی نہر تک چھوڑنے کے لیے ان کے ساتھ گئے اور اپنے سامنے یکہ پر سوار کرا کے واپس تشریف لائے۔ اسی عظیم خلق کے نتیجہ میں لنگر خانہ حضرت مسیح موعود علیہ لسلام کی بنیاد رکھی گئی۔ لنگر خانہ کی تاریخ کا مطالعہ غیر معمولی طور پر ایمان کی تازگی کے سامان مہیا کرتا ہے۔ (مطبوعہ: الفضل انٹرنیشنل 23 جولائی 1999ء تا 29 جولائی 1999ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مباہلہ کے چیلنج

مخالف مسلمانوں ومشائخ کو دعوتِ مباہلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخالف مولوی صاحبان تو آپ کو ابتدائے دعویٰ ہی سے مباہلہ کا چیلنج دے رہے تھے مگر آپ اس خیال سے کہ دو مسلمان فریق میں مباہلہ دُرست نہیں ہے۔ اعراض فرماتے رہے۔ لیکن جب علماء نے آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ شائع کر دیا تو آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مباہلہ کرنے کی اجازت دی گئی۔ چنانچہ آپ نے 1892ء میں تمام مکفر اور مکذب مولویوں اور مفتیوں کو مخاطب کرتے ہوئے اعلان فرمایا کہ ''ان تمام مولویوں اور مفتیوں کی خدمت میں جو اس عاجز کو جزئی اختلافات کی وجہ سے یا اپنی نافہمی کے باعث سے کافر ٹھہراتے ہیں عرض کیا جاتا ہے کہ اب میں خُدا تعالیٰ سے مامور ہو گیا ہوں کہ تا میں آپ لوگوں سے مباہلہ کرنے کی درخواست کروں اس طرح پر کہ اوّل آپ کو

مجلس مباہلہ میں اپنے عقائد کے دلائل از روئے قرآن وحدیث کے سناؤں۔ اگر پھر بھی آپ لوگ تکفیر سے باز نہ آویں تو اسی مجلس میں مباہلہ کروں۔ سومیرے پہلے مخاطب میاں نذیر حسین دہلوی ہیں۔ اور اگر وہ انکار کریں تو پھر بعد اس کے وہ تمام مولوی صاحبان جو مجھ کو کافر ٹھہراتے اور مسلمانوں میں سرگروہ سمجھے جاتے ہیں۔ اور میں ان تمام بزرگوں کو آج کی تاریخ سے جو دہم دسمبر 1892ء ہے۔ چار ماہ تک مہلت دیتا ہوں۔ اگر چار ماہ تک ان لوگوں نے مجھ سے بشرائط متذکرہ بالا مباہلہ نہ کیا۔ اور نہ کافر کہنے سے باز آئے۔ تو پھر اللہ تعالیٰ کی حجت ان پر پوری ہوگی۔ میں اوّل یہ چاہتا تھا کہ وہ تمام بے جا الزامات جو میری نسبت ان لوگوں نے قائم کر کے موجب کفر قرار دیئے ہیں اس رسالہ میں ان کا جواب شائع کروں۔ لیکن بباعث بیمار ہوجانے کاتب اور حرج واقع ہونے کے ابھی تک وہ حصّہ طبع نہیں ہوسکا۔ سو میں مباہلہ کی مجلس میں وہ مضمون بہر حال سنا دوں گا۔ اگر اس وقت طبع ہو گیا ہو یا نہ ہوا ہو۔ لیکن یاد رہے کہ ہماری طرف سے یہ شرط ضروری ہے کہ تکفیر کے فتویٰ لکھنے والوں نے جو کچھ سمجھا ہے اوّل اس تحریر کی غلطی ظاہر کی جائے اور اپنی طرف سے دلائل شافیہ کے ساتھ اتمام حجت کیا جائے۔ اور پھر اگر باز نہ آویں تو اسی مجلس میں مباہلہ کیا جائے اور مباہلہ کی اجازت کے بارے میں جو کلام الٰہی میرے پر نازل ہوا۔ وہ یہ ہے:۔

ترجمہ: ’’یعنی خُدا تعالیٰ نے ایک معطرنظر سے تجھ کو دیکھا اور بعض لوگوں نے اپنے دلوں میں کہا کہ اے خُدا کیا تو زمین پر ایک ایسے شخص کو قائم کر دے گا کہ جو دُنیا میں فساد پھیلاوے۔ تو خُدا تعالیٰ نے ان کو جواب دیا کہ جو میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ اور ان لوگوں نے کہا کہ اس شخص کی کتاب ایک ایسی کتاب ہے جو کذب اور کفر سے بھری ہوئی ہے سو ان کو کہہ دے کہ آؤ ہم اور تم معہ اپنی عورتوں اور بیٹوں اور عزیزوں کے مباہلہ کریں پھر ان پر لعنت کریں جو کاذب ہیں‘‘۔ (آئینہ کمالات اسلام۔ روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 265.261)

اس کے بعد دوبارہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مولوی محمد حسین بٹالوی اور دیگر تمام مکذب ومکفر نامی مولویوں اور سجادہ نشینوں کو ایک اشتہار کے ذریعہ مباہلہ کا حسب ذیل چیلنج دیا۔

’’لہٰذا اس اشتہار میں خاص طور پر میاں محمد حسین بٹالوی اور میاں محی الدین لکھوکے والے اور مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی اور ہر ایک نامی مولوی یا سجادہ نشین کو جو اس عاجز کو کافر سمجھتا ہو مخاطب کر کے عام طور پر شائع کیا جاتا ہے کہ اگر وہ اپنے تئیں صادق قرار دیتے ہیں تو اس عاجز سے مباہلہ کریں اور یقین رکھیں کہ خُدا تعالیٰ ان کو رسوا کرے گا۔ لیکن یہ بات واجبات سے ہوگی کہ فریقین اپنی اپنی تحریریں بہ ثبت دستخط گواہان شائع کر دیں کہ اگر کسی فریق پر لعنت کا رظاہر ہو گیا تو وہ شخص اپنے عقیدہ سے رجوع کرے گا اور اپنے فریق مخالف کو سچا مان لے گا اور اس مباہلہ کے لیے اشخاص مندرجہ ذیل بھی خاص مخاطب ہیں۔ محمد علی واعظ۔ ظہور الحسن سجادہ نشین بٹالہ۔ منشی سعد اللہ مدرس لدھیانہ۔ منشی محمد عمر سابق ملازم لدھیانہ۔ مولوی محمد حسن صاحب رئیس لدھیانہ۔ میاں نذیر حسین دہلوی۔ حافظ عبدالمنان وزیرآبادی۔ میاں میر حیدر شاہ وزیرآبادی۔ میاں محمد اسحاق پٹیالوی‘‘۔ (مجموعہ اشتہارات۔ جلد 1 صفحہ 399) (حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردّعمل ونتائج واثرات، مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ، صفحہ 327.325 سن اشاعت 2008ء)

مولوی محمد حسین بٹالوی کا ردّعمل

مولوی محمد حسین بٹالوی کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عداوت اور دشمنی مذہبی دُنیا میں بہت معروف ہے۔ آپ ہی تھے جنہوں نے تمام ہندوستان میں پھر کر قریباً دو سو مولویوں سے آپ کے خلاف کفر کا فتویٰ حاصل کیا اور آپ ہی تھے جنہوں نے یہ الفاظ کہے تھے کہ۔

’’میں نے ہی مرزا کو اُونچا کیا تھا اور میں ہی اسے نیچے گراؤں گا‘‘۔

مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب دن رات حضرت اقدس کو نقصان پہنچانے کی فکر میں مستغرق رہتے تھے۔ آپ کی اس معاندانہ روش کے باعث

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کو بطور خاص مباہلہ کی دعوت دی۔ مگر مولوی صاحب مباہلہ کی دعوت قبول کرنے کے باوجود عملاً مباہلہ کے میدان میں قدم رکھنے کی جرأت نہ کرتے اور مختلف قسم کی حیلے بہانے پیش کر کے فرار اختیار کر جاتے۔ بالآخر جب مولوی عبدالحق غزنوی کے ساتھ اَمرتسر میں مباہلہ کی تاریخ مقرر ہوئی تو مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب نے بھی لاہور سے ایک اشتہار بھیجا کہ میں بھی مرزا صاحب سے مباہلہ کے لیے امرتسر آتا ہوں۔ صرف مباہلہ ہوگا اور کوئی تقریر نہ ہوگی۔ حضرت اقدسؑ نے اس کے جواب میں ایک اشتہار لکھا کہ مولوی محمد حسین مجھ سے ہرگز مباہلہ نہیں کریں گے اور میرے سامنے تک نہیں آئیں گے۔ اگلا دن مولوی عبدالحق غزنوی سے مباہلہ کا تھا کہ مولوی محمد حسین بھی اَمرتسر پہنچ گئے۔ عیدگاہ میں بہت ہجوم ہوگیا اور مولوی محمد حسین بھی اس ہجوم سے اچھے خاصے فاصلہ پر کھڑے ہوکر کچھ تقریر کرنے لگے۔ لوگوں کا خیال تھا کہ بعد تقریر مولوی صاحب مباہلہ کریں گے۔ مرزا صاحب نے تو لکھا تھا کہ وہ میرے سامنے مباہلہ کے لیے نہیں آئیں گے لیکن یہ تو آ گئے۔ جب انہوں نے آدھا پونا گھنٹہ تقریر میں گزار دیا تو مولوی عبدالحق غزنویوں کے شاگرد غزنوی مولویوں کے مشورہ سے مباہلہ کے لیے آگے بڑھے۔

(رسالہ نور احمد 33.32 مصنفہ شیخ نور احمد احمدی بحوالہ حیات طیبہ صفحہ 120) (حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردّ عمل ونتائج واثرات، مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ صفحہ 327.328 سن اشاعت 2008ء)

مگر مولوی صاحب کو مباہلہ کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وہ پیشگوئی بڑی شان سے پوری ہوئی جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ "مولوی محمد حسین صاحب مجھ سے ہرگز مباہلہ نہیں کریں گے"۔

اس کے بعد حضرت اقدس کے کچھ مریدوں نے تمام اہل اسلام کو مخاطب کر کے اکتوبر 1898ء میں ایک اشتہار شائع کیا جس میں مخالفوں سے کہا کہ اگر آپ لوگ اپنے آپ کو اپنے معتقدات میں سچا سمجھتے ہیں تو مولوی محمد حسین بٹالوی سے کہیں کہ وہ حضرت اقدس سے مباہلہ کے لیے تیار ہو جائیں۔ اگر انہوں نے مباہلہ کرلیا اور اس مباہلہ کا کھلا کھلا اثر سال بھر کے اَندر ظاہر نہ ہوگیا تو مولوی محمد حسین صاحب کو مبلغ دو ہزار پانچ سو پچیس روپے آٹھ آنے بطور انعام دی جائے گی۔ مولوی صاحب موصوف اگر چاہیں تو ہم نے اطمینان کے لیے بعد منظوری مباہلہ یہ رقم تین ہفتہ کے اَندر اَندر انجمن حمایت اسلام لاہور یا بنگال بنک میں جمع کرا دیں"۔

(ضمیمہ تبلیغ رسالت جلد ہفتم صفحہ 80.79) (حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردّ عمل ونتائج واثرات، مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ، صفحہ 327.329 سن اشاعت 2008ء)

مولوی ابوالحسن تبتی اور جعفر زٹلی کا ردّ عمل

مندرجہ بالا اشتہار کے جواب میں مولوی محمد حسین بٹالوی کے دو شاگرد مولوی ابوالحسن تبّتی اور مولوی محمد بخش صاحب نے علی الترتیب 31 اکتوبر 10 نومبر 1898ء کو حضرت اقدس کو بُرا بھلا کہا گیا۔ اور مولوی صاحب کا مباہلہ نہ کرنے کا یہ عذر پیش کیا کہ۔

"مولوی صاحب ان مجاہیل کی فضول لاف وگزاف کی طرف توجہ نہیں کرتے اور ان لوگوں کو مخاطب بنانا نہیں چاہتے۔ اگر قادیان اپنی طرف سے دعوت مباہلہ کا اشتہار دے یا کم سے کم یہ مشتہر کردے کہ اس کے مریدوں نے جو اشتہار دیئے ہیں وہ اس کی رضامندی وترغیب سے دیئے گئے ہیں اس میں مولوی صاحب ممدوح اپنی طرف سے کوئی شرط پیش نہیں کرتے صرف قادیانی کی شرط میعاد ایک سال کو اُڑا کر یہ چاہتے ہیں کہ اثر مباہلہ اسی مجلس میں ظاہر ہو یا زیادہ تین روز میں جو عبداللہ آتھم کے مباہلہ وقسم کے لیے اس نے تسلیم کیے تھے اور قبل از مباہلہ قادیانی اس اثر کی تعین بھی کر دے کہ وہ کیا ہوگا"۔ (بحوالہ تبلیغ رسالت جلد 7 صفحہ 57.58)

ان کے اس عذر کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اشتہار 21 نومبر 1898ء میں فرمایا کہ:۔

"غرض نہایت افسوس کی بات ہے کہ اس درخواست مباہلہ کو جو نہایت نیک نیتی سے کی گئی تھی شیخ محمد حسین نے قبول نہیں کیا اور یہ عذر کیا کہ تین دن

تک مہلت اثر مباہلہ ہم قبول کر سکتے ہیں زیادہ نہیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں سال کا لفظ تو ہے مگر تین دن کا نام ونشان نہیں اور اگر فرض بھی کر لیں کہ حدیث میں جیسا کہ تین دن کی کہیں تحدید نہیں ایسا ہی ایک سال کی بھی نہیں تا ہم ایک شخص جو الہام کا دعویٰ کر کے ایک سال کی شرط پیش کرتا ہے علماء اُمت کا حق ہے اس پر حجت پوری کرنے کے لیے ایک سال ہی منظور کر لیں۔ اس میں تو حمایت شریعت ہے تا مدعی کو آئندہ کلام کرنے کی گنجائش نہ رہے"۔ (تبلیغ رسالت جلد 7 صفحہ 53) (حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردّعمل ونتائج واثرات، مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ، صفحہ 329.330 سن اشاعت 2008ء)

حافظ محمد یعقوب صاحب کی بیعت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا اس مباہلہ میں یہ زبردست نشان دیکھنے میں آیا کہ حضرت اقدس نے بھی اپنی دُعا ختم نہ کی تھی کہ حافظ محمد یعقوب صاحب جو حافظ محمد یوسف صاحب ضلع دار نہر کے بڑے بھائی تھے اور غزنویوں کے مرید تھے ایک چیخ مار کر روتے ہوئے حضرت اقدس کے قدموں میں گر گئے اور کہا کہ آپ میری بیعت قبول کریں۔ حضرت اقدس نے فرمایا۔ مباہلہ سے فارغ ہو لیں تو بیعت لیں گے۔ یہ نظارہ دیکھ کر غزنوی مولویوں اور ان کے معتقدین کے تو ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے۔ کیونکہ انہوں نے محسوس کیا کہ مباہلہ میں یہ حضرت اقدس کی پہلی فتح ہے۔ بہرحال اس طرح مباہلہ ختم ہو گیا اور حضرت اقدس واپس مکان پر تشریف لے گئے۔

(رسالہ نور احمد صفحہ 32 طبع دوم مصنفہ شیخ نور احمد احمدی) (حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردّعمل ونتائج واثرات، مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ، صفحہ 334 سن اشاعت 2008ء)

غزنوی کے ساتھ مباہلہ کا اثر

اس مباہلہ کا کیا اثر ہوا۔ حضرت اقدس نے اپنی کتاب انجام آتھم میں ایسے دس اُمور درج فرمائے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اقدس کو خُدا تعالیٰ نے اس مباہلہ کے بعد اپنی روحانی اور جسمانی برکتوں سے مالا مال کر دیا۔ ذیل میں ہم حضرت اقدس ہی کے الفاظ میں ان دس اُمور کا خلاصہ لکھتے ہیں۔

اوّل: آتھم کی نسبت جو پیشگوئی کی گئی تھی۔ وہ اپنے واقعی معنوں کے رُو سے پوری ہوگئی۔

دوئم: وہ اَمر جو مباہلہ کے بعد میری عزت کا موجب ہوا وہ ان عربی رسالوں کا مجموعہ ہے جو مخالف مولویوں اور پادریوں کے ذلیل کے لیے لکھا گیا تھا۔

تیسرا: وہ اَمر جو مباہلہ کے بعد میری عزت کا موجب ہوا قبولیت ہے جو مباہلہ کے بعد دُنیا میں کھل گئی۔ مباہلہ سے پہلے میرے ساتھ شاید تین چار سو آدمی ہوں گے۔ اور اب آٹھ ہزار سے کچھ زیادہ وہ لوگ ہیں جو اس راہ میں جان فشاں ہیں۔

چوتھا: وہ اَمر جو مباہلہ کے بعد میری عزت کا موجب ہوا۔ رمضان میں خسوف وکسوف ہے۔ .... سو خُدا نے مباہلہ کے یہ عزت بھی نصیب کی۔

پانچواں: وہ اَمر جو مباہلہ کے بعد میری لیے عزت کا موجب ہوا علم قرآن میں اتمام حجت ہے۔ .... تم لوگوں میں سے کسی کی مجال نہیں کہ میرے مقابل پر قرآن شریف کے حقائق ومعارف بیان کر سکے۔

چھٹا: اَمر جو مباہلہ کے بعد میری عزت اور عبدالحق کی ذلت کا موجب ہوا۔ یہ ہے کہ عبدالحق نے مباہلہ کے بعد اشتہار دیا تھا کہ ایک فرزند اس کے گھر میں پیدا ہوگا۔ اور میں نے بھی خُدا تعالیٰ سے الہام پا کر یہ اشتہار انوار الاسلام میں شائع کیا تھا کہ خُدا تعالیٰ مجھے لڑکا عطا کرے گا سو خُدا تعالیٰ کے فضل اور کرم سے میرے گھر میں تو لڑکا پیدا ہو گیا۔ جس کا نام شریف احمد ہے اور قریباً پونے دو برس کی عمر رکھتا ہے۔ اب عبدالحق کو ضرور پوچھنا چاہیے۔ کہ اس کا وہ مباہلہ کی برکت کا لڑکا کہاں گیا۔

ساتواں: اَمر جو مباہلہ کے بعد میری عزت اور قبولیت کا باعث ہوا خُدا کے راستباز بندوں کا وہ مخلصانہ جوش ہے جو انہوں نے میری خدمت کے لیے دکھلایا۔ مجھے کبھی یہ طاقت نہ ہوگی کہ میں خُدا کے ان احسانات کا شکر اَدا کرسکوں۔ جو روحانی اور جسمانی طور پر مباہلہ کے بعد میرے وارد حال ہوگئے۔

آٹھواں: اَمر جو مباہلہ کے بعد میری عزت زیادہ کرنے کے لیے ظہور میں آیا۔ کتاب ست بچن کی تالیف ہے اس کتاب کی تالیف کے لیے خُدا تعالیٰ نے وہ سامان عطا کیے جو تین سو برس سے کسی کے خیال میں بھی نہیں آئے تھے۔

نواں: اَمر جو مباہلہ کے بعد میری عزت کے زیادہ ہونے کا موجب ہوا یہ ہے کہ عرصہ میں آٹھ ہزار کے قریب لوگوں نے میرے ہاتھ میں بیعت کی اور بعض قادیان پہنچ کر اور بعض نے بذریعہ خط توبہ کا اقرار کیا۔ پس میں یقیناً جانتا ہوں کہ اس قدر بنی آدم کی توبہ جو مجھ کو ٹھہرایا گیا یہ اس قبولیت کا نشان ہے جو خُدا کی رضامندی کے بعد حاصل ہوتی ہے۔

دسواں: اَمر جو عبدالحق کے مباہلہ کے بعد میری عزت کا موجب ہوا جلسہ مذاہب لاہور ہے اس جلسہ کے بارے میں مجھے زیادہ لکھنے کی ضرورت نہیں۔ جس رنگ اور نورانیت کی قبولیت میرے مضمون کے پڑھنے میں پیدا ہوئی۔ اور جس طرح دلی جوش سے لوگوں نے مجھے اور میرے مضمون کو عظمت کی نگاہ سے دیکھا۔ کچھ ضرورت نہیں کہ میں اس کی تفصیل کروں۔ بہت سی گواہیاں اس بات پر سن چکے ہو کہ اس مضمون کو جلسہ مذاہب پر ایسا فوق العادت اَثر ہوا تھا۔ کہ گویا ملائک آسمان سے نور کے طبق لے کر حاضر ہوگئے تھے۔ ہر ایک دل اس کی طرف ایسا کھینچا گیا تھا۔ کہ گویا ایک دست غیب اس کو کشاں کشاں عالم وجد کی طرف لے جا رہا ہے۔ جب لوگ بے اختیار بول اُٹھے تھے کہ اگر یہ مضمون نہ ہوتا تو آج بباعث محمد حسین وغیرہ کے اسلام کو سبکی اُٹھانی پڑتی۔

(انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 317.309) (حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردّ عمل و نتائج و اثرات، مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ، صفحہ 337.335 سن اشاعت 2008)

تمام آریہ کو دعوت مباہلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی کتاب ''سرمہ چشم آریہ'' میں آریہ کو قرآن اور ویدوں کے مقابلہ کی دعوت دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر کوئی آریہ اس مقابلہ کے لئے تیار نہ ہو تو پھر فیصلہ کا آخری طریق مباہلہ رہ جاتا ہے جس کی طرف ہم آریہ صاحبان کو دعوت دیتے ہیں۔ چنانچہ حضرت اقدسؑ نے آریہ مذہب کے سکالر اور پیروکاروں کو مباہلہ کا چیلنج دیتے ہوئے فرمایا۔

''اور اگر پھر باز نہ آویں تو آخر الحیل مباہلہ ہے۔ جس کی طرف ہم پہلے اشارات کر آئے ہیں۔ مباہلہ کے لیے وید خوان ہونا ضروری نہیں ہاں باتمیز اور ایک باعزت اور نامور آریہ ضرور چاہیے۔ جس کا اثر دوسروں پر بھی پڑ سکے سو سب سے پہلے لالہ مرلی دھر صاحب اور لالہ جیون داس صاحب سیکرٹری آریہ سماج لاہور اور پھر منشی اندرمن صاحب مرادآبادی اور پھر کوئی اور دوسرے صاحب آریوں میں سے جو معزز اور ذی علم تسلیم کیے گئے ہوں مخاطب کئے جاتے ہیں کہ اگر وہ وید کی ان تعلیموں کو جن کو کسی قدر ہم اس رسالہ میں تحریر کر چکے ہیں۔ فی الحقیقت صحیح اور سچے سمجھتے ہیں اور ان کے مقابل جو قرآن شریف کے اُصول و تعلیمیں اسی رسالہ میں بیان کی گئی ہیں ان کو باطل اور دروغ خیال کرتے ہیں تو اس بارہ میں ہم سے مباہلہ کرلیں اور کوئی مقام مباہلہ کا بررضامندی فریقین قرار پاکر ہم دونوں فریق تاریخ مقررہ پر اس جگہ حاضر ہو جائیں اور ہر یک فریق مجمع عام میں اُٹھ کر اس مضمون مباہلہ کی نسبت جو اس رسالہ کے خاتمہ میں بطور نمونہ اقرار فریقین قلم جلی سے لکھا گیا ہے تین مرتبہ قسم کھا کر تصدیق کریں کہ ہم فی الحقیقت اس کو سچ سمجھتے ہیں اور اگر ہمارا بیان راستی پر نہیں تو ہم پر اسی دنیا میں وبال اور عذاب نازل ہو۔ غرض جو جو عبارتیں ہر دو کاغذ مباہلہ میں مندرج ہیں جو جانبین کے اعتقاد ہیں بحالت دروغ گوئی عذاب مترتب ہونے کے شرط پر ان کی تصدیق کرنی چاہیے اور پھر فیصلہ آسمانی کے

انتظار کے لیے ایک برس کی مہلت ہوگی پھر اگر برس گزرنے کے بعد مؤلف رسالہ ہذا پر کوئی عذاب اور وبال نازل ہوا یا حریف مقابل پر نازل نہ ہوا تو ان دونوں صورتوں میں یہ عاجز قابل تاوان پانسو روپیہ ٹھہرے گا جس کو برضامندی فریقین خزانہ سرکاری میں یا جس جگہ باآسانی وہ روپیہ کے وصول کرنے کا فریق مخالف کو مل سکے داخل کر دیا جائے گا اور درجات غلبہ خودبخود اس روپیہ کے وصول کرنے کا فریق مخالف مستحق ہوگا اور اگر ہم غالب آئے تو کچھ بھی شرط نہیں کرتے کیونکہ شرط کے عوض میں وہی دُعا کے آثار کا ظاہر ہونا کافی ہے۔

(سرمہ چشم آریہ۔روحانی خزائن جلد2 صفحہ 301.300)(حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردِّ عمل ونتائج واثرات،مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ،صفحہ 371.373 سن اشاعت 2008ء)

لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل کو دعوت مباہلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ''قادیان کے آریہ اور ہم'' میں اپنی بعض پوری ہونے والی پیشگوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ لالہ شرمپت اور لالہ ملاوامل ان تمام پیشگوئیوں کے پورا ہونے کے عینی گواہ ہیں۔اگر وہ انکار کرتے ہیں تو وہ دونوں میرے مقابل پر بطور مباہلہ قسم کھائیں۔چنانچہ اس سلسلہ میں آپ تحریر فرماتے ہیں۔

''یہ چند پیشگوئیاں بطور نمونہ میں اس وقت پیش کرتا ہوں اور میں خُدا تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ سب بیان صحیح ہے اور کئی دفعہ لالہ شرمپت سن چکا ہے اور اگر میں نے جھوٹ بولا ہے تو خُدا مجھ پر اور میرے لڑکوں پر ایک سال کے اَندر اس کی سزا نازل کرے۔**آمین و لعنة اللّٰه علی الکا ذبین**۔ایسا ہی شرمپت کو بھی چاہیے کہ میری اس قسم کے مقابل پر قسم کھاوے اور یہ کہے کہ اگر میں نے اس قسم میں جھوٹ بولا ہے تو خُدا مجھے اور میری اولاد پر ایک سال کے اَندر اس کی سزا وارد کرے۔**آمین و لعنة اللّٰه علی الکا ذبین**۔ایسا ہی ملاوامل کو چاہیے کہ چندروزہ دُنیا سے محبت نہ کرے اور اگر ان بیانات سے اِنکاری ہے تو میری طرح قسم کھاوے کہ یہ سب افتراء ہے اور اگر یہ باتیں سچ ہیں تو ایک سال کے اَندر میرے پر اور میری تمام اولاد پر خُدا کا عذاب نازل ہو۔**آمین و لعنة اللّٰه علی الکا ذبین**۔

(قادیان کے آریہ اور ہم۔روحانی خزائن جلد2 صفحہ 443.442)(حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردِّ عمل ونتائج واثرات،مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ،صفحہ 373 سن اشاعت 2008ء)

سردار جندر سنگھ کو قسم کھانے کا چیلنج

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 1895ء میں ''ست بچن'' کتاب لکھی۔اس کتاب میں آپ نے حضرت باوانانکؒ کا سچا مسلمان ہونا ثابت کیا۔اس کتاب کے شائع ہونے کے بعد ایک سکھ سردار جندر سنگھ نے ایک رسالہ لکھا جس کا نام ''خبط قادیانی کا علاج'' رکھا۔اس رسالہ میں اس نے حضرت باوانانک کے مسلمان ہونے سے انکار کیا اور آنحضرت ﷺ کو گالیاں دیں۔اور آپ پر بے اصل تہمتیں لگا کر آپ کی شان میں گستاخی کی۔اس پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے سردار جندر سنگھ کو اس قضیئے کے حل کے لیے درج ذیل چیلنج دیا۔

''اب فیصلہ اس طرح پر ہو سکتا ہے کہ آپ اگر اس عقیدہ پر یقین رکھتے ہیں تو ایک مجلس عام میں اس مضمون کی قسم کھاویں کہ درحقیقت باوانانک دین اسلام سے بیزار تھے اور پیغمبر علیہ السلام کر برا سمجھتے تھے اور نیز درحقیقت پیغمبر اسلام نعوذ باللہ فاسق اور بدکار تھے۔اور خُدا کے سچے نبی نہ تھے۔اور اگر یہ دونوں باتیں خلاف واقعہ ہیں تو اے قادر کرتار مجھے ایک سال تک اس گستاخی کی سخت سزا دے اور ہم آپ کی اس قسم پر پانسو روپیہ ایک جگہ پر جہاں آپ کی اطمینان ہو جمع کرا دیتے ہیں۔پس اگر آپ درحقیقت سچے ہوں گے تو سال کے عرصہ تک آپ کے ایک بال کا نقصان بھی نہیں ہوگا بلکہ مفت پانسو روپیہ آپ کو ملے گا اور ہماری ذلت اور رُوسیاہی ہوگی۔اور اگر آپ پر کوئی عذاب نازل ہو گیا تو تمام سکھ صاحبان دُرست ہو جائیں گے۔''(مجموعہ اشتہارات جلد2 صفحہ 399)

سردار صاحب نے اس چیلنج کا کوئی جواب نہیں دیا۔(حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردِّ عمل ونتائج واثرات،مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ،صفحہ 374 سن اشاعت 2008ء)

عیسائیوں کو مباہلہ کے چیلنج

ڈاکٹر مارٹن کلارک کو مباہلہ کی تجویز

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 1893ء میں عبداللہ آتھم کے ساتھ مباحثہ سے قبل ڈاکٹر مارٹن کلارک کو یہ تجویز پیش کی کہ منقولی اور معقولی بحث کے علاوہ فریقین کے درمیان مباہلہ بھی ہونا چاہیے۔تاکہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں قطعی فیصلہ ہو جائے۔اور یہ بات کھل جائے کہ سچا اور قادر خُدا کس کے ساتھ ہے؟ چنانچہ اس سلسلہ میں آپ نے درج ذیل تجویز پیش کی۔

''اس اشتہار کے ذریعہ سے ڈاکٹر صاحب اور ان کے تمام گروہ کی خدمت میں التماس ہے کہ جس حالت میں انہوں نے اس مباحثہ کا نام جنگِ مقدس رکھا ہے اور چاہتے ہیں کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں قطعی فیصلہ ہو جائے اور یہ بات کھل جائے کہ سچا اور قادر خُدا کس کا خُدا ہے۔تو پھر معمولی بحثوں سے یہ اُمید رکھنا طمع خام ہے۔اگر یہ اِرادہ نیک نیتی سے ہے تو اسے بہتر کوئی بھی طریق نہیں کہ اب آسمانی مدد کے ساتھ صدق اور کذب کو آزمایا جائے اور میں نے اس طریق کو بدل و جان منظور کر لیا ہے۔اور وہ طریق بحث جو منقولی اور معقولی طور پر قرار پایا ہے گو میرے نزدیک چنداں ضروری نہیں مگر تاہم وہ بھی مجھے منظور ہے۔لیکن ساتھ اس کے یہ ضروریات سے ہوگا کہ ہر ایک چھ دن کی میعاد کے ختم ہونے کے بعد بطور متذکرہ بالا مجھ میں اور فریق مخالف میں مباہلہ واقع ہوگا اور یہ اقرار فریقین پہلے سے شائع کر دیں کہ ہم مباہلہ کریں گے۔یعنی اس طور سے دُعا کریں گے کہ اے ہمارے خُدا۔اگر ہم دجل پر ہیں تو فریق مخالف کی نشان سے ہماری ذلت ظاہر کر۔اور اگر ہم حق پر ہیں تو ہماری تائید میں نشان آسمانی ظاہر کر کے فریق مخالف کی ذلت ظاہر فرما اور اس دُعا کے وقت دونوں فریق آمین کہیں گے۔اور ایک سال تک اس کی میعاد ہوگی۔اور فریق مغلوب کی سزا وہ ہوگی جو اُوپر بیان ہو چکی ہے۔''

(جنگ مقدس۔روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 48.49)(حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردّعمل ونتائج واثرات،مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ،صفحہ 375.376 سن اشاعت 2008ء)

عبداللہ آتھم کا ردّعمل

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مندرجہ بالا مباہلہ کے چیلنج کا ڈاکٹر مارٹن کلارک نے تو کوئی جواب نہ دیا البتہ مسٹر عبداللہ آتھم نے درج ذیل جواب دیا۔

''مباہلات بھی از قسم معجزات ہی ہیں۔مگر ہم بروئے تعلیم انجیل کسی کے لیے لعنت نہیں مانگ سکتے۔جناب صاحب اختیار ہیں جو چاہیں مانگیں اور انتظار جواب ایک سال تک کریں''۔

(بحوالہ جنگ مقدس۔روحانی خزائن جلد 6 صفحہ 56)(حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردّعمل ونتائج واثرات،مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ،صفحہ 376)

تمام پادریوں اور عیسائیوں کو مباہلہ کا چیلنج

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عبداللہ آتھم کی موت کے متعلق جو پیشگوئی کی اس کے پورا نہ ہونے کے متعلق عیسائیوں نے کافی پروپیگنڈا کیا۔چنانچہ حضرت اقدس نے عبداللہ آتھم کی وفات کے بعد ایک کتاب ''انجام آتھم'' لکھی اور اس کتاب میں آتھم کے متعلق پیشگوئی کے پورا ہونے کے عقلی ونقلی دلائل دینے کے بعد فرمایا۔

''اسی لیے میں کہتا ہوں کہ آتھم کے معاملہ میں کسی پادری صاحب یا کسی اور عیسائی کو شک ہو اور خیال کرتا ہو کہ پیشگوئی پوری نہیں ہوئی تو لازم ہے کہ مجھ سے مباہلہ کرے۔...... غرض ہر ایک فریق آمین کہے اور پھر دوسرا فریق دُعا کرے اور پہلا فریق آمین کہے اور پھر ایک سال تک خُدا

کے حکم کے منتظر رہیں اور میں اس وقت اقرار صالح شرعی کرتا ہوں کہ ان دونوں مباہلوں میں دو ہزار روپیہ ان عیسائیوں کے لیے جمع کرادوں گا جو میرے مقابل پر مباہلہ کے میدان میں آویں گے یہ کام نہایت ضروری ہے جیسا کہ ہم کہتے ہیں کہ زندہ اور قادر خُدا ہمارے ساتھ ہے عیسائی بھی کہتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ ہے''۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنی اسی کتاب ''انجام آتھم'' میں مزید آگے چل کر تحریر فرماتے ہیں۔

''پس یہ روز افزوں جھگڑے کیونکر فیصلہ پاویں۔ مباحثات کے نیک نتیجہ سے تو نومیدی ہو چکی بلکہ جیسے جیسے مباحثات بڑھتے جاتے ہیں ویسے ہی کینے بھی ساتھ ترقی پکڑتے جاتے ہیں۔ سواس نو اُمیدی کے وقت میں میرے نزدیک ایک نہایت سہل و آسان طریقے فیصلہ ہے۔ اگر پادری صاحبان قبول کرلیں اور وہ یہ ہے کہ اس بحث کا جو حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے جو خُدا تعالیٰ سے فیصلہ کرایا جائے۔ اور ربانی فیصلہ کے لیے طریق یہ ہوگا کہ میرے مقابل پر ایک معزز پادری صاحب جو پادری صاحبان مندرجہ ذیل میں سے منتخب کیے جائیں۔

میدان مقابلہ کے لیے جو تراضی طرفین سے مقرر کیا جائے تیار ہوں۔ پھر بعد اس کے ہم دونوں معہ اپنی اپنی جماعتوں کے میدان مقررہ میں حاضر ہو جائیں اور خُدا تعالیٰ سے دُعا کے ساتھ یہ فیصلہ چاہیں کہ ہم دونوں میں سے جو شخص درحقیقت خُدا تعالیٰ کی نظر میں کاذب اور مورد غضب ہے۔ خُدا تعالیٰ ایک سال میں اس کاذب پر وہ قہر نازل کرے جو اپنی غیرت کے رُو سے ہمیشہ کاذب اور مکذب قوموں پر کیا کرتا ہے۔ جیسا کہ اس نے فرعون پر کیا، نمرود پر کیا، اور نوح کی قوم پر کیا اور یہود پر کیا۔ حضرات پادری صاحبان یہ بات یاد رکھیں کہ اس باہمی دُعا میں کسی خاص فریق پر نہ لعنت ہے نہ بددُعا ہے۔ بلکہ اس جھوٹے کو سزا دلانے کی غرض سے ہے جو اپنے جھوٹ کو چھوڑنا نہیں چاہتا۔ ایک جہان کے زندہ ہونے کے لیے ایک کا مرنا بہتر ہے۔

ان صاحبوں میں سے کوئی منتخب ہونا چاہیے۔ اوّل ڈاکٹر مارٹن کلارک۔ دوسرے پادری عماد الدین۔ پادری ٹھاکر داس۔ یا حسام الدین بمبئی یا صفدر علی بھنڈارہ یا طاس ہاول یا فتح مسیح بشرط منظوری دیگران۔ (انجام آتھم۔ روحانی خزائن جلد 11 صفحہ 40)

کسی پادری یا عیسائی کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مذکورہ بالا چیلنجوں کو قبول کرنے کی توفیق نہ مل سکی۔

(حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردّعمل ونتائج واثرات، مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ، صفحہ 379.381)

<u>شیعہ حضرات کو مباہلہ کا چیلنج</u>

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 1894ء میں فصیح و بلیغ عربی زبان میں ''سر الخلافہ'' کتاب تصنیف فرمائی۔ اس کتاب میں آپ نے مسئلہ خلافت پر جو اہل سنت اور شیعوں میں صدیوں سے زیر بحث چلا آتا ہے سیر کن بحث کی اور دلائل قطعیہ سے ثابت کر دیا کہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہم اگرچہ چاروں خلیفہ برحق تھے لیکن حضرت ابوبکرؓ سب صحابہ سے اعلیٰ شان رکھتے تھے اور اسلام کے لیے وہ آدم ثانی تھے اور بنظر انصاف دیکھا جائے تو آیت استخلاف کے حقیقی معنوں میں وہی مصداق تھے۔ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ پر شیعہ صاحبان کی طرف سے جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان کے مدلل اور مسکت جواب بھی دیئے ہیں، نیز ان کے اور باقی صحابہ کے فضائل کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اور شیعوں کی غلطی کو قرآنی آیات کی روشنی میں الم نشرح کیا ہے۔ پھر اہل سنت اور شیعوں کے آپس کے جھگڑوں کا جن میں اکثر لڑائی اور مقدمات تک نوبت پہنچتی ہے ذکر کر کے فیصلہ کا ایک یہ طریق پیش کیا ہے کہ:

''ہم دونوں فریق میدان میں حاضر ہو کر خُدا تعالیٰ سے نہایت تضرع اور الحاح سے دُعا کریں۔ **لعنة اللہ علی الکاذبین**۔ کہیں۔ پھر اگر

ایک سال تک فریق مخالف پر میری دُعا کا اثر ظاہر نہ ہو تو میں عذاب اپنے قبول کروں گا اور اِقرار کروں گا کہ میں صادق نہیں۔ اور علاوہ ازیں ان کو پانچ ہزار روپیہ بھی انعام دوں گا۔ اور یہ روپیہ اگر چاہیں تو میں گورنمنٹ کے خزانے میں جمع کرا سکتا ہوں۔ یا جس کے پاس وہ چاہیں۔ لیکن اس مقابلہ کے لیے جو حاضر ہو وہ عام آدمی نہ ہو اور ایسے شخص کے لیے ضروری ہوگا کہ پہلے وہ میرے اس رسالہ کی طرح عربی زبان میں رسالہ لکھے تا معلوم ہو کہ وہ اہل علم وفضل سے ہے۔'' (سر الخلافہ۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 337)

سر الخلافہ کے آخر پر حضرت اقدسؑ نے عقیدۂ ظہور مہدی کا ذکر کر کے اپنے دعوی مہدویت پر شرح وبسط سے بحث کی۔ اور اس سلسلہ میں شیعہ اور اہل سنت دونوں فرقوں کے خیالات کو باطل قرار دیا۔ اور فرمایا کہ اگر ان تمام دلائل کے باوجود اعراض کرتے ہیں اور قبول نہیں کرتے تو پھر مباہلہ کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا:۔

ترجمہ: اور یقیناً یہ حق ہے اور ربّ کعبہ کی قسم کہ اہل تشیع اور اہل سنت کا خیال غلط ہے۔ اور میرے متعلق جلدی مت کرو اور خُدا کے حضور سے ہدایت طلب کرو۔ اور میرے پاس کچھ حاصل کرنے کی نیت سے آؤ۔ اور اگر آپ نے اعراض کیا اور مجھے قبول نہ کیا تو پھر قرآن کریم کے اس حکم **فتعالوا ندع .....علی الکا ذبین** کے تحت مباہلہ کرلو۔

(سر الخلافہ۔ روحانی خزائن جلد 8 صفحہ 380) (حضرت مسیح موعودؑ کے چیلنج اور ردّ عمل ونتائج واثرات، مصنف مبشر احمد خالد مربی سلسلہ احمدیہ صفحہ 381.383)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے علمی معجزات

اوّل: چالیس ہزار عربی لغات کا عظیم معجزہ:

حضرت مسیح موعودؑ کو جب خُدا تعالیٰ نے اسلام کی برتری کے لیے مبعوث کیا تو آپؑ کو عربی زبان میں کمال بخشا اور حضور اقدس علیہ السلام کے مقابلہ کے لیے تمام اہل زبان عربوں کی زبانیں بھی عربی ادب کیا نثر اور کیا نظم میں گنگ ہو کر رہ گئیں یہ خالی دعویٰ ہی نہ تھا بلکہ ثابت کر دکھایا۔

حضرت اقدس علیہ السلام اس خاص فضل کا ذکر خود تحریر فرماتے ہیں:۔

عربی عبارت (ترجمہ):۔ ''عربی زبان میں میرا کمال باوجود میری کوشش کی کمی اور سعی کی قلت کے خُدا کی طرف سے ایک روشن نشان ہے تا کہ اس ذریعہ سے خُدا تعالیٰ لوگوں پر میری خُداداد علمی اور اَدبی قابلیت ظاہر فرمائے اور مجھے دُنیا بھر کے لوگوں پر غالب کر دے اب کیا میرے سارے مخالفوں میں سے کوئی ہے جو میرے مقابلہ پر اس میدان میں کھڑا ہو سکے؟ اس علمی اور اَدبی کمال پر خُدا کا مزید فضل یہ ہے کہ اس نے مجھے عربی زبان کی چالیس ہزار لغات (یعنی **اَرْ بَعِیْنَ اَلْفاً مِنَ اللُّغَاتِ الْعَرَبِیَّۃِ**) کا معجزانہ رنگ میں علم عطا کیا اور مجھے علوم ادبیہ میں کامل وسعت بخشی ہے''۔ (اوّل ایڈیشن، کتاب انجام آتھم، صفحہ 234، عربی حصہ روحانی خزائن جلد 11) (سوانح عمری آف امام المتقین ومہدی دوراں عالی حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام، مرتبہ احقر مولوی احسان الٰہی واقف زندگی, صفحہ 120 سن اشاعت 2000ء)

چنانچہ خُدا تعالیٰ کی طرف سے ان عربی لغات کا سکھایا جانا ایک معجزہ تھا جس کی صداقت پر حضور اقدس علیہ السلام کے تمام مخالفوں نے باوجود سخت دشمنی کے اپنے اپنے گریز کے ساتھ خاموشی کی مہریں ثبت کر دیں۔ پھر خاص کر عرب ممالک میں سے کوئی اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے آگے نہیں آیا حالانکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے عربی نثر اور عربی قصیدہ جات کے مقابلہ کے لیے للکارا اور اشتہارات کے ذریعہ بار بار ان کو بلایا مگر کوئی نہ آیا ہر چند۔ آپؑ نے بائیس سے اُوپر کتب نہایت فصیح اور بلیغ عربی میں تصنیف فرمائیں اور تمام مولویوں، عالموں اور گدی نشینوں کو اس کے لیے غیرت دلائی کہ تم سب مل کر عربی اور علمی فصاحت سے بھری ہوئی عبارتیں شائع کرو جیسا میں شائع کرتا ہوں اگر تم مجھ اکیلے پر سبقت لے جاؤ تو

میں خُدا کی طرف سے نہیں ہوں آؤ اور اکٹھے ہو جاؤ اور اس علمی میدان میں''۔

اور پھر اس مقابلہ میں سبقت لے جانے والوں کے لیے کثیر رقم کے دس دس ہزار روپے کے انعام بھی مقرر فرمائے جو وقت کے لحاظ سے آجکل کروڑوں روپیہ بنتا ہے۔جیسا کہ عربی کُتب کی بابت فرمایا:

اعجاز احمدی (عربی کتاب)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس کتاب کے آخر میں دس ہزار روپے کے انعام کا اشتہار شائع کیا۔آپؑ نے تحریر فرمایا:۔

'' پھر اگر بیس دن میں جو دسمبر 1902ء دسویں دن کی شام تک ختم ہو جائے گی۔انہوں نے اس قصیدہ اور مضمون کا جواب چھاپ کر شائع کر دیا تو یوں سمجھو کہ میں نیست و نابود ہو گیا اور میرا سلسلہ باطل ہو گیا اس صورت میں میری تمام جماعت کو چاہیے کہ مجھے چھوڑ دیں اور قطع تعلق کر لیں لیکن اگر اب بھی مخالفوں نے عمداً کنارہ کشی کی تو نہ صرف دس ہزار روپیہ کے انعام سے محروم رہیں گے بلکہ دس لعنتیں اُن کا ازلی حصّہ ہوگا''۔

حضور اقدسؑ کی تحدّی

حضور اقدس علیہ السلام نے فرمایا!!

'' دیکھو میں آسمان اور زمین کو گواہ رکھ کر کہتا ہوں کہ آج کی تاریخ سے اس نشان پر حصر رکھتا ہوں....... کبھی ممکن نہ ہوگا ..... ایسا قصیدہ بنا سکیں اور...... مضمون کا رد لکھ سکیں کیونکہ خُدا تعالیٰ ان کی قلموں کو توڑ دے گا اور اُن کے دلوں میں غبی کر دے گا''۔

حضور علیہ السلام کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

فان اک کذا با فیا تی بمثلها

وان اک من ربّی فیغشی ویثبر

یعنی اگر میں جھوٹا ہوں تو ایسا قصیدہ بنا لائے گا۔اور اگر میں خُدا کی طرف سے ہوں تو اُس کی سمجھ پر پردہ ڈالا جائے اور روکا جائے گا۔

(اعجاز احمدی، روحانی خزائن جلد 19 اوّل ایڈیشن) (سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ ،مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی ،صفحہ: 119.121 سن اشاعت 2000ء)

اعجاز المسیح

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اس کتاب میں فصیح و بلیغ عربی زبان میں سورۃ فاتحہ کی تفسیر بیان کی ہے۔

حضور اقدس علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:۔

'' اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی اور کہا **منعه ما نع من السّماءِ** کہ آسمان سے ہم روک دیں گے اور میں سمجھا کہ اس میں اشارہ ہے کہ دشمن اس کی مثال لانے پر قادر نہیں ہوں گے۔

پھر حضور اقدسؑ نے بطور تحدّی فرمایا!! **فَاِنّه کتا ب لَیسَ لَهٗ جَواب**

یعنی کہ یہ ایک لاجواب کتاب ہے۔**وَمَنۡ قَاصَ لِلجوابِ وَ تنمرَ فَسَوۡفَ یَرٰی اِنَّهٗ تَنَدّم و تذمرّ**۔ یعنی جو شخص بھی غصّہ میں آکر اس کتاب کا جواب لکھنے کے لیے تیار ہوگا وہ نادم ہوگا اور حسرت کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوگا''۔(اعجاز المسیح ،روحانی خزائن جلد 18 اوّل ایڈیشن)

(سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ ،مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی ،صفحہ: 122 سن اشاعت 2000ء)

عربی کلام کی فصاحت کی اعلیٰ درجہ کی کوئی تعلیم حاصل نہیں کی تھی اُس زمانہ میں قادیان کے ماحول میں کوئی سکول نہ تھا۔

عربوں کے لیے خوشخبری

خُدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ خبر بھی دی ''کہ وہ وقت آتا ہے کہ نیک لوگ اور پاک صفت بادشاہ تیری تصدیق کریں گے اور تیرے پر ایمان لائیں گے اور تجھ پر درود بھیجیں گے۔ تیرے کپڑوں سے برکت لیں گے''۔

اب عرب بھائیوں کا یہ حق بنتا ہے کہ جس طرح آپ لوگ اسلام کی پہلی بارش سے سیراب ہوئے تھے دوبارہ آگے آؤ کہ اسلام کی آخری بارش سے بھی حصّہ پاؤ، بالآخر دُنیا میں ایک انقلاب عظیم برپا ہوگا یہاں تک کہ مغرب کے مادہ پرست اور مشرک لوگ آخر حلقہ بگوش اسلام ہوں گے اور حدیث کی پیشگوئی کے مطابق یوں نظر آئے گا کہ گویا مشرق سے طلوع ہونے والا سورج مغرب سے چڑھ رہا ہے۔

حضرت اقدس اس بارہ میں کشف کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ ''میں دیکھتا ہوں کہ ایک بڑا بحرِ زخّار کی طرح دریا ہے جو سانپ کی طرح بل پیچ کھاتا مغرب سے مشرق کو جا رہا ہے اور دیکھتے دیکھتے سمت بدل کر مشرق سے مغرب کو اُلٹا بہنے لگا ہے۔'' (حوالہ تذکرہ الحکم اپریل 1903ء)

(سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ، مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی، صفحہ: 123 سن اشاعت 2000ء)

یہ ایک نظارہ ہے جو ضرور ایک دن پورا ہوگا۔ مگر یہ یاد رکھیں کہ خُدا تعالیٰ کا ہر کام ابتداء میں ایک بیج کے طور پر ہوتا ہے پھر آہستہ آہستہ بڑا تناور درخت بن جاتا ہے جیسا کہ سرورِ کائنات فخرِ رُسل ﷺ ہی کے آغاز کو دیکھو کہ دُنیا کہ یہ سالارِ اعظم شروع میں بطور ایک بیج کے ہی مکہ کی گلیوں میں کیسی کمزوری اور کسمپرسی کی حالت میں پھرا کرتے تھے اور قریش مکہ آپؐ حضور کا مذاق اور ہنسی اُڑایا کرتے تھے کہ نبی ہے۔ مگر دیکھتے ایک بڑے مضبوط درخت کی طرح ہو جاتے ہیں کہ کفارِ مکہ اس درخت کو پھر اُکھیڑ نہ سکے اسی طرح احمدیت کی ترقی اس دَور میں مقدر ہے دُنیا اس ترقی کو دیکھ رہی ہے۔ سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کس شان سے فرماتے ہیں!!

''دیکھو وہ زمانہ چلا آتا ہے بلکہ قریب ہے کہ خُدا اس سلسلہ کی دُنیا میں بڑی قبولیت پھیلائے گا اور یہ سلسلہ مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب میں پھیلے گا اور دُنیا میں اسلام سے مراد یہی سلسلہ ہوگا یہ باتیں انسان کی باتیں نہیں یہ اس خُدا کی وحی ہے جس کے آگے کوئی بات انہونی نہیں''۔

(تحفہ گولڑویہ صفحہ 181.182 روحانی خزائن جلد 17 اوّل ایڈیشن) (سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ، مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی، صفحہ: 124 سن اشاعت 2000ء)

''جس قدر میں پیچھے ہٹنا چاہتا ہوں اُسی قدر خُدا تعالیٰ مجھے کھینچ کر آگے لے آتا ہے میرے پر ایسی رات کوئی کم گزرتی ہے جس میں مجھے تسلی نہیں دی جاتی کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور میری آسمانی فوجیں تیرے ساتھ ہیں اگرچہ جو لوگ دل کے پاک ہیں مرنے کے بعد خُدا کو دیکھیں گے لیکن مجھے اُسی کے منہ کی قسم ہے کہ میں اب بھی اس کو دیکھ رہا ہوں''۔ (سبحان اللہ) (تحفہ گولڑویہ صفحہ 47.48 روحانی خزائن اوّل ایڈیشن)

(سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ، مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی، صفحہ: 124 سن اشاعت 2000ء)

پھر صفحہ 71.72 پر فرمایا **اَنْتَ الشيخ المسيحُ الّذِیْ لَا يُضَاعُ وقتُهٗ كَمِثْلِكَ دُرٌّ لَا يُضاعُ** تو وہ معزز مسیح ہے جس کا وقت ضائع نہیں کیا جاوے گا۔ تیرے جیسا موتی ضائع نہیں کیا جاتا اور قوم میں سے گروہ کے گروہ تیری طرف بھیجوں گا میں نے تیرے مکان کو روشن کیا ہے ہم نے کئی کھیت تیرے لیے تیار کر رکھے ہیں۔

اے ابراہیم! لوگوں نے کہا کہ ہم تجھے ہلاک کریں گے مگر خُدا نے اپنے بندہ کو کہا کہ کچھ خوف کی جگہ نہیں میں اور میرے رسول غالب ہوں گے اور میں اپنی فوجوں کے ساتھ عنقریب آؤں گا۔ میں سمندر کی طرح موج زنی کروں گا۔ خُدا کا فضل آنے والے ہے اور کوئی نہیں جو اس کو رَدّ کر سکے۔ (تحفہ گولڑویہ صفحہ 71.72 روحانی خزائن جلد 17 اوّل ایڈیشن) سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ، مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی، صفحہ: 119.125 سن اشاعت 2000ء)

دوسرا علمی معجزہ:

یہ معجزہ چوراسی کتابوں کی صورت میں ظاہر ہوا۔اس کی نشاندہی آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی حدیث میں آتا ہے کہ مسیح موعود جب نازل ہوگا تو وہ بہت سا مال تقسیم کرے گا مگر قبول کرنے والے کم ہی ہوں گے یہ قول یہ " یفیضُ المَال حتّٰی لَا یَقْبِلُهُ اَحَدٌ " افاضہ مال سے ظاہری مال و دولت مُراد نہیں ہوسکتی اس لیے کہ ظاہر مال و دولت سے تو انسان کبھی تھکتا ہی نہیں خواہ سونے چاندی سے بھر پور وادیاں بھی اس کے سپرد کر دی جائیں۔

اس مندرجہ بالا حدیث سے مراد ''معارف ودقائق روحانیہ'' ہیں جن کو مسیح موعودؑ اس قدر تقسیم کریں گے کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے۔پس خُدا تعالیٰ کے اس مسیح پاک علیہ السلام نے جو یہ روحانی خزائن اپنی ان کتب کے ذریعہ دُنیا کا دیئے ہیں یہ وہ مال و دولت ہے جس سے تا قیامت خُدا کے بندے اپنی اپنی جھولیاں بھرتے رہیں گے۔

یہ حقیقت ہے کہ ان کتب میں ''اسرار حقہ اور معارف دینیہ کی حددرجہ کثرت ہے اور پھر ان کتب میں سیّدنا حضرت مسیح پاک علیہ السلام کا اپنے ربّ سے محبت سے بھر پور مکالمہ ومخاطبہ کی مٹھاس اور عشق رسول ﷺ اتھاہ گہرائیاں بھری پڑی ہیں۔حضور اقدسؑ فرماتے ہیں !!

''ان میں ایک پھل قوتِ ایمانی کا اسرارِ حقّہ اور معارف دینیہ کا ذخیرہ ہے جو خُدا تعالیٰ کی طرف سے اس عاجز کو نصیب ہوا ہے۔پس جو شخص اس عاجز کی تالیفات پر نظر ڈالے گا.......... اس پر یہ حقیقت آپ ہی کھل جائے گی کہ کس قدر خدا تعالیٰ نے اس عاجز کو دقائق وحقائق دینیہ سے حصّہ دیا ہے۔میرے اندر ایک آسمانی روح بول رہی ہے جو میرے لفظ،لفظ اور حرف،حرف کو زندگی بخشتی ہے...... جو مجھے دیا گیا ہے وہ محبت کے ملک کی بادشاہت اور معارفِ الٰہی کے خزانے ہیں جن کو بفضلہ تعالیٰ اس قدر دوں گا کہ لوگ لیتے لیتے تھک جائیں گے''۔

(ازالہ اوہام صفحہ 566 الہامات۔روحانی خزائن جلد 3 اوّل ایڈیشن) سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ ،مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی ،صفحہ:125.126 سن اشاعت 2000ء)

پھر فرمایا !!''خُدا تعالیٰ نے مجھے مبعوث فرمایا ہے کہ میں اُن خزائن مدفونہ کو دُنیا میں ظاہر کروں اور ناپاک اعتراضات کا کیچڑ جو ان درخشاں جواہرات پر تھوپا ہے اس سے ان کو پاک وصاف کروں۔(ملفوظات جلد 1)

پھر فرمایا!''سو میرے پاس دُنیا کا مال اور دُنیا کے گھوڑے اور دنیا کے سوار تو نہیں تھے بجز اس کے عمدہ گھوڑے قلموں کے مجھ کو عطا کیے گئے اور کلام کے جواہر مجھ کو دیئے گئے اور وہ نور مجھ کو عطا ہوا جو مجھے لغزش سے بچاتا ہے اور راست روی کے آثار مجھ پر ظاہر کرتا ہے۔پس اس الٰہی اور آسمانی دولت نے مجھے غنی کر دیا اور میرے افلاس کا تدارک کیا اور مجھے روشن کیا اور میری رات کو منور کر دیا اور مجھے منعموں میں داخل کیا۔

(کتاب نور الحق عربی حصّہ اوّل صفحہ 39 روحانی خزائن جلد 8 اوّل ایڈیشن) سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ ،مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی ،صفحہ:126 سن اشاعت 2000ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے چند عربی اشعار کا ترجمہ:

ے اُس دشمن کی تلواریں میرے پر کھینچی ہوئی ہیں اور میں اپنے پیارے اللہ کی طرف دیکھ رہا ہوں۔

ے میں اپنے پیارے کے باغوں میں پہنچا ہوا ہوں اور دشمن مجھے جنگلوں میں تلاش کر رہا ہے۔(سبحان اللہ)

ے میں نے اس پیارے سے محبت کی یہاں تک کہ وہ میری جان ہو گیا اور میرا بہشت اُس نے میرے دل میں ہی دکھا دیا۔ (سبحان اللہ)

ے میرے نفس کا گھوڑا لڑائی کے وقت بڑی فراست رکھتا ہے اور تند کو مضبوط کھینچنے سے سمجھ جاتا ہے کہ مطلب کیا ہے۔

- بڑا حملہ آور ہے جو برق کی طرف اُترتا ہے اور دومنٹ کی بھی توقف نہیں کرتا۔(سبحان اللہ)
- ہم عنقریب اپنے بادشاہ سے پاداش پائیں گے اور اس سپاہیانہ خدمت کا اجر ہم کو دیا جائے گا۔(سبحان اللہ)
- کئی پیالے تو ہم نے نشیب میں پیئے اور کئی اور ہیں جو پہاڑوں کی چوٹیوں پر پیئیں گے۔(سبحان اللہ)
- اُس کی رحمت کے درختوں کو میں بڑے بڑے دیکھتا ہوں۔خوش کرنے والے جیسے زعفران کا کھیت ہوتا ہے۔ (سبحان اللہ)
- مجھے اپنے خُدا کے آفتاب سے ایک نور ملا ہے تا کہ میں جنگلوں اور آبادیوں کو روشن کروں۔(سبحان اللہ)
- میں نے اس کو اپنی قوت سے نہیں کیا مگر وہ موتی خُدا تعالیٰ سے ہیں اور میرے ہاتھوں نے پَروئے ہیں۔(سبحان اللہ)

(نور الحق عربی روحانی خزائن جلد 8 اوّل ایڈیشن)(سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ ،مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی،صفحہ:126۔127 سن اشاعت 2000ء)

تیسرا علمی معجزہ

حضرت اقدس علیہ السلام کا عربی اعجاز فی البدیہہ کمال ملاحظہ ہو۔اس قبل آپ علیہ السلام نے عربی میں کبھی فی البدیہہ تقریر نہیں فرمائی تھی۔اپریل 1900ء میں ایک عمدہ موقع عید الاضحیٰ کا آیا۔اس عید کی نماز سے قبل اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا کہ ''آج تم عربی میں تقریر کرو تمہیں قوت دی گئی۔**کَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَبٍّ کَرِیْمٍ** یعنی تقریر میں خدائے کریم کی طرف سے فصاحت و برکت عطا کی جائے گی۔(تذکرہ)

(حقیقۃ الوحی جلد 22 روحانی خزائن جلد 22 اوّل ایڈیشن)(سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ ،مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی،صفحہ:127۔128 سن اشاعت 2000ء)

تفصیل:۔

عید کی نماز کے بعد حضور اقدس علیہ السلام نے مولوی نور الدین صاحب خلیفہ اوّلؓ اور مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹیؓ کو اپنے قریب آکر بیٹھنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ ''اب جو کچھ میں عربی میں بولوں گا وہ خاص خدائی عطاء سے ہے۔آپ لوگ اسے لکھتے جائیں تا کہ محفوظ ہو جائے ورنہ بعد میں شاید میں خود بھی نہیں بتا سکوں گا۔بعدہٗ حضور اقدس علیہ السلام مسجد اقصیٰ قادیان کے درمیانی دروازہ میں ایک کرسی پر تشریف فرما ہوئے اور عربی زبان میں تقریر شروع کی کہ '' **یَاعِبَادَاللّٰہِ فَکِرُوْ فِیْ یَوْمِکُمْ ھٰذایَوْمِ الْاَضْحٰی**'' ۔(کتاب الہامیہ روحانی خزائن جلد 16 اوّل ایڈیشن)

(سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ ،مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی،صفحہ:128 سن اشاعت 2000ء)

روایت بھائی عبد الرحمٰن صاحبؓ

''حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تقریر شروع کرنے کے بعد یوں معلوم ہوتا تھا کہ گویا اب حضور اقدسؑ کسی دوسری دُنیا میں چلے گئے ہیں آپؑ کی آنکھیں قریباً بند تھیں اور چہرہ مبارک اس طرح پر منور نظر آتا تھا کہ گویا انوار الٰہیہ نے اُسے پوری طرح ڈھاپ کر غیر معمولی طور پر روشن اور ضیاپاش کر رکھا ہے اس موقعہ پر حضور اقدس علیہ السلام کے چہرہ مبارک پر نظر نہیں جمتی تھی اور آپ کی پیشانی سے نور کی اتنی تیز شعائیں نکل رہی تھیں کہ ہر دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔زبان مبارک تو بظاہر آپؑ ہی چلتی ہوئی نظر آتی تھی مگر کیفیت کچھ ایسی تھی کہ گویا وہ بے اختیار ہو کر کسی غیبی طاقت کے چلانے سے چل رہی ہے۔اُس وقت کی حالت لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں اور اُس وقت کے انقطاع الی اللہ،توکل، ربودگی،بے خودی اور محویت کا یہ عالم تھا کہ اس کی تصویر کھینچنا طاقت سے باہر ہے''۔

اور پھر فوراً بعد اسی مجلس میں تقریر کا ترجمہ اُردو میں مولوی عبد الکریمؓ صاحب نے سنایا۔اس کے دوران حضرت اقدس علیہ السلام ایک فقرہ پر کرسی سے اُٹھ کر بے اختیار سجدہ میں گر گئے اور آپ کے ساتھ ہی سب حاضرین صحابہؓ نے بھی اپنی اپنی پیشانیاں اپنے مولیٰ کریم کے سامنے زمین پر رکھ

دیں۔ **فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی ذٰالِکَ**۔ (اصحاب احمد، جلد 9) (سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ ،مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی ،صفحہ:128. 129 سن اشاعت 2000ء)

حضرت اقدسؑ کا فرمانا کہ وہ فصیح تقریر عربی میں فی البدیہہ میرے منہ سے نکل رہی تھی کہ میری طاقت سے باہر تھی۔ سبحان اللہ۔ اُس وقت ایک غیبی چشمہ کھل رہا تھا مجھے معلوم نہیں کہ میں بول رہا تھا یا میری زبان سے کوئی فرشتہ کلام کر رہا تھا۔ خود بخود دبنے بنائے فقرے میرے منہ سے نکلتے جاتے تھے اور ہر ایک فقرہ میرے لیے ایک نشان تھا......... یہ ایک علمی معجزہ ہے جو خُدا نے دکھلایا اور کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کر سکتا''۔

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد 22 اوّل ایڈیشن) (سوانح عمری: میرزا غلام احمد قادیانیؑ ،مرتبہ مولوی احسان الٰہی واقف زندگی ،صفحہ:129 سن اشاعت 2000ء)

خلاصہ کلام:۔ یہ فی البدیہہ تقریر جو خطبہ الہامیہ کے نام سے چھپ چکی ہے۔ یہ ایک گھنٹہ سے زائد بغیر کسی قسم کی تیاری کے بیان کی گئی۔ عربی کلام کا ایک نادر نمونہ ہے جو دُنیا کے علوم سے بہت بالا، اعلیٰ اور ارفع ہے جو اپنی شان آپ رکھتا ہے۔

(سوانح عمری آف امام المتقین ومہدی دوراں عالی حضرت میرزا غلام احمد قادیانی علیہ الصلوٰۃ والسلام، مرتبہ احقر مولوی احسان الٰہی واقف زندگی۔ صفحہ 129. 119 سن اشاعت 2000ء)

خطبہ الہامیہ بموقعہ عید الاضحیٰ

عرفہ کے روز صبح سویرے حضرت اقدس نے مولانا حکیم حاجی نور الدین صاحب کو ایک رُقعہ کے ذریعہ اطلاع دی کہ میں آج کا دن اور رات کا کچھ حصّہ دُعا میں گزارنا چاہتا ہوں۔ موجود الوقت دوستوں کے نام اور پتے مجھے لکھ کر بھیج دیں تا دُعا کے وقت وہ مجھے یاد رہیں۔ حضور کے اس حکم کی تعمیل کی گئی اور ایک بڑی فہرست احباب کے ناموں اور پتوں کی حضرت اقدس علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دی گئی۔ دوسرے دن عید تھی۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب سیالکوٹی صبح کے وقت حضور کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کی کہ ''میں آج خصوصیت سے عرض کرنے آیا ہوں کہ حضور تقریر ضرور کریں خواہ چند فقرے ہی ہوں''۔ آپ نے فرمایا کہ

''خُدا نے بھی یہی حکم دیا ہے'' آج صبح کے وقت الہام ہوا ہے کہ ''مجمع میں عربی میں تقریر کرو تمہیں قوت دی گئی'' مَیں کوئی اور مجمع سمجھتا تھا۔ شاید یہی مجمع ہو۔ اور نیز الہام ہوا ہے۔ **کَلَامٌ اُفْصِحَتْ مِنْ لَّدُنْ رَّبٍّ کَرِیْمٍ** ط

"یعنی اس کلام میں خُدا کی طرف سے فصاحت بخشی گئی"۔

عید کی نماز کے لیے حضور نے مسجد اقصیٰ ہی میں جمع ہونے کا ارشاد فرمایا تھا۔ آٹھ بجے تک مسجد کے اندر کا حصّہ اور صحن سارے کا سارا بھر گیا۔ اندازاً دو سو کے قریب مجمع ہوگا۔ حضرت اقدس ساڑھے آٹھ بجے تشریف لے آئے۔ نماز حضرت مولانا عبد الکریم صاحب نے پڑھائی اور خطبہ کے لیے حضرت اقدسؑ مسجد کے درمیانے دروازے میں کھڑے ہو گئے۔ پہلے خطبہ اُردو زبان میں شروع کیا جس میں اسلام کے زندہ مذہب ہونے پر ایک شاندار تقریر کی۔ ابھی تقریر ختم نہیں ہوئی تھی کہ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور کچھ جماعت کے اتحاد و اتفاق کے موضوع پر بھی فرمایا جاوے چنانچہ حضرت اقدس مولوی عبد الکریم صاحب نے عرض کی کہ حضور نے فرمایا کہ اب میں الہام الٰہی کے ماتحت عربی زبان میں کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مولوی نور الدین صاحب اور مولوی عبد الکریم صاحب میرے نزدیک ہو کر بیٹھ جائیں اور خطبہ کے الفاظ نوٹ کرتے جائیں۔ حضرت اقدس اس خطبہ کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

''تب میں عید کی نماز کے بعد عید کا خطبہ عربی زبان میں پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا اور خُدا تعالیٰ جانتا ہے کہ غیب سے مجھے ایک قوت دی گئی اور وہ فصیح تقریر عربی میں فی البدیہہ میرے منہ سے نکل رہی تھی کہ میری طاقت سے بالکل باہر تھی اور میں نہیں خیال کر سکتا کہ ایسی تقریر جس کی ضخامت کئی جزو تک تھی۔ ایسی فصاحت و بلاغت کے ساتھ بغیر اس کے کہ اوّل کسی کاغذ میں قلمبند کی جائے۔ کوئی شخص دُنیا میں بغیر الہام الٰہی کے بیان کر

سکے۔جس وقت یہ عربی تقریر جس کا نام ''خطبہ الہامیہ'' رکھا گیا۔لوگوں میں سنائی گئی۔اس وقت حاضرین کی تعداد شاید دوسَو کے قریب ہوگی۔ سبحان اللہ!اس وقت ایک غیبی چشمہ نکل رہا تھا۔مجھے معلوم نہیں کہ مَیں بول رہا تھا یا میری زبان سے کوئی فرشتہ کلام کررہا تھا۔کیونکہ میں جانتا تھا کہ اس کلام میں میرا دخل نہ تھا۔خود بخود بنے بنائے فقرے میرے منہ سے نکلتے جاتے تھے۔اور ہر ایک فقرہ میرے لیے ایک نشان تھا...... یہ ایک علمی معجزہ ہے جو خُدا نے دکھلایا اور کوئی اس کی نظیر پیش نہیں کرسکتا''۔

اس کتاب کے پہلے اڑتیس صفحے **یَا عِبَادَ اللّٰہِ فَکِّرُوْا** سے لے کر **وَسَوْفَ یُنَبِّئُھُمْ خَبِیْرٌ** تک اصل خطبہ کے ہیں۔اور باقی مضمون حضور نے بعد میں تحریر فرمایا تھا۔حضور کے خطبہ ختم کرنے کے بعد حضرت مولوی عبدالکریم صاحب ترجمہ سنانے کے لیے کھڑے ہوئے۔ابھی آپ ترجمہ سُنا ہی رہے تھے کہ حضرت اقدس فرطِ جوش کے ساتھ سجدہ میں جا پڑے آپ کے ساتھ حاضرین نے سجدۂ شکر ادا کیا۔سجدہ سے سر اُٹھا کر حضرت اقدس نے فرمایا کہ:''ابھی میں نے سُرخ الفاظ میں لکھا دیکھا ہے کہ''مبارک'' یہ گویا قبولیت کا نشان ہے''۔

(الحکم جلد نمبر 16 مورخہ یکم مئی 1900ء) حیات طیبہ، مرتبہ شیخ عبدالقادر، صفحہ 206 تا 208 سن اشاعت 1960ء)

خطبہ الہامیہ کی اشاعت 17 اکتوبر 1902ء

اس کتاب کے کل 204 صفحات ہیں۔اڑتیس صفحات اصل خطبہ کے ہیں اور یہ پہلا باب ہے یہ بعد میں حضور نے دوسرے اور تیسرے باب کا اضافہ فرمایا ہے۔اصل خطبہ میں قربانی کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور بعد میں حضور نے اپنے دعویٰ پر روشنی ڈالی ہے۔

بشپ آف لاہور کو چیلنج

ایک پادری صاحب جن کا نام لیفرائے تھا اور لاہور میں بشپ کے عہدہ پر فائز ہو کر یورپ سے آئے تھے۔انہوں نے لاہور میں آتے ہی ''معصوم نبی'' اور ''زندہ نبی'' کے مضامین پر لیکچر دینے کا اعلان کیا اور بڑی جرأت کے ساتھ مسلمانوں کو مقابلہ کا چیلنج دیا۔چنانچہ ان کا پہلا لیکچر 18 مئی 1900ء کو فورمین چیپل انار کلی لاہور میں ''نبی معصوم'' کے موضوع پر ہوا۔اس لیکچر میں انہوں نے ضعیف روایات اور تفاسیر کی بناء پر حضرت مسیحؑ کے سوا سارے انبیاءؑ کو گنہگار ثابت کرنے کی کوشش کی اور مسلمانوں کو چیلنج کیا کہ اگر کسی میں ہمت ہے تو مقابلہ پر آئے۔حضرات علماء جو جلسہ میں موجود تھے۔لاحول ولاقوۃ پڑھتے ہوئے جلسہ سے چل دیئے۔اتفاقاً اس لیکچر میں احمدیت کے شیدائی حضرت مفتی محمد صادق صاحب بھی موجود تھے۔ان کی غیرت بھلا کب برداشت کرسکتی تھی کہ بشپ صاحب مسلمانوں کو مباحثہ کا چیلنج دے کر فتح کے شادیانے بجاتے ہوئے جلسہ گاہ سے نکل جائیں آپ فوراً کھڑے ہوئے اور بآوازِ بلند کہا کہ پادری صاحب! آپ نے جو دلائل مسیحؑ کی عصمت ثابت کرنے کے لیے اناجیل سے دیئے ہیں وہ کسی محقق کے نزدیک قابلِ قبول نہیں ہوسکتے۔کیونکہ اناجیل تو حضرت مسیحؑ کے ارادتمندوں کی تصنیف ہیں۔اور ارادتمند ہمیشہ تعریف کیا ہی کرتے ہیں۔البتہ اگر انہوں نے حضرت مسیحؑ کا اپنا کوئی قول حضرت مسیحؑ اپنے ایک ارادتمند کے قول کے جواب میں اپنی نسبت صاف طور پر فرماتے ہیں کہ ''تو مجھے نیک کیوں کہتا ہے۔کوئی نیک نہیں سوائے باپ کے جو آسمان پر ہے'' معلوم ہوا کہ وہ اپنے آپ کو معصومیت کے مقام پر کھڑا کرنے کے لیے تیار نظر نہیں آتے البتہ ہمارے رسول اللہ ﷺ ضرور معصوم ہیں کیونکہ خُدا تعالیٰ انہیں فرماتا ہے۔''**وَاللّٰہُ یَعْصِمُکَ مِنَ النَّاسِ**'' یعنی اللہ کے نزدیک تمام لوگوں میں سے صرف تو ہی معصوم ہے۔حضرت مفتی صاحب کا یہ استدلال سن کر پادری صاحب بہت گھبرائے اور جلسہ گاہ چھوڑ کر چل دیئے۔

جب حضرت اقدس کو بشپ صاحب کے اس لیکچر کا علم ہوا تو حضور نے جواباً ایک اشتہار شائع فرمایا۔جس میں بشپ صاحب کو ''معصوم نبی'' کے

موضوع پر بحث کرنے کے لیے بلایا اور لکھا کہ کسی نبی کا معصوم ثابت کرنا کوئی عمدہ نتیجہ پیدا نہیں کرسکتا۔کیونکہ نیکی کی تعریف میں کئی مذاہب کا آپس میں شدید اختلاف ہے۔مثلاً ''بعض فرقے شراب پینا سخت گناہ سمجھتے ہیں اور بعض کے عقیدہ کے موافق جب تک روٹی توڑ کر شراب میں نہ ڈالی جائے اور ایک نَو مرید مع بزرگان دین کے اس روٹی کو نہ کھاوے اور اس شراب کو نہ پیوے تب تک دین دار ہونے کی پوری سند حاصل نہیں ہوسکتی .... ہاں یہ طریق نہایت عمدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا علمی اور اخلاقی اور تقدسی اور برکاتی اور تاثیراتی اور ایمانی اور عرفانی اور افاضۂ خیر اور طریق معاشرت وغیرہ وجوہِ فضائل میں باہم موازنہ اور مقابلہ کیا جائے یعنی یہ دکھلایا جائے کہ ان تمام اُمور میں کس کی فضیلت اور فوقیت ثابت ہے اور کس کی ثابت نہیں..... اور اگر فرض بھی کرلیں کہ تمام قوموں میں معصومیت کی وجوہ ایک ہی طور سے بیان کرتی ہیں..... تو گویا ایسا فرض کرنا ممکن ہے تاہم محض اس اَمر کی تحقیق سے ایک شخص شراب نہیں پیتا۔رہزنی نہیں کرتا۔ڈاکہ نہیں مارتا۔خون نہیں کرتا۔جھوٹی گواہی نہیں دیتا۔ایسا شخص صرف اس قسم کی معصومیت کی وجہ سے انسان کامل ہونے کا ہرگز مستحق نہیں ہوسکتا اور نہ کسی حقیقی اور اعلیٰ نیکی کا مالک ٹھہر سکتا ہے...... اس قسم کی نبیوں کی تعریف کرنا اور بار بار معصومیت معصومیت پیش کرنا اور دکھلانا کہ انہوں نے اِرتکاب جرائم نہیں کیا سخت مکروہ اور ترکِ ادب ہے۔

ہاں ہزاروں صفات فاضلہ کے ضمن میں اگر یہ بھی بیان ہو تو کچھ مضائقہ نہیں...... انسانِ کامل کی شناخت کے لیے کسبِ خیر کا پہلو دیکھنا چاہیے۔یعنی یہ کہ کیا کیا حقیقی نیکیاں اس سے ظہور میں آئیں اور کیا کیا حقیقی کمالات اس کے دل اور دماغ اور کانشش میں موجود ہیں اور کیا کیا صفات فاضلہ اس کے اَندر موجود ہیں۔سو یہی وہ اَمر ہے جس کو پیش نظر رکھ کر حضرت مسیحؑ کے ذاتی کمالات اور انواع خیرات اور ہمارے نبی ﷺ وسلم کے کمالات اور خیرات کو ہر ایک پہلو سے جانچنا چاہیے...... الخ''

حضرت اقدسؑ کا یہ اشتہار لاہور اور دیگر شہروں میں تقسیم کردیا گیا اور اس کا انگریزی میں ترجمہ کرواکر بشپ صاحب کو بھی پہنچادیا گیا اور حضرت مسیحؑ کا واسطہ دے کر اُن سے درخواست کی گئی کہ اس مباحثہ کو ضرور منظور فرمالیں۔مگر بشپ صاحب تو ایسے مرعوب ہوئے کہ انہوں نے کوئی جواب ہی نہیں دیا حالانکہ ابتداءً چیلنج انہوں نے خود دیا تھا۔بشپ صاحب کے ڈرنے کی دو وجوہ تھیں:۔

اوّل یہ کہ حضرت اقدس کے اس اشتہار میں آنحضرت ﷺ کی فضیلت اور حضرت مسیحؑ کی انجیلی معصومیت کے ردّ میں زبردست دلائل دیئے گئے تھے۔دوسرے اس روز جس روز کا یہ چیلنج پادری صاحب کو ملا یعنی 25 مئی 1900ء کو۔پادری صاحب نے ''زندہ رسول'' کے مضمون پر لیکچر دینے کا اعلان کیا تھا اور حسبِ سابق اس میں بھی مسلمانوں کو مقابلہ پر آنے کی دعوت دی تھی۔لاہور کے علماء میں تو مقابلہ کے لیے کوئی شخص نہ ملا۔اسلام سے محبت وہمدردی رکھنے والے لوگ مولوی ثناءاللہ صاحب کو اَمرتسر سے لائے۔لیکن مولوی صاحب نے ڈاکٹر لیفرائے کا مقابلہ کرنے کی بجائے مسلمانوں کو ان کا لیکچر سننے کے لیے جانے سے روکا۔مسلمانوں نے اپنے علماء کی بے بسی دیکھ کر سخت شرمندگی محسوس کی اور حضرت اقدسؑ کی طرف رجوع کیا۔حضرت اقدس نے رُوح القدس کی تائید سے ڈاکٹر لیفرائے کے متوقع مضمون سے پہلے ہی ''زندہ رسول'' کے موضوع پر ایک مضمون لکھا اور ایک عجیب بات ہے کہ جو لیکچر پادری صاحب نے دینا تھا۔اس کے دلائل کا مکمل جواب حضور کے اس مضمون میں موجود تھا۔چنانچہ جب پادری صاحب اپنی تقریر ختم کرچکے۔اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب نے حضرت اقدس کا مضمون پڑھنا شروع کیا تو سامعین یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ کیونکر حضرت مرزا صاحب کو پادری صاحب کے دلائل کا قبل اَز وقت علم ہوگیا۔جو آپ نے اُن کے دلائل کو نمبروار توڑ کر رکھ دیا۔بشپ صاحب اور ان کے دوسرے ساتھی بھی اس مضمون کو سُن کر ششدر رہ گئے۔کیونکہ یہ مضمون اُن کے لیکچر کا مکمل جواب تھا۔

غرض حضرت اقدسؑ کا چیلنج وصول کر کے بشپ صاحب سخت سٹپٹائے اور مباحثہ سے صاف اِنکار کر دیا۔حضرت اقدس نے جب اس مباحثہ کی شرائط کوشائع کیا تو اس وقت کے مشہور انگریزی اخبارات نے جن کے ایڈیٹرز بھی انگریز تھے۔دلچسپ آراء کا اظہار کیا۔

1-پایونیر نے لکھا کہ ''اگر ڈاکٹر لیفرائے مقابلہ کرنا منظور کر لے۔تو بے شک یہ مباحثہ نہایت ہی دلچسپ ہوگا''۔

2-انڈین اسپیکٹیٹر مشہور انگریزی اخبار نے لکھا کہ:۔''معلوم ہوتا ہے لاہور کے بشپ صاحب نے متانت کو چھوڑ کر جلد بازی کے ساتھ ایک ایسے چیلنج سے گریز اختیار کی ہے جس کا محرک وہ پہلے خود ہی ہوا تھا''۔الخ

3-انڈین ڈیلی گراف نے بھی ایک کافی لمبا تبصرہ کیا۔جس کے دوران میں لکھا کہ ''ہماری رائے ہے کہ بشپ صاحب اگر اس چیلنج کو منظور کر لیں تو بہت اچھا ہوگا''۔

نیز لکھا کہ ''ہم یہ بھی سمجھ سکتے کہ بشپ صاحب کس طرح یہ عذر کر سکتے ہیں کہ ایسے عمدہ مباحثہ میں ان کے وقت کا بڑا حصّہ صَرف ہو جائے گا۔ان کو ایسے مخالفوں کا ردّ کرنے اور اُن کو قائل کرنے کا یہ موقع کسی طرح بھی ہاتھ سے نہیں دینا چاہیے۔خصوصاً جب کہ اُن سے یہ ثابت کرنے کی خواہش کی گئی ہے کہ عیسائیت اور اسلام ہر دو مذاہب میں کون سا مذہب زندہ کہلا سکتا ہے اور قرآن مجید اور بائیبل دونوں کی تعلیمات میں سے کس کی تعلیم زیادہ افضل اور انسانی فطرت کے مطابق ہے ہم پسند کریں گے اگر چیلنج منظور کر لیا جائے کیونکہ ہمارے خیال میں یہ نہایت ہی دلچسپ ہوگا''۔

بشپ لیفرائے صاحب کے فرار کی تمام وجوہِ انکار کی لغویت کو بعد ازاں ریویو آف ریلیجنز میں بھی پوری شرح وبسط کے ساتھ شائع کر دیا گیا اور اس وقت بھی انہیں چیلنج کو قبول کرنے پر آمادہ کرنے کی کوشش کی گئی۔مگر انہوں نے نہ ماننا تھا نہ مانا۔

(حیات طیبہ، مرتبہ شیخ عبدالقادر مرحوم، صفحہ 208.210 سن اشاعت 1960ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے قبولیت دُعا کے ایمان افروز واقعات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''یاد رہے کہ خُدا کے بندوں کی مقبولیت پہچاننے کے لیے دُعا کا قبول ہونا بھی ایک بڑا نشان ہوتا ہے۔بلکہ استجابت دُعا کی مانند اور کوئی بھی نشان نہیں کیونکہ استجابت دُعا سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک بندے کو جنابِ الٰہی میں قدر اور عزت ہے۔اگرچہ دُعا کا قبول ہو جانا ہر جگہ لازمی اَمر نہیں۔کبھی کبھی خدائے عزّوجل اپنی مرضی بھی اختیار کرتا ہے لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ مقبولین حضرتِ عزت کے لیے یہ بھی ایک نشانی ہے کہ بہ نسبت دوسروں کے کثرت سے ان کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور کوئی استجابت دُعا کے مرتبہ میں ان کا مقابلہ نہیں کر سکتا اور میں خُدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ ہزار ہا میری دُعائیں قبول ہوئی ہیں اگر میں سب کو لکھوں تو ایک بڑی کتاب ہو جائے''۔(حقیقۃ الوحی صفحہ:321 روحانی خزائن جلد22 صفحہ 334)

1)ایک دفعہ سخت ضرورت روپیہ کی پیش آئی۔جس کا ہمارے اس جگہ کے آریہ لالہ شرم پت وملاوامل کو بخوبی علم تھا اور ان کو یہ بھی علم تھا کہ بظاہر کوئی ایسی تقریب نہیں جو جائے اُمید ہو سکے۔بلا اختیار دُعا کے لیے جوش پیدا ہوتا مشکل بھی حل ہو جائے اور ان لوگوں کے لیے نشان بھی ہو۔چنانچہ دُعا کی گئی کہ اللہ تعالیٰ نشان کے طور پر مالی مدد سے اطلاع بخشے تب الہام ہوا۔

دس دن کے بعد میں موج دکھاتا ہوں **اَلَا نَصْرَ اللّٰہِ قَرِیْبٌ فِیْ شَائِلٍ مِقْیَاس** ۔وین ول یو گوٹو امرتسر۔یعنی دس دن کے بعد روپیہ آئے گا۔خُدا کی مدد نزدیک ہے اور جیسے جب جننے کے لیے اونٹنی دم اُٹھاتی ہے تب اس کا بچہ جننا نزدیک ہوتا ہے۔ایسا ہی مددِ الٰہی بھی قریب ہے۔دس دن کے بعد جب روپیہ آئے گا تب تم امرتسر جاؤ گے۔سو عین اس پیشگوئی کے مطابق مذکورہ بالا آریوں کے روبرو وقوع میں آیا۔یعنی دس دن تک کچھ نہ

آیا۔گیارہویں روز محمد افضل خان صاحب نے راولپنڈی سے ایک سو دس روپے بھیجے۔بیس روپے ایک اور جگہ سے آئے اور پھر برابر روپیہ آنے کا سلسلہ ایسا جاری رہا جس کی اُمید نہ تھی۔تریاق القلوب روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 275.258)

2)''خلیفہ سیّد محمد حسن صاحب وزیر اعظم پٹیالہ کسی ابتلا اور فکر اور غم میں مبتلا تھے ان کی طرف سے متواتر دُعا کی درخواست ہوئی۔اتفاقاً ایک دن یہ الہام ہوا۔

چل رہی ہے نسیم رحمت کی　　　جو دُعا کیجئے قبول ہے آج

اس وقت مجھے یاد آیا کہ آج انہیں کے لیے دُعا کی جائے۔چنانچہ دُعا کی گئی اوت تھوڑے عرصہ کے بعد انہوں نے ابتلاء سے رہائی پائی اور بذریعہ خط اپنی رہائی سے اطلاع دی۔'' (نزول المسیح صفحہ:225،روحانی خزائن جلد 18 صفحہ:603)

3)''ایک دفعہ نواب علی محمد خاں مرحوم رئیس لدھیانہ نے میری طرف خط لکھا کہ میرے بعض اُمورِ معاش بند ہو گئے ہیں۔آپ دُعا کریں کہ تا وہ کھل جائیں۔جب میں نے دُعا کی تو مجھے الہام ہوا کہ کھل جائیں گے۔میں نے بذریعہ خط ان کو اطلاع دے دی۔پھر صرف دو چار دن کے بعد وہ وجوہِ معاش کھل گئے اور ان کو بشدّت اعتقاد ہو گیا۔پھر ایک دفعہ انہوں نے بعض اپنے پوشیدہ مطالب کے متعلق میری طرف ایک خط روانہ کیا اور جس گھڑی انہوں نے خط ڈاک میں ڈالا اسی گھڑی مجھے الہام ہوا کہ اس مضمون کا خط ان کی طرف سے آنے والا ہے۔تب میں نے بلا توقف ان کی طرف خط لکھا کہ اس مضمون کا خط آپ روانہ کریں گے۔دوسرے دن وہ خط آ گیا اور جب میرا خط ان کو ملا تو وہ دریائے حیرت میں ڈوب گئے کہ یہ غیب کی خبر کس طرح مل گئی کیونکہ میرے اس راز کی خبر کسی کو نہ تھی۔اور ان کا اعتقاد اس قدر بڑھا کہ وہ محبت اور ارادت میں فنا ہو گئے''۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ:246 روحانی خزائن جلد نمبر 22 صفحہ 257.258)(خزینۃ الدُعا ،مرتبہ حافظ مظفر احمد صاحب،صفحہ 22 سن اشاعت 2000,2002ء)

4)''ایک دوست نے بڑی مشکل کے وقت خط لکھا کہ اس کا ایک عزیز کسی سنگین مقدمہ میں ماخوذ ہے۔اور کوئی صورت رہائی کی نظر نہیں آتی اور دُعا کے لیے درخواست کی۔چنانچہ اسی رات کافی وقت میسّر آ گیا اور قبولیت کے آثار سے ایک آریہ کو اطلاع دی گئی۔چند روز بعد خبر ملی کی مدعی جس نے یہ مقدمہ کیا تھا۔ناگہانی موت سے مر گیا اور شخص ماخوذ نے خلاصی پائی۔فالحمدللہ علی ذالک''۔(تریاق القلوب صفحہ:59 روحانی خزائن جلد 15 صفحہ 260)

(خزینۃ الدُعا،مرتبہ حافظ مظفر احمد صاحب،صفحہ:22 سن اشاعت 2000,2002ء)

5)''ایک دفعہ ہمارے ایک مخلص دوست عبد الرحمان صاحب تاجر مدراس کے لیے جب دُعا کی گئی تو الہام ہوا"۔

قادر ہے وہ بارگاہ ٹوٹا کام بناوے　　　بنا بنایا توڑ دے کوئی اس کا بھید نہ پاوے

یہ ایک بشارت ان کا غم دُور کرنے کے بارے میں تھی چنانچہ چند ہفتہ کے بعد ہی خُدا تعالیٰ نے ان کو اس پیش آمدہ غم سے رہائی بخشی''۔

(نزول المسیح صفحہ 233 روحانی خزائن جلد 18 صفحہ 611)

(خزینۃ الدُعا ،مرتبہ حافظ مظفر احمد صاحب،صفحہ:22 سن اشاعت 2000,2002ء)

6)''ایک مرتبہ اتفاقاً مجھے پچاس روپیہ کی ضرورت پیش آئی اور جیسا کہ اہل فقر اور توکل پر کبھی کبھی ایسی ضرورت کی حالتیں آ جاتی ہیں۔ایسا ہی یہ حالت مجھے پیش آ گئی کہ اس وقت کچھ موجود نہ تھا۔سو میں صبح کو سیر کو گیا اور اس ضرورت کے خیال نے مجھے یہ جوش دیا کہ میں اس جنگل میں دُعا کروں۔چنانچہ میں نے ایک پوشیدہ گوشہ میں جا کر اس نہر کے کنارے پر دُعا کی جو بٹالہ کی طرف قادیان سے قریباً تین میل کے فاصلہ پر ہے جب میں دُعا کر چکا۔تب فی الفور دُعا کے ساتھ ہی ایک الہام ہوا۔جس کا ترجمہ یہ ہے کہ دیکھ میں تیری دُعاؤں کو کیسے جلد قبول کرتا ہوں۔تب میں خوش ہوا اور اس جنگل سے قادیان کی طرف واپس آیا اور سیدھا بازار کی طرف رُخ کیا۔تا قادیان کے سب پوسٹ ماسٹر سے دریافت کروں کہ آج ہمارے نام کچھ روپیہ آیا ہے یا نہیں۔چنانچہ ڈاکخانہ سے بذریعہ ایک خط کے اطلاع ہوئی کہ پچاس روپیہ لدھیانہ سے کسی نے روانہ کیے ہیں اور

غالباً گمان گزرتا ہے کہ اسی دن یا دوسرے دن وہ روپیہ مجھے مل گیا''۔ (تریاق القلوب روحانی خزائن جلد15 صفحہ 294.295)

(خزینۃ الدُعا ،مرتبہ حافظ مظفر احمد صاحب،صفحہ:23.22 سن اشاعت 2000,2002ء)

7)''سردار نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کا لڑکا عبدالرحیم خاں ایک شدید محرقہ تپ کی بیماری سے بیمار ہو گیا تھا۔ اور کوئی صورت جان بری کی دکھائی نہیں دیتی تھی۔ گویا مردہ کے حکم میں تھا۔ اس وقت میں نے اس کے لیے دُعا کی تو معلوم ہوا کہ تقدیر مبرم کی طرح ہے تب میں نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ یا الٰہی میں اس کے لیے شفاعت کرتا ہوں۔ اس کے جواب میں خُدا تعالیٰ نے فرمایا: مَنْ ذَاالَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗ اِلَّابِاِ ذْنِہٖ۔ یعنی کس کی مجال ہے کہ بغیر اذن الٰہی کے کسی کی شفاعت کر سکے۔ تب میں خاموش ہو گیا۔ بعد اس کے بغیر توقف کہ یہ الہام ہوا۔ اِنَّکَ اَنْتَ الْمُجَازُ۔ یعنی تجھے شفاعت کرنے کی اجازت دی گئی۔ تب میں نے بہت تضرّ ع اور ابتہال سے دُعا کرنی شروع کی تو خُدا تعالیٰ نے میری دُعا قبول فرمائی اور لڑکا گویا قبر سے نکل کر باہر آیا اور آثار صحت ظاہر ہوئے اور اس قدر لاغر ہو گیا تھا کہ مدت دراز کے بعد وہ اپنے اصلی بدن پر آیا اور تندرست ہو گیا اور زندہ موجود ہے''۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ 219.220 روحانی خزائن جلد22 صفحہ 229.230)

(خزینۃ الدُعا ،مرتبہ حافظ مظفر احمد صاحب،صفحہ:23 سن اشاعت 2000,2002ء)

8)''میرے مخلص مولوی نورالدین صاحب کا ایک لڑکا فوت ہو گیا تھا اور وہی خیال سے کہ مولوی صاحب لاولد رہ گئے۔ تب میں نے ان کے لیے بہت دُعا کی اور دُعا کے بعد خُدا تعالیٰ کی طرف سے مجھے یہ اطلاع ملی کہ تمہاری دُعا سے ایک لڑکا پیدا ہو گا اور اس بات کا نشان کہ وہ محض دُعا کے ذریعے سے پیدا کیا گیا ہے۔ یہ بتایا گیا کہ اس کے بدن پر بہت سے پھوڑے نکل آئیں گے چنانچہ وہ لڑکا پیدا ہوا جس کا نام عبدالحی رکھا گیا اور اس کے بدن پر غیر معمولی پھوڑے بہت سے نکلے۔ جن کے داغ اب تک موجود ہیں۔ اور یہ پھوڑوں کا نشان لڑکے کے پیدا ہونے سے پہلے بذریعہ اشتہار شائع کیا گیا تھا''۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ 220 روحانی خزائن جلد22 صفحہ 230) (خزینۃ الدُعا ،مرتبہ حافظ مظفر احمد صاحب،صفحہ 24.23 سن اشاعت 2000,2002ء)

9)''ایک دفعہ میرا چھوٹا لڑکا مبارک احمد بیمار ہو گیا۔ غشی پر غشی پڑتی تھی اور میں اس کے قریب مکان میں دُعا میں مشغول تھا اور کئی عورتیں اس کے پاس بیٹھی تھیں کہ ایک دفعہ ایک عورت نے پکار کر کہا کہ اب بس کرو کیونکہ لڑکا فوت ہو گیا۔ تب میں اس کے پاس آیا اور اس کے بدن پر ہاتھ رکھا اور خُدا تعالیٰ کی طرف توجہ کی تو دو تین منٹ کے بعد لڑکے کو سانس آنا شروع ہو گیا اور نبض بھی محسوس ہوئی اور لڑکا زندہ ہو گیا۔ تب مجھے خیال آیا کہ عیسیٰ علیہ السلام کا احیاء موتی بھی اس قسم کا تھا اور پھر نادانوں نے اس پر حاشیے چڑھا دیئے''۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ 253 روحانی خزائن جلد22 صفحہ 265)

(خزینۃ الدُعا ،مرتبہ حافظ مظفر احمد صاحب،صفحہ 24 سن اشاعت 2000,2002ء)

10)''پانچواں نشان جوان دنوں میں ظاہر ہوا وہ ایک دُعا کا قبول ہونا ہے۔ جو درحقیقت احیائے موتی میں داخل ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ عبدالکریم نام ولد عبدالرحمٰن ساکن حیدر آباد دکھن ہمارے مدرسہ میں ایک طالب علم ہے قضاء وقدر سے اس کو سگِ دیوانہ کاٹ گیا ہم نے اس کو معالجہ کے لیے کسولی بھیج دیا چند روز تک اس کا کسولی میں علاج ہوتا رہا پھر وہ قادیان میں واپس آیا تھوڑے دن گزرنے کے بعد اس میں وہ آثار دیوانگی کے ظاہر ہوئے جو دیوانہ کتے کے کاٹنے کے بعد ظاہر ہوا کرتے ہیں اور پانی سے ڈرنے لگا اور خوفناک حالت پیدا ہو گئی تب اس غریب الوطن عاجز کے لیے میرا دل سخت بے قرار ہوا اور دُعا کے لیے ایک خاص توجہ پیدا ہو گئی۔ ہر ایک شخص سمجھتا تھا کہ وہ غریب چند گھنٹہ کے بعد مر جائے گا ناچار اس کو بورڈنگ سے باہر نکال کر ایک الگ مکان میں دوسروں سے علیحدہ ہر ایک احتیاط سے رکھا گیا اور کسولی کے انگریز ڈاکٹروں کی طرف تار بھیج دی اور پوچھا گیا کہ اس حالت میں اس کا کوئی علاج بھی ہے۔ اس طرف سے بذریعہ تار جواب آیا کہ اب اس کا کوئی علاج نہیں۔ مگر اس غریب اور بے وطن لڑکے کے لیے میرے دل میں بہت توجہ پیدا ہو گئی۔

اور میرے دوستوں نے بھی اس کے لیے دُعا کرنے کے لیے بہت ہی اِصرار کیا۔ کیونکہ اس غربت کی حالت میں وہ لڑکا قابل رحم تھا۔ اور نیز دل میں یہ خوف پیدا ہوا کہ اگر وہ مرگیا تو ایک بُرے رنگ میں اس کی موت شماتتِ اعداء کا موجب ہوگی۔ تب میرا دل اس کے لیے سخت درد اور بے قراری میں مبتلا ہوا اور خارق عادت توجہ پیدا ہوئی۔ جو اپنے اختیار سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ محض خُدا تعالیٰ کی طرف سے پیدا ہوتی ہے اور اگر پیدا ہو جائے تو خُدا تعالیٰ کے اِذن سے وہ اثر دکھاتی ہے کہ وہ قریب ہے کہ اس سے مردہ زندہ ہو جائے۔ غرض اس کے لیے اقبال علی اللہ کی حالت میسر آ گئی اور جب وہ توجہ انتہاء تک پہنچ گئی اور درد نے اپنا تسلّط میرے دل پر کرلیا تب اس بیمار پر جو درحقیقت تھا اس توجہ کے آثار ظاہر ہونے شروع ہو گئے اور یا تو وہ پانی سے ڈرتا اور روشنی سے بھاگتا تھا اور یا یکدفعہ طبیعت نے صحت کی طرف رُخ کیا اور اس نے کہا کہ اب مجھے پانی سے ڈر نہیں آتا۔ تب اس کو پانی دیا گیا تو اس نے بغیر کسی خوف کے پی لیا۔ بلکہ پانی سے وضو کر کے نماز بھی پڑھ لی۔ اور تمام رات سوتا رہا اور خوفناک اور وحشیانہ حالت جاتی رہی۔ یہاں تک کہ چند روز تک بکلی صحت یاب ہوگیا۔ میرے دل میں فی الفور ڈالا گیا کہ یہ دیوانگی کی حالت جو اس میں پیدا ہوگئی تھی یہ اس لیے نہیں تھی کہ وہ دیوانگی اس کو ہلاک کرے بلکہ اس لیے تھی کہ تا خُدا تعالیٰ کا نشان ظاہر ہو اور تجربہ کار لوگ کہتے ہیں کہ کبھی دُنیا میں ایسا دیکھنے میں نہیں آیا کہ ایسی حالت میں کہ جب کسی کو دیوانہ کتے نے کاٹا ہو اور دیوانگی کے آثار ظاہر ہو گئے ہوں پھر کوئی شخص اس حالت سے جانبر ہو سکے اور اس سے زیادہ اس بات کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ جو ماہر اس فن کے کسولی میں گورنمنٹ کی طرف سے سگ گزیدہ کے علاج کے لیے ڈاکٹر مقرر ہیں۔ انہوں نے ہمارے تار کے جواب میں صاف لکھ دیا ہے کہ اب کوئی علاج نہیں ہوسکتا۔ اس جگہ اس قدر لکھنا رہ گیا کہ جب میں نے اس لڑکے کے لیے دُعا کی تو خُدا نے میرے دل میں القاء کیا کہ فلاں دوا دینی چاہیے چنانچہ میں نے چند دفعہ وہ دوا بیمار کو دی آخر بیمار اچھا ہوگیا۔ یا یوں کہو کہ مردہ زندہ ہوگیا اور کسولی کے ڈاکٹروں کی طرف سے ہماری تار کا جواب آیا تھا۔ ہم ذیل میں وہ جواب جو انگریزی میں ہے معہ ترجمہ کے لکھ دیتے ہیں اور وہ یہ ہے۔۔۔

sorry , nothing can be done for Abdul Karim.

''افسوس کہ عبدالکریم کے واسطے کچھ بھی نہیں کیا جا سکتا''۔

(روحانی خزائن جلد22 صفحہ 481.480 تتمہ حقیقۃ الوحی صفحہ 46 تا 48)(خزینۃ الدُعا ،مرتبہ حافظ مظفر احمد صاحب، صفحہ 26 سن اشاعت 2000,2002ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''یہ بالکل سچ ہے کہ مقبولین کی اکثر دُعائیں منظور ہوتی ہیں بلکہ بڑا معجزہ ان کا استجابت دُعا ہی ہے جب ان کے دلوں میں کسی مصیبت کے وقت شدت سے بے قراری ہوتی ہے اور اس شدید بے قراری کی حالت میں وہ اپنے خُدا کی طرف توجہ کرتے ہیں تو خُدا ان کی سنتا ہے اور اس وقت ان کا ہاتھ گویا خُدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔ خُدا ایک مخفی خزانہ کی طرح ہے۔ کامل مقبولوں کے ذریعہ سے اپنا چہرہ دکھلاتا ہے خُدا کے نشان تبھی ظاہر ہوتے ہیں جب اس کے مقبول ستائے جاتے ہیں اور جب حد سے زیادہ ان کو دُکھ دیا جاتا ہے تو سمجھو کہ خُدا کا نشان نزدیک ہے بلکہ دروازہ پر کیونکہ یہ وہ قوم ہے کہ کوئی اپنے پیارے بیٹے سے ایسی محبت نہیں کرے گا جیسا کہ خُدا ان لوگوں سے کرتا ہے جو دل و جان سے اس کے ہو جاتے ہیں وہ ان کے لیے عجائب کام دکھلاتا ہے اور ایسی اپنی قوت دکھلاتا ہے کہ جیسا ایک سوتا ہوا شیر جاگ اُٹھتا ہے خُدا مخفی ہے اور اس کے ظاہر کرنے والے یہی لوگ ہیں وہ ہزاروں پردوں کے اندر ہے اور اس کا چہرہ دکھلانے والی یہی قوم ہے''۔

(حقیقۃ الوحی صفحہ 18.19 روحانی خزائن جلد22 صفحہ 21.20)(خزینۃ الدُعا ،مرتبہ حافظ مظفر احمد صاحب، صفحہ:20.26 سن اشاعت 2000,2002ء)

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت

صاحبزادہ سیّد عبداللطیف صاحب افغانستان کے علاقہ خوست کے رہنے والے صاحبِ الہام اور صاحب کشف و کرامات بزرگ تھے۔ سارے ملک میں ان کی بزرگی مسلّم تھی۔ افغانستان میں ان کے ہزار ہا مرید تھے۔ اُن کے تقویٰ وطہارت اور علم وفضل کا یہ حال تھا کہ امیر کابل حبیب اللہ کی تاج پوشی کے موقعہ پر دستار بندی کی رسم انہی کے دستِ مبارک سے اَدا کرائی گئی تھی۔ آپ اسلام کا بہت دَرد رکھتے تھے اور دُعائیں کرتے رہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اسلام کی حفاظت کے لیے جلد کسی عظیم الشان مجدد کو مبعوث کرے۔ اسی اثناء میں کسی طرح سے حضرت اقدسؑ کی بعض کتابیں مل گئیں۔ بس پھر کیا تھا۔ ایک نظر ڈالتے ہی ہزار جان سے فدا ہو گئے۔ ملاقات کا شوق پیدا ہوا مگر کوئی ذریعہ نظر نہ آتا تھا۔ آخر آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ نے حج کرنے کی تحریک پیدا کی۔ اس پر خیال آیا کہ راستہ میں قادیان سے بھی ہوتے جائیں گے۔ آپ نے اپنے اِرادۂ حج کا ذکر امیر کابل سے بھی کیا۔ انہوں نے نہ صرف اجازت دی بلکہ اخراجات سفر کے لیے کچھ روپیہ بھی نذر کیا۔ آپ اپنے ملک سے روانہ ہو کر غالباً اکتوبر 1902ء میں قادیان پہنچے اور حضرت اقدس کو دیکھ کر آپ کے عشق و محبت میں بالکل محو ہو گئے۔ یہاں تک کہ حج کا وقت گزر گیا۔ آپ کئی ماہ قادیان میں مقیم رہے۔

صاحبزادہ صاحب کی اپنے ملک کو واپسی اور لاہور میں قیام

آپ کے ایک رفیق میاں احمد نور صاحب کا بیان ہے کہ جب آپ قادیان میں تھے تو آپ کو بار بار یہ الہام ہوا کہ: ''اس راہ میں اپنا سر دیدے اور دریغ نہ کر کہ خُدا نے کابل کی زمین کی بھلائی کے لیے یہی چاہا ہے''۔ ایک دفعہ فرمایا کہ:۔ ''مجھے الہام ہوتا ہے کہ آسمان شور کر رہا ہے اور زمین اس شخص کی طرح کانپ رہی ہے جو تپ لرزہ میں مبتلا ہو۔ دُنیا اس کو نہیں جانتی۔ یہ اَمر ہونے والا ہے''۔ جب آپ حضرت اقدسؑ سے اجازت حاصل کر کے قادیان سے رخصت ہونے لگے تو حضور ان کی مشایعت کے لیے دُور تک اُن کے ساتھ تشریف لے گئے۔ رخصت ہونے کے وقت حضرت صاحبزادہ صاحب پر سخت رقت طاری ہوگئی اور فرطِ محبت میں آپ بے اختیار حضرت کے قدموں پر گر گئے دیکھنے والے بزرگوں کا بیان ہے کہ ان کی اس حالت کو دیکھ کر حضرت اقدس بھی آب دیدہ ہو گئے اور مشکل سے اپنے آپ کو سنبھالا تاہم آپ یہ پسند نہیں فرماتے تھے کہ کوئی شخص آپ کے پاؤں پر گرے یا تعظیماً آپ کے گھٹنوں کو ہاتھ لگائے۔ آپ نے صاحبزادہ صاحب کو اُٹھنے کے لیے کہا، مگر وہ بدستور اسی طرح پڑے رہے۔ اس پر آپ نے فرمایا۔ **اَلْاَمْرُ فَوْقَ الْاَدَبِ**۔ حضور کا یہ فرمان سن کر آپ فوراً کھڑے ہو گئے اور عرض کیا کہ ''حضور! میری بے تابی اور بے قراری کی وجہ یہ ہے کہ میرے دل کو یقین ہے کہ اس زندگی میں مَیں پھر آپ کو نہیں دیکھ سکوں گا۔ یہ آپ کا اب آخری دیدار ہے جو مَیں کر رہا ہوں''۔ یہ عرض کر کے بادل بے قرار و بچشمِ اشکبار رخصت ہوئے۔ لاہور سے آپ نے کچھ کتابیں خریدنی تھیں۔ حضرت میاں عبدالعزیز صاحب مغلؓ جن کو روایات کے ایک بہت بڑے ذخیرہ کا حامل ہونے کی وجہ سے میں احمدیت کا ابو ہریرہؓ کہا کرتا ہوں۔ انہوں نے غالباً 1939ء میں جب کہ مَیں نظارت تالیف و اشاعت کی طرف سے روایاتِ صحابہ (وہ روایات جو خاکسار نے رجسٹروں میں درج کی تھیں۔ خلافت لائبریری ربوہ میں محفوظ ہیں فالحمدللہ علیٰ ذالک) جمع کرنے کی غرض سے مختلف شہروں اور قصبوں میں گھوم رہا تھا۔ متعدد بار مجھے یہ واقعہ سُنایا کہ حضرت صاحبزادہ صاحب پگڑی پر چادر لپیٹے رکھتے تھے اور ایک بڑا ساجبّہ زیب تن رکھتے تھے۔ دورانِ قیام لاہور میں ایک صاحب نے کسی تقریب پر کچھ احباب کی دعوت کی۔ اس میں حضرت صاحبزادہ صاحب بھی تشریف لے گئے۔ مغل صاحب مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ اس دعوت میں حضرت صاحبزادہ صاحب کی معیت میں مَیں بھی گیا تھا۔ جب آپ دعوت کے کمرہ میں پہنچے تو دستر خوان پر قسم قسم کے کھانے نہایت ہی قرینے سے چُنے

ہوئے تھے۔حضرت صاحبزادہ صاحب ابھی بیٹھے ہی تھے کہ آپ پر کشفی حالت طاری ہوگئی اور آپ نے فارسی زبان میں مجھے فرمایا کہ تم لوگ مجھے یہاں گُو کھلانے کے لیے لائے ہو۔ یہ کہہ کر اُٹھے اور تیز تیز چلنے لگے۔آپ کا جبّہ ہوا میں اُڑ رہا تھا۔راستہ میں مجھے آپ نے چار آنے دیئے اور فرمایا کہ نان اور کباب خرید لو۔مَیں نے حکم کی تعمیل کی۔پھر وہ نان کباب جو کافی مقدار میں تھے۔ہم لوگوں نے گُمٹی والی مسجد میں جو اس وقت جماعت احمدیہ کے پاس تھی۔بیٹھ کر کھائے۔میزبان نے جب اس طرح حضرت صاحبزادہ صاحب کو واپس جاتے ہوئے دیکھا تو وہ آپ کی کشفی نظر سے بہت متاثر ہوا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ دعوت سودی روپے سے کی گئی ہے۔لاہور سے چل کر آپ اپنے وطن خوست تشریف لے گئے۔راستہ میں آپ بار بار اپنے شاگردوں سے کہتے تھے کہ کابل کی زمین اپنی اصلاح کے لیے میرے خون کی محتاج ہے بعد کے حالات چونکہ خود حضرت اقدس نے اپنی کتاب تذکرۃ الشہادتین میں تحریر فرمائے ہیں۔لہٰذا وہی خلاصۃً حضور ہی کے الفاظ میں بیان کیے جاتے ہیں۔

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی شہادت 14 جولائی 1903ء

''مولوی صاحب جب سرزمین علاقہ ریاست کابل کے نزدیک پہنچے۔تو علاقہ انگریزی میں ٹھہر کر بریگیڈیر محمد حسین کوتوال کو جو اُن کا شاگرد تھا۔ایک خط لکھا کہ اگر آپ امیر صاحب سے میرے آنے کی اجازت حاصل کر کے مجھے اطلاع دیں۔تو امیر صاحب کے پاس بمقام کابل میں حاضر ہو جاؤں۔بلا اجازت اس لیے تشریف نہ لے گئے کہ وقتِ سفر امیر صاحب کو یہ اطلاع دی تھی کہ مَیں حج کو جاتا ہوں مگر وہ ارادہ قادیان میں بہت دیر ٹھہرنے سے پورا نہ ہوسکا۔اور وقت ہاتھ سے جاتا رہا........ سوانہوں نے مناسب سمجھا کہ بریگیڈیر محمد حسین کو خط لکھا جائے۔تا وہ مناسب موقعہ پر اصل حقیقت مناسب لفظوں میں امیر کے گوش گذار کر دیں اور اس خط میں یہ لکھا کہ اگرچہ میں حج کے لیے روانہ ہوا تھا مگر مسیح موعودؑ کی مجھے زیارت ہوگئی اور چونکہ مسیح کے ملنے کے لیے اور اس کی اطاعت مقدّم رکھنے کے لیے خُدا اور رسول کا حکم ہے اس مجبوری سے مجھے قادیان ٹھہرنا پڑا۔اور مَیں نے اپنی طرف سے یہ کام نہ کیا۔ بلکہ قُرآن وحدیث کی رُو سے اس امر کو ضروری سمجھا۔جب یہ خط بریگیڈیر محمد حسین کوتوال کو پہنچا۔تو اس نے خط اپنے زانو کے نیچے رکھ لیا اور اس وقت پیش نہ کیا۔مگر اس کے نائب کو جو مخالف اور شریر آدمی تھا کسی طرح پتہ لگ گیا کہ یہ مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کا خط ہے اور وہ قادیان میں ٹھہرے رہے۔تب اُس نے وہ خط کسی تدبیر سے نکال لیا اور امیر کے آگے پیش کر دیا ......چونکہ قضا وقدر سے مولوی صاحب کی شہادت مقدر تھی اور آسمان پر وہ برگزیدہ بزمرۂ شہداء داخل ہو چکا تھا۔اس لیے امیر صاحب نے ان کے بلانے کے لیے حکمتِ عملی سے کام لیا اور ان کی طرف خط لکھا کہ آپ بلا خطرہ چلے آؤ۔اگر یہ دعویٰ سچا ہوگا تو مَیں بھی مرید ہو جاؤں گا۔......

راویوں نے بیان کیا ہے کہ جب شہید مرحوم کابل کے بازار سے گزرے تو گھوڑے پر سوار تھے اور اُن کے پیچھے آٹھ سرکاری سوار تھے۔.....اور یہ بھی بیان کیا کہ یہ آٹھ سرکاری سوار خوست سے ہی ان کے ہمراہ کیے گئے تھے۔کیونکہ ان کے خوست میں پہنچنے سے پہلے حکم سرکاری ان کے گرفتار کرنے کے لیے حاکمِ خوست کے نام آچکا تھا۔غرض جب امیر صاحب کے رُوبرو پیش کیے گئے تو مخالفوں نے پہلے سے ہی ان کے مزاج کو بہت کچھ متغیر کر رکھا تھا۔اس لیے وہ بہت ظالمانہ جوش سے پیش آئے اور حکم دیا کہ مجھے ان سے بو آتی ہے۔ان کو فاصلہ پر کھڑا کرو۔پھر تھوڑی دیر کے بعد حکم دیا کہ ان کو اس قلعہ میں جس میں خود امیر صاحب رہتے ہیں قید کر دو اور زنجیر غراغراب لگا دو۔یہ زنجیر وزنی ایک من چوبیس سیر انگریزی کا ہوتا ہے گردن سے کمر تک گھیر لیتا ہے اور اس میں ہتھکڑی بھی شامل ہے اور نیز حکم دیا کہ پاؤں میں بیڑی وزنی آٹھ سیر انگریزی کی لگا دو۔پھر اس کے بعد مولوی صاحب مرحوم چار مہینہ قید میں رہے اور اس عرصہ میں کئی دفعہ ان کو امیر کی طرف سے فہمائش ہوئی کہ اگر تم اس خیال سے توبہ کرو کہ قادیانی درحقیقت مسیح موعود ہے تو تمہیں رہائی دی جائے گی۔مگر ہر ایک مرتبہ انہوں نے یہی جواب دیا کہ مَیں صاحبِ علم ہوں اور حق وباطل کی شناخت

کرنے کی خُدا نے مجھے قوت عطا کی ہے۔مَیں نے پوری تحقیق سے معلوم کرلیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مسیح موعود ہے اگرچہ مَیں جانتا ہوں کہ میرے اس پہلو کے اختیار کرنے میں میری جان کی خیر نہیں ہے اور میرے اہل وعیال کی بربادی ہے مگر میں اس وقت اپنے ایمان کو اپنی جان اور ہر ایک دنیوی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں... جب چار مہینے قید کے گزر گئے۔تب امیر نے اپنے روبرو شہید مرحوم کو بلا کر اپنی عام کچہری میں توبہ کے لیے فہمائش کی اور بڑے زور سے رغبت دی کہ اگر تم اب بھی قادیانی کی تصدیق اور اس کے اُصولوں کی تصدیق سے میرے رُوبرو انکار کرو تو تمہاری جان بخشی کی جائے گی اور تم عزت کیساتھ چھوڑے جاؤ گے۔شہید مرحوم نے جواب دیا کہ یہ تو غیر ممکن ہے کہ میں سچائی سے توبہ کروں۔اس دُنیا کے حکام کا عذاب تو موت تک ختم ہو جاتا ہے،لیکن مَیں اُس سے ڈرتا ہوں جس کا عذاب کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ہاں چونکہ مَیں سچ پر ہوں اس لیے چاہتا ہوں کہ ان مولویوں سے جو میرے عقیدہ کے مخالف ہیں میری بحث کرائی جائے۔اگر میں دلائل کی رُو سے جھوٹا نکلا تو مجھے سزا دی جائے ...... امیر نے اس بات کو پسند کیا۔اور مسجد شاہی میں خاں ملّا خاں اور آٹھ مفتی بحث کے لیے منتخب کیے گئے۔اور ایک لاہوری ڈاکٹر (مراد ڈاکٹر عبدالغنی سکنہ جلال پور جٹاں ضلع گجرات پنجاب (مؤلف)) جو خود پنجابی ہونے کی وجہ سے سخت مخالف تھا۔بطور ثالث کے مقرر کر کے بھیجا گیا۔بحث کے وقت مجمع کثیر تھا اور دیکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس بحث کے وقت موجود تھے۔مباحثہ تحریری تھا۔صرف تحریر ہوتی تھی اور کوئی بات حاضرین کو سنائی نہیں جاتی تھی۔اس لیے اس مباحثہ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا۔سات بجے صبح سے تین بجے سہ پہر تک مباحثہ جاری رہا۔پھر جب عصر کا آخری وقت ہوا تو کفر کا فتویٰ لگایا گیا اور آخر بحث میں شہید مرحوم سے یہ بھی پوچھا گیا کہ اگر مسیح موعود یہی قادیانی شخص ہے تو پھر تم عیسیٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہو کیا وہ واپس دُنیا میں آئیں گے یا نہیں؟ تو انہوں نے بڑی استقامت سے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں۔اب وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے۔قرآنِ کریم ان کے مرنے اور واپس نہ آنے کا گواہ ہے۔تب تو وہ لوگ ان مولویوں کی طرح جنہوں نے حضرت عیسیٰ کی بات کو سن کر اپنے کپڑے پھاڑ دیئے تھے۔گالیاں دینے لگے اور کہا کہ اب اس شخص کے کفر میں کیا شک رہا۔اور بڑی غضب ناک حالت میں یہ کفر کا فتویٰ لکھا گیا....... پھر بعد اس کے یہ فتویٰ کفرات کے وقت امیر صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا اور یہ چالاکی کی گئی کہ مباحثہ کے کاغذات ان کی خدمت میں عمداً نہ بھیجے گئے۔اور نہ عوام پر ان کا مضمون ظاہر کیا گیا۔یہ صاف اس بات پر دلیل تھی کہ مخالف مولوی شہید مرحوم کے ثبوت پیش کردہ کا کوئی ردّ نہ کر سکے مگر افسوس امیر پر کہ اس نے کفر کے فتوے پر ہی حکم لگا دیا اور مباحثہ کے کاغذات طلب نہ کیے.. جب شہید مرحوم نے ہر ایک مرتبہ توبہ کرنے کی فہمائش پر توبہ کرنے سے انکار کیا۔تو امیر نے ان سے مایوس ہو کر اپنے ہاتھ سے ایک لمبا چوڑا کاغذ لکھا اور اس میں مولویوں کا فتویٰ درج کیا اور اس میں یہ لکھا کہ ایسے کافر کی سنگسار کرنا سزا ہے۔تب وہ فتویٰ اخوندزادہ مرحوم کے گلے میں لٹکا دیا گیا اور پھر امیر نے حکم دیا کہ شہید مرحوم کے ناک میں چھید کر کے اس میں رسی ڈال دی جائے اور اسی رسی سے شہید مرحوم کو کھینچ کر مقتل یعنی سنگسار کرنے کی جگہ تک پہنچایا جائے۔چنانچہ اس ظالم امیر کے حکم سے ایسا ہی کیا گیا اور ناک کو چھید کر سخت عذاب کے ساتھ اس میں رسی ڈالی گئی تب اس رسی کے ذریعہ سے شہید مرحوم کو نہایت ٹھٹھے ہنسی اور گالیوں اور لعنت کے ساتھ مقتل تک لے گئے۔اور امیر اپنے مصاحبوں کے ساتھ اور مع قاضیوں، مفتیوں اور دیگر اہل کاروں کے یہ دردناک نظارہ دیکھتا ہوا مقتل تک پہنچا اور شہر کی ہزار ہا مخلوق جن کا شمار کرنا مشکل ہے،اس تماشہ کے دیکھنے کے لیے گئی۔جب مقتل پر پہنچے تو شہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا۔اور پھر اس حالت میں جب کہ وہ کمر تک زمین میں گاڑ دیئے گئے تھے۔امیر اُن کے پاس گیا اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔انکار کرے۔تو اب بھی مَیں تجھے بچالیتا ہوں۔اب تیرا آخری وقت ہے اور یہ آخری موقع ہے جو تجھے دیا جاتا ہے۔اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔تب شہید مرحوم نے جواب دیا کہ نعوذ باللہ سچائی سے

کیونکر اِنکار ہوسکتا ہے اور جان کی کیا حقیقت ہے اور عیال واطفال کیا چیز ہیں۔جن کے لیے میں ایمان کو چھوڑ دوں۔مجھ سے ایسا ہر گز نہیں ہوگا اور مَیں حق کے لیے مروں گا۔تب قاضیوں اور مفتیوں نے شور مچایا کہ کافر ہے! کافر ہے! اس کو جلد سنگسار کرو۔اس وقت امیر اور اس کا بھائی نصر اللہ خاں اور قاضی اور عبدالاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے اور باقی تمام لوگ پیادہ تھے۔جب ایسی نازک حالت میں شہید مرحوم نے بار بار کہہ دیا کہ مَیں ایمان کو جان پر مقدّم رکھتا ہوں۔تب امیر نے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہِ وقت ہیں آپ چلاویں۔تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے۔اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔تب قاضی نے گھوڑے سے اُتر کر ایک پتھر چلایا۔جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی۔پھر بعد اس کے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا۔پھر کیا تھا۔اس کی پیروی سے ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے۔اور کوئی حاضرین میں سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید پر پتھر نہ پھینکا ہو۔یہاں تک کہ کثرت پتھروں سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھا پتھروں کا جمع ہوگیا۔پھر امیر نے واپس ہونے کے وقت کہا کہ یہ شخص کہتا تھا کہ میں چھ روز تک زندہ ہو جاؤں گا۔اس پر چھ روز تک پہرہ رہنا چاہیے۔بیان کیا گیا ہے کہ یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا 14 جولائی 1903ء کو وقوع میں آیا ... شہزادہ عبداللطیف کے لیے جو شہادت مقدر تھی۔وہ ہو چکی۔اب ظالم کا پاداش باقی ہے.....اے عبداللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا۔اور جو لوگ میری جماعت میں سے میری موت کے بعد رہیں گے مَیں نہیں جانتا کہ وہ کیا کام کریں گے"۔

حضرت اقدسؑ صاحبزادہ صاحب شہید کے بقیہ حالات بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "تذکرۃ الشہادتین" کے آخر میں بیان فرماتے ہیں۔

"میاں احمد نور جو حضرت صاحبزادہ مولوی عبداللطیف کے خاص شاگرد ہیں۔آج 8 نومبر 1903ء کو مع عیال خوست سے قادیان پہنچے۔ان کا بیان ہے کہ مولوی صاحب کی لاش برابر چالیس دن تک ان پتھروں میں پڑی رہی جن میں وہ سنگسار کیے گئے تھے۔بعد اس کے مَیں نے چند دوستوں کے ساتھ مل کر رات کے وقت ان کی نعش مبارک نکالی اور ہم پوشیدہ طور پر شہر میں لائے اور اندیشہ تھا کہ امیر اور اس کے ملازم کچھ مزاحمت کریں گے۔مگر شہر میں وبائے ہیضہ اس قدر پڑ چکی تھی کہ ہر ایک شخص اپنی بلا میں گرفتار تھا۔اس لیے ہم اطمینان سے مولوی صاحب مرحوم کا قبرستان میں جنازہ لے گئے اور جنازہ پڑھ کر وہاں دفن کر دیا یہ عجیب بات ہے کہ مولوی صاحب جب پتھروں سے نکالے گئے تو کستوری کی طرح ان کے بدن سے خوشبو آتی تھی۔اس سے لوگ بہت متاثر ہوئے"۔

اس ناحق خون کا نتیجہ

حضرت اقدس نے اپنی اسی کتاب "تذکرۃ الشہادتین" میں ایک جگہ لکھا ہے کہ:۔

"اور کابل کی زمین دیکھ لے گی کہ یہ خون کیسے کیسے پھل لائے گا۔یہ خون کبھی ضائع نہیں جائے گا۔پہلے اس سے غریب عبدالرحمٰن میری جماعت کا ظلم سے مارا گیا اور خُدا چپ رہا۔مگر اس خون پر اب وہ چپ نہیں رہے گا اور بڑے بڑے نتائج ظاہر ہوں گے،چنانچہ سنا گیا ہے کہ جب شہید مرحوم کو ہزاروں پتھروں سے قتل کیا گیا۔تو انہیں دنوں میں سخت ہیضہ کابل میں پھوٹا اور بڑے بڑے ریاست کے نامی اس کا شکار ہوگئے اور بعض امیر کے رشتہ دار اور عزیز بھی اس جہان سے رخصت ہوئے۔مگر ابھی کیا ہے۔یہ خون بڑی بے رحمی کے ساتھ کیا گیا ہے اور آسمان کے نیچے ایسے خون کی اس زمانہ میں نظیر نہیں ملے گی! اس نادان امیر نے کیا کیا کہ ایسے معصوم شخص کو کمال بے دردی سے قتل کر کے اپنے تئیں تباہ کر لیا۔اے کابل کی زمین!

تُو گواہ رہ۔ کہ تیرے پر سخت جرم کا ارتکاب کیا گیا۔ اے بدقسمت زمین! تو خدا کی نظر سے گرگئی کہ تو اس ظلمِ عظیم کی جگہ ہے۔‘‘
(تذکرۃ الشہادتین صفحہ 72)(حیات طیبہ، حضرت شیخ عبدالقادر، صفحہ 270 تا 273 سن اشاعت 1960ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی الہامی دُعائیں

(جو قرآنی الفاظ میں کسی قدر تغیر کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو الہام ہوئیں)

1) 1893ء میں یہ دُعا الہام ہوئی۔ رَبِّ اِنِّی مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ۔ (تذکرہ صفحہ 245 بحوالہ تحفہ بغداد صفحہ 17 تا 25)
(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 39 سن اشاعت 2002,2000ء)

اے میرے ربّ میں مغلوب ہوں تو میرے دشمن سے انتقام لے۔

2) 26 اپریل 1903ء کو دوبارہ یہ ان الفاظ میں الہام ہوئی۔ رَبِّ اِنِّی مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ فَسَحِّقْهُمْ تَسْحِیْقًا۔
اے میرے ربّ میں مغلوب ہوں میرا بدلہ لے اور ان کو اچھی طرح پیس ڈال۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ 104 روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 107)
ایک روایت میں مغلوب کی بجائے مظلوم بھی آیا ہے۔ (تذکرہ صفحہ 470)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 40.39 سن اشاعت 2002,2000ء)

3) رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ مِنَ السَّمَاءِ۔ (تذکرہ صفحہ 47)
اے میرے ربّ مغفرت فرما اور آسمان سے رحم نازل فرما۔ (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 40 سن اشاعت 2002,2000ء)

4) رَبِّ تَوَفَّنِی مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِی بِالصَّالِحِیْنَ۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ 108 روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 111)
اے میرے ربّ مجھے مسلمان ہونے کی حالت میں وفات دے اور مجھے نیک لوگوں میں شامل کر۔
(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 40 سن اشاعت 2002,2000ء)

5) رَبِّ نَجِّنِی مِنْ غَمِّی۔ (تذکرہ صفحہ 101)
اے میرے ربّ مجھے میرے غم سے نجات دے۔ (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 40 سن اشاعت 2002,2000ء)

6) رَبِّ هَبْ لِی ذُرِّیَّةً طَیِّبَةً۔ (تذکرہ صفحہ 470)
میرے ربّ مجھے پاک اولاد عطا کر۔ (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 40 سن اشاعت 2002,2000ء)

7) رَبَّنَا اٰمَنَّا فَاکْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِیْنَ۔ (تذکرہ صفحہ 339، تریاق القلوب صفحہ 59 حاشیہ)
اے ہمارے ربّ ہم ایمان لائے پس ہمیں گواہوں میں لکھ لے۔ (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 40 سن اشاعت 2002,2000ء)

8) رَبَّنَا اِنَّا جِئْنَاكَ مَظْلُوْمِيْنَ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ۔

اے ہمارے ربّ ہم تیرے پاس مظلوم ہونے کی حالت میں آئے ہیں پس ہمارے اور ظالم قوم کے درمیان امتیاز اور فرق ظاہر فرما دے۔ آمین

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 261) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 40 سن اشاعت 2002,2000ء)

9) رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا اِنَّا كُنَّا خَاطِئِيْنَ۔ (حقیقۃ الوحی 100 روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 104)

اے ہمارے ربّ ہمارے گناہ ہمیں بخش دے ہم یقیناً خطا کار ہیں۔ (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 40.41 سن اشاعت 2002,2000ء)

10) 1907ء میں یہ دُعا الہام ہوئی رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا طُعْمَةً لِلْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ۔ (تذکرہ:805)

اے ہمارے ربّ ہمیں ظالم قوم کا لقمہ (خوراک) نہ بنا۔ (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 41 سن اشاعت 2002,2000ء)

11) وَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْ اِلَيَّ۔ (تذکرہ صفحہ:776)

یعنی انسانوں کے بہت سے دلوں کو میری طرف جھکا دے۔ (فرمایا یہ ایک بشارت ہے سلسلہ کی ترقی کے متعلق)

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 41 سن اشاعت 2002,2000ء)

(یہاں تک الہامی دُعائیں ہیں۔)

12) دُعائے مغفرت وانجام بخیر

میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے نام ایک مکتوب میں حضور علیہ السّلام نے یہ دُعا تحریر فرمائی:۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ وَصَلِّ عَلٰى نَبِيِّكَ وَحَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَسَلِّمْ وَتَوَفَّنَا فِيْ اُمَّةٍ وَّابْعَثْنَا فِيْ اُمَّةٍ وَّاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّ لِاُمَّةٍ رَبَّنَا اِنَّنَا اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا فِيْ عِبَادِكَ الْمُؤْمِنِيْنَ۔

ترجمہ: اے ہمارے ربّ ہمیں اور ہمارے ان مومن بھائیوں کو بخش دے جو ایمان میں ہم سے سبقت لے گئے اور اپنے نبی اور حبیب محمدؐ اور آپ کی آل پر رحمتیں بھیج اور ہمیں اُمتی ہونے کی حالت میں موت دے اور اے ہمارے ربّ ہم ایمان لائے ہیں پس ہمیں اپنے مومن بندوں میں لکھ لے۔ (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 41 سن اشاعت 2002,2000ء)

چند خاص ورد اور دُعائیں

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کو بعض مشکلات میں دُعا کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:۔

"آپ درویشانہ سیرت سے ہر ایک نماز کے بعد گیارہ دفعہ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ پڑھیں اور رات کو سونے کے وقت معمول نماز کے بعد کم سے کم اکتالیس دفعہ درود شریف پڑھ کر دو رکعت نماز پڑھیں اور ہر ایک سجدہ میں کم سے کم تین دفعہ یہ دُعا پڑھیں۔

يَا حَيُّ يَا قَيُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِيْثُ۔ پھر نماز پوری کر کے سلام پھیر دیں اور اپنے لیے دُعا کریں۔

(مکتوبات احمدیہ جلد ہفتم حصہ اوّل صفحہ 33) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 43 سن اشاعت 2002,2000ء)

مصیبت اور بیماری سے نجات کی الہامی دُعا

اندازاً 1880ء کی بات ہے حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو سخت قولنج خونی پیچش کی حالت میں 16 دن گزر گئے۔ چونکہ یہی بیماری ایک اور شخص کی آٹھویں دن جان لے چکی تھی۔ اس لیے گھر والوں نے مایوس ہو کر آپ پر سورۃ یاسین بھی تین مرتبہ پڑھ دی۔

حضور علیہ السّلام فرماتے ہیں۔

"جس طرح خُدا تعالیٰ نے مصائب سے نجات پانے کے لیے بعض اپنے نبیوں کو دُعائیں سکھلائی تھیں۔ مجھے بھی خُدا نے الہام کر کے ایک دُعا سکھلائی۔ چنانچہ الہام کے مطابق حضور نے دریا کے پانی میں جس کے ساتھ ریت بھی تھی ہاتھ ڈال کر یہ کلمات پڑھ کر سینہ، پشت سینہ دونوں ہاتھوں اور منہ پر پھیرے۔ حضور فرماتے ہیں۔ ''مجھے اس خُدا کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ہر ایک دفعہ ان کلمات طیبہ کے پڑھنے اور پانی کو بدن پر پھیرنے سے میں محسوس کرتا تھا کہ وہ آگ اندر سے نکلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سولہ دن کے بعد بیماری بکلّی چھوڑ گئی''۔

(تریاق القلوب صفحہ 36 تا 37) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 44 سن اشاعت 2002,2000ء)

=سُبْحَانَ اللّٰهِ وَ بِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِ مُحَمَّدٍ۔

پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ۔ پاک ہے اللہ جو بہت عظیم ہے۔ اے اللہ رحمتیں بھیج آپ ﷺ پر اور آپ کی آل پر۔

اسم اعظم

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے 6 دسمبر 1902ء کو تحریر فرمایا:۔

"رات کو میری ایسی حالت تھی۔ کہ اگر خُدا کی وحی نہ ہوتی تو میرے اس خیال میں کوئی شک نہ تھا کہ میرا آخری وقت ہے۔ اسی حالت میں میری آنکھ لگ گئی۔ تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک جگہ پر میں ہوں کہ تین بھینسے آئے ہیں۔ ایک ان میں سے میری طرف آیا۔ تو میں نے اسے مار کر ہٹا دیا پھر دوسرا آیا تو اسے بھی ہٹا دیا پھر تیسرا آیا اور وہ ایسا پر زور معلوم ہوتا تھا کہ میں نے خیال کیا کہ اب اس سے مفر نہیں ہے۔ خُدا تعالیٰ کی قدرت کہ مجھے اندیشہ ہوا تو اس نے اپنا منہ ایک طرف پھیر لیا۔ میں نے اس وقت یہ غنیمت سمجھا کہ اس کے ساتھ رگڑ کر نکل جاؤں۔ میں وہاں سے بھاگا۔ اور بھاگتے ہوئے خیال آیا کہ وہ بھی میرے پیچھے بھاگے گا۔ مگر میں نے پھر مڑ کر نہ دیکھا۔ اس وقت خواب میں خُدا تعالیٰ کی طرف سے میرے پر مندرجہ ذیل دُعا القا کی گئی۔

=رَبِّ كُلُّ شَيْءٍ خَادِمُكَ رَبِّ فَاحْفَظْنِىْ وَانْصُرْنِىْ وَارْحَمْنِىْ۔

ترجمہ: اے میرے ربّ ہر ایک چیز تیری خادم ہے۔ اے میرے ربّ پس مجھے محفوظ رکھ اور میری مدد فرما اور مجھ پر رحم فرما اور میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ اسمِ اعظم ہے اور یہ کلمات ہیں کہ جو اسے پڑھے گا ہر ایک آفت سے نجات ہوگی۔" (تذکرہ صفحہ 442.443)

اس کے بعد حضور علیہ السّلام نے اپنے مختلف رفقاء کو اپنے خطوط میں رکوع و سجود میں اور قیام میں سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد بتکرار صدق دل تذلل اور عجز سے یہ دُعا پڑھنے کی تلقین فرمائی۔ (مکتوبات جلد 5 حصّہ اوّل صفحہ 38) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 45.44 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

شفائے مرض کی ایک دُعا

ایک وبائی بیماری میں خُدا تعالیٰ نے حضور علیہ السّلام کو یہ بتلایا کہ اس کے ان ناموں کو ورد کیا جاوے۔ **"يَا حَفِيْظُ۔ يَا عَزِيْزُ۔ يَا رَفِيْقُ."**

یعنی اے حفاظت کرنے والے! اے عزت والے اور غالب اے دوست اور ساتھی! فرمایا" رفیق خُدا تعالیٰ کا نیا نام ہے۔ جو کہ اس سے پیشتر اسماء

باری تعالیٰ میں کبھی نہیں آیا"۔(البدر جلد 2 نمبر 53 صفحہ 28 مورخہ 18 ستمبر 1903ء)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 46,45 سن اشاعت 2002ء,2000ء)

موذی بیماری سے شفا کی دُعا

27 جنوری 1905ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کے دائیں رخسار میں ایک آماس سانمودار ہونے سے بہت تکلیف ہوئی۔دُعا کرنے پر یہ فقرات الہام ہوئے۔جن کے دم کرنے سے فوراً صحت عطا ہوئی۔(تذکرہ صفحہ 525)

=بِسْمِ اللّٰهِ الْكَافِیْ بِسْمِ اللّٰهِ الشَّافِیْ بِسْمِ اللّٰهِ الْغَفُوْرِ الرَّحِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الْبَرِّ الْكَرِیْمِ یَاحَفِیْظُ یَاعَزِیْزُ یَا رَفِیْقُ یَا وَلِیُّ اشْفِنِیْ۔

میں اللہ کے نام سے مدد چاہتا ہوں جو کافی ہے۔اللہ کے نام کے ساتھ جو شافی ہے۔اللہ کے نام کے ساتھ جو بخشنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔اللہ کے نام کے ساتھ جو احسان کرنے والا اور عزت والا ہے۔اے حفاظت کرنے والے اے عزت و غلبہ والے اے ساتھی اے دوست مجھے شفا دے۔(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 46 سن اشاعت 2002,2000ء)

مرض سے شفا کی ایک اور دُعا

1906ء میں بیماری کی حالت میں یہ دُعا الہام ہوئی۔

=اِشْفِنِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَارْحَمْنِیْ۔ (تذکرہ صفحہ 611)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 46 سن اشاعت 2002,2000ء)

مصیبت سے بچنے کی دُعا

1899ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے رؤیا میں دیکھا کہ آگ دھواں اور چنگاریاں اُڑ کر آپ کی طرف آتی ہیں مگر ضرر نہیں دیتیں اس حال میں آپ یہ دُعا پڑھ رہے ہیں۔(تذکرہ 335.336 خط بنام مولانا عبدالکریم صاحب)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 47 سن اشاعت 2002,2000ء)

=یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ بِرَحْمَتِكَ اَسْتَغِیْثُ اِنَّ رَبِّیْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔

ترجمہ: اے زندہ اور ہمیشہ قائم و دائم رہنے والی ہستی میں تیری رحمت سے مدد چاہتا ہوں۔یقیناً میرا ربّ آسمانوں اور زمین کا ربّ ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی خدمت میں ایک دفعہ ایک شخص نے اپنی مشکلات کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا کہ "استغفار کثرت سے پڑھا کرو اور نمازوں میں **=یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ اَسْتَغِیْثُ بِرَحْمَتِكَ یَااَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ** پڑھو۔"

(اے زندہ اور قائم رہنے والے خُدا میں تیری رحمت سے تیری مدد چاہتا ہوں۔اے تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والے۔)

(ترجمہ از مرتب)(ملفوظات جلد 4 صفحہ 250)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 47 سن اشاعت 2002,2000ء)

محبتِ الٰہی اور بخشش کی دُعا

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنے ایک وفا شعار رفیق منشی رستم علی صاحبؓ کے ایک دلی دوست سندر داس کی وفات کے جانکاہ صدمہ پر تعزیتی خط میں یہ دُعا پڑھنے کی تلقین کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ سجدہ میں اور دن رات کئی دفعہ یہ دُعا پڑھیں۔

=یَااَحَبُّ مِنْ كُلِّ مَحْبُوْبٍ اِغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ وَاَدْخِلْنِیْ فِیْ عِبَادِكَ الْمُخْلَصِیْنَ۔ (مکتوبات احمدیہ جلد پنجم نمبر سوم صفحہ 74)

ترجمہ: اے ہر پیارے سے زیادہ پیاری ہستی میرے گناہ بخش دے اور مجھے اپنے مخلص بندوں میں داخل کر لے۔

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد صفحہ 47 سن اشاعت 2002,2000ء)

محبت الٰہی سے بھری ہوئی ایک اور دُعا

=رَبِّ اِنَّکَ جَنَّتِی وَ رَحمَتُکَ جُنَّتِی وَ اٰیَاتُکَ غِذَائِی وَ فِعلُکَ رِدَائِی۔

اے میرے ربّ بے شک تو ہی میری بہشت ہے اور تیری رحمت میری ڈھال ہے اور تیرے نشان میری غذا ہیں اور تیرا فعل میری رداء (چادر) ہے۔ (حقیقۃ الوحی صفحہ 384 روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 361) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 48,47 سن اشاعت 2002,2000ء)

انصار دین عطا کیے جانے کی دُعا

حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے اپنی مہمات میں تنہائی کے زمانہ میں دردِ دل سے خُدا تعالیٰ کے حضور انصار دین عطا کیے جانے کے لیے دُعا کی۔ جس کا ذکر حضرت مولانا نورالدین صاحبؓ کے نام ایک مکتوب میں فرمایا ہے۔

=رَبِّ اَعطِنِی مِن لَّدُنکَ اَنصَارًا فِی دِینِکَ وَاَذھِب عَنِّی حُزنِی وَاَصلِح لِی شَأنِی کُلَّہٗ لَا اِلٰہَ اِلَّا اَنتَ۔ (مکتوبات احمدیہ جلد 5 صفحہ 34) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 48 سن اشاعت 2002,2000ء)

ترجمہ: اے میرے ربّ مجھے اپنے حضور سے اپنے دین کے لئے معاون مددگار عطا کر اور میرے غم کو دُور کر دے اور میرے سارے کام دُرست فرما دے کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔

دائمی برکت کے لیے دُعا

قریباً 1883ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے الہامی طور پر ایک طرف برکت کے حصول کی یہ دُعا سکھلائی اور پھر کمال لطف و احسان سے اس کے منظور ہو جانے کی خبر بھی عطا فرمائی۔ (بحوالہ براہین احمدیہ حصّہ چہارم صفحہ 520 حاشیہ درحاشیہ نمبر 3 روحانی خزائن جلد ا صفحہ 621)

=رَبِّ اجعَلنِی مُبَارَکًا حَیثُ مَا کُنتُ۔

ترجمہ: اے میرے ربّ مجھے ایسا مبارک کر کہ ہر جگہ بود و باش کروں کہ برکت میرے ساتھ رہے۔

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 48 سن اشاعت 2002,2000ء)

مال میں برکت کی دُعا

2 مارچ 1904ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السّلام نے دیکھا کہ آپ روپوں سے بھرا ایک کاغذی تھیلا سفید رومال میں باندھ رہے تھے اور بطور الہام یہ دُعا زبان پر جاری ہوئی۔ (تذکرہ 506)

=رَبِّ اجعَل بَرَکَۃً فِیہِ۔

اے میرے ربّ اس میں برکت پیدا فرما دے۔ (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 49 سن اشاعت 2002,2000ء)

اضافہ علم و معرفت کے لیے دُعائیں

=رَبِّ اَرِنِی اَنوَارَکَ الکُلِّیَّۃَ۔

اے میرے ربّ مجھے اپنے وہ انوار دکھا۔ جو محیط کل ہوں۔ (تذکرہ صفحہ 632) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 49 سن اشاعت 2002,2000ء)

1906ء کے الہامات میں یہ دُعا بھی درج ہے۔

=رَبِّ عَلِّمنِی مَا ھُوَ خَیرٌ عِندَکَ۔ (حقیقۃ الوحی 103 روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 106) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 49 سن اشاعت 2002,2000ء)

اے میرے ربّ مجھے وہ سکھلا جو تیرے نزدیک بہتر ہے۔

=رَبِّ اَرِنِی حَقَائِقَ الْاَشْیَاءِ۔

اے میرے ربّ مجھے اشیاء کے حقائق دکھلا۔(تذکرہ صفحہ 742)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 49 سن اشاعت 2002,2000ء)

<u>توفیقِ فہم وعلم کی دُعا</u>

=وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ رَبَّنَا اھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ وَھَبْ لَنَا مِنْ عِنْدِکَ فَھْمَ الدِّیْنِ الْقَوِیْمِ وَ عَلِّمْنَا مِنْ لَّدُنْکَ عِلْمًا۔ (اٰمین)(حقیقۃ الوحی صفحہ 5 روحانی خزائن جلد 22 صفحہ 8)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 50,49 سن اشاعت 2002,2000ء)

ترجمہ: اور سوائے اللہ کے فضل کے مجھے کوئی توفیق اور طاقت نہیں۔اے ہمارے ربّ! ہمیں سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما اور اپنے حضور سے ہمیں راستے کا فہم عطا فرما اور اپنے پاس سے ہمیں خاص علم سمجھا۔

<u>حق وہدایت کی دُعا</u>

=وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ رَبِّ اَنْطِقْنَا بِالْحَقِّ وَاکْشِفْ عَلَیْنَا الْحَقَّ وَاھْدِنَا اِلٰی حَقٍّ مُّبِیْنٍ۔

(خاتمہ براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 414)

ترجمہ: اور مجھے کوئی توفیق حاصل نہیں سوائے اللہ کے فضل کے۔اور میرے ربّ میری زبان پر حق جاری فرما دے اور ہم پر حق کھول دے اور ہمیں کھلی کھلی صداقت کی طرف رہنمائی فرما۔(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 50 سن اشاعت 2002,2000ء)

<u>رحم کی دُعائیں</u>

31 مئی 1903ء یہ الہامی دُعا حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کو القاء ہوئی۔

=اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ ۔اے اللہ! رحم کر۔(تذکرہ صفحہ 473)

4 اپریل 1907ء کو یہ دُعا الہام ہوئی۔**یا اللہ رحم** (تذکرہ صفحہ 712)

30 ستمبر 1907ء کو یہ دُعا الہام ہوئی۔**رَبِّ ارْحَمْنِیْ اِنَّ فَضْلَکَ وَرَحْمَتَکَ یُنْجِیْ مِنَ الْعَذَابِ۔**

ترجمہ: اے میرے ربّ مجھ پر رحم فرما۔یقیناً تیرا فضل اور تیری رحمت عذاب سے نجات دیتے ہیں۔(تذکرہ صفحہ 733)

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 51 سن اشاعت 2002,2000ء)

<u>شدید منکرین اور دشمنانِ دینِ حق کی تباہی کی دُعا</u>

=یَا رَبِّ فَاسْمَعْ دُعَائِیْ وَمَزِّقْ اَعْدَائَکَ وَاَعْدَائِیْ وَاَنْجِزْ وَعْدَکَ وَانْصُرْ عَبْدَکَ وَاَرِنَا اَیَّامَکَ وَشَھِّرْ لَنَا حُسَامَکَ وَلَا تَذَرْ مِنَ الْکَافِرِیْنَ شَرِیْرًا۔ (تذکرہ صفحہ:509)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 52 سن اشاعت 2002,2000ء)

ترجمہ: یعنی اے میرے ربّ میری دُعا کو سن اور اپنے اور میرے دشمنوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دے اور اپنا وعدہ پورا فرما اور اپنے بندے کی مدد فرما اور ہمیں اپنے (وعدوں کے) دن دکھا اور اپنی تلوار ہمارے لیے سونت لے اور شریر کافروں میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑ۔

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 52 سن اشاعت 2002,2000ء)

<u>اصلاح اُمّتِ محمدیہ کے لیے دُعا</u>

میر عباس علی صاحبؓ کے نام مکتوب میں حضورؑ نے یہ دُعا تحریر فرمائی۔

=اَللّٰھُمَّ اَصلِحْ اُمَّۃَ مَحمَّدٍ اَللّٰھُمَّ ارحَمْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ اَللّٰھُمَّ اَنزِلْ عَلَینَا بَرَکَاتِ مُحَمَّدٍ وَصَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ (مکتوبات احمدیہ جلد اوّل صفحہ 50)

ترجمہ: اے اللہ محمد ﷺ کی اُمّت کی اصلاح فرما۔ اے اللہ محمد ﷺ کی اُمّت پر رحم کر۔ اے اللہ ہم پر محمد ﷺ کی برکات نازل فرما اور محمد ﷺ پر رحمتیں اور برکتیں اور سلام بھیج۔

=حضور علیہ السّلام کو رَبِّ اَصلِحْ اُمَّۃَ مُحَمَّدٍ کی دُعا الہاماً بھی سکھائی گئی۔ (تذکرہ صفحہ 47 طبع چہارم)

ترجمہ: یعنی اے میرے ربّ اُمّتِ محمدیہ کی اصلاح فرما۔ (خزینۃ الدعا صفحہ:39.53) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 53,52 سن اشاعت 2002,2000ء)

<u>حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی بعض خاص الہامی دُعائیں</u>

=رَبِّ اجزِہُ جَزَاءً اَوفٰی۔ (تذکرہ صفحہ 513) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 57 سن اشاعت 2002,2000ء)

اے میرے ربّ اسے پوری پوری جزا دے۔

(اس دُعا سے ما قبل الہام میں حضور کو امام رافع القدر یعنی بلند مرتبہ والا کے الفاظ میں خطاب ہے جس سے پایا جاتا ہے کہ یہ دُعا حضور کی ذات ہی سے متعلق ہے۔)

=رَبِّ اَصِحَّ زَوجَتِی۔ (تذکرہ صفحہ 338) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 57 سن اشاعت 2002,2000ء)

اے میرے ربّ میری بیوی کو صحت دے۔

=رَبِّ اشْفِ زَوجَتِی ھٰذَا وَاجعَل لَّھَا بَرَکَاتٍ فِی السَّمَاءِ وَبَرَکَاتٍ فِی الْاَرضِ۔ (تذکرہ صفحہ 596) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 57 سن اشاعت 2002,2000ء)

اے میرے ربّ میری اس بیوی کو شفا دے اور اس کے لیے آسمان اور زمین میں برکات پیدا فرما دے۔

=رَبِّ زِدنِی عُمُرِی وَعُمُرَ زَوجَتِی زِیَادَۃً خَارِقَ الْعَادَۃِ۔ (تذکرہ صفحہ 406) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ سن اشاعت 2002,2000ء)

اے میرے ربّ میری عمر اور میری بیوی کی عمر خارق عادت طور پر بڑھا دے۔

=رَبِّ لَا تُضِیعْ عُمُرِی وَعُمُرَھَا وَاحفَظنِی مِن کُلِّ آفَۃٍ تُرسَلُ اِلَیَّ۔ (تذکرہ صفحہ 661) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 57 سن اشاعت 2002,2000ء)

اے میرے ربّ میری عمر اور اس (میری بیوی) کی عمر ضائع نہ کرنا اور مجھے ہر مصیبت و آفت سے بچانا اور حفاظت فرمانا جو میری طرف بھیجی جائیں۔

=رَبِّ احفَظنِی فَاِنَّ الْقَومَ یَتَّخِذُونَنِی سُخرَۃً۔ (تذکرہ صفحہ 683) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 58 سن اشاعت 2002,2000ء)

اے میرے ربّ میری حفاظت فرما، یہ قوم مجھے ہنسی کا نشانہ بنانے لگی ہے۔

=رَبِّ اَخرِجنِی مِنَ النَّارِ۔ (تذکرہ صفحہ 723) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 58 سن اشاعت 2002,2000ء)

اے میرے ربّ مجھے آگ سے نکال۔

نوٹ:۔اس کے معاً بعد یہ الہام ہے سب حمد اللہ کی ہے جس نے مجھے آگ سے بچایا۔ چنانچہ جب فتنہ احرار کی آگ بھڑکائی گئی تو سیّدنا حضرت مصلح موعودؓ نے 14 جون 1935ء کے خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ اس الہام کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السّلام کی زندگی میں ایسی کوئی مصیبت نہیں آئی اس لیے یہ آئندہ کے بارہ میں جماعت کے متعلق پیشگوئی کا رنگ تھا کہ آپ کے متبعین کے لیے ایک جہنم تیار کیا جائے گا مگر خُدا ان کو بچالے گا۔

فرمایا زلزلہ کی طرف اشارہ کر کے الہام ہوا۔

=رَبِّ اَرِنِیْ اٰیَۃً مِنَ السَّمَاءِ۔ (تذکرہ صفحہ 601)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 58 سن اشاعت 2002ء,2000ء)

اے میرے ربّ مجھے آسمان سے ایک نشان دکھا۔

اس دُعا کے ساتھ اکرام مع الانعام کے الفاظ بھی الہام ہوئے جن میں اشارہ تھا کہ اللہ تعالیٰ اس نشان کے ساتھ ایک عزت دے گا۔ جس کے ساتھ ایک انعام ہوگا۔ فرمایا زلزلہ کی صورت آنکھوں کے آگے آگئی اور پھر الہام ہوا۔

=رَبِّ اَخِّرْ وَقْتَ ھٰذَا۔ (تذکرہ صفحہ 655)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 58 سن اشاعت 2002ء,2000ء)

اے میرے ربّ اس کا وقت ٹال دے اور کسی اور وقت پر ڈال دے۔

31 اگست 1905ء کو الہام ہوا۔

=اَرِنِیْ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ۔ مجھے موعود گھڑی کا زلزلہ دکھا یعنی اس کا کشفی نظارہ کرا۔

(یہ دُعا قبول ہوئی جس کے بعد پھر 9 مارچ 1906ء کو الہام ہوا۔)

=رَبِّ لَاتُرِنِیْ زَلْزَلَۃَ السَّاعَۃِ۔ رَبِّ لَاتُرِنِیْ مَوْتَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ۔ (تذکرہ صفحہ 600)

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 59 سن اشاعت 2002ء,2000ء)

اے میرے ربّ مجھے قیامت کا زلزلہ نہ دکھا۔ اے میرے ربّ مجھے ان میں سے کسی کی موت نہ دکھا۔ (یعنی اپنی جماعت کے خاص خدام و انصار دین کی۔ مرتب) یہ الہام مولوی عبدالکریم سیالکوٹی صاحب کی وفات کے بعد کا ہے۔ اس دوسری دُعا میں زلزلہ کو مؤخر کرنے کی استدعا ہے اور جیسا کہ اُوپر ذکر ہو چکا ہے۔ یہ دُعا بھی قبول ہوئی اور زلزلہ ایک مقررہ میعاد تک مؤخر ہوا۔ (تذکرہ صفحہ 562)

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 59 سن اشاعت 2002ء,2000ء)

=رَبِّ فَرِّقْ بَیْنَ صَادِقٍ وَّکَاذِبٍ اَنْتَ تَرٰی کُلَّ مُصْلِحٍ وَّ صَادِقٍ۔ (تذکرہ صفحہ 620)

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 59 سن اشاعت 2002ء,2000ء)

اے میرے ربّ صادق اور کاذب میں فرق کر کے دکھلا تو ہر ایک مصلح اور صادق کو جانتا ہے۔

=رَبِّ لَاتُبْقِ لِیْ مِنَ الْمُخْزِیَاتِ ذِکْرًا۔ (تذکرہ صفحہ 672)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 59 سن اشاعت 2002ء,2000ء)

اے میرے لیے رُسوا کرنے والی چیزوں میں سے کوئی بھی باقی نہ رکھ۔

یہ دُعا مقبول ہوئی چنانچہ 1903ء میں ایک اور الہام میں اس دُعا کی قبولیت کا وعدہ دیتے ہوئے فرمایا کہ میں تیرے متعلق رسوا کن باتوں کا ذکر نہیں چھوڑوں گا۔ (تذکرہ صفحہ 452)(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 59 سن اشاعت 2002ء,2000ء)

=رَبِّ اجۡعَلۡنِیۡ غَالِبًا عَلٰی غَیۡرِیۡ۔ (تذکرہ صفحہ 725) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 59 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

اے میرے ربّ مجھے میرے غیر پر غالب کر دے۔

=وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ غَلَبَۃً فِی الدُّنۡیَا وَالدِّیۡنِ۔ (تذکرہ صفحہ 778) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 60 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

اور دُنیا اور دین میں مجھے غلبہ عطا کر۔

=وَ اجۡعَلۡ لِّیۡ نَافِعًا ھٰذِہِ التِّجَارَۃَ۔ (تذکرہ صفحہ 778) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 60 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

اور میرے لیے تجارت نفع والی بنا۔ (اشارہ دینی وروحانی تجارت ھَلۡ اَدُلُّکُمۡ عَلٰی تِجَارَۃٍ تُنۡجِیۡکُمۡ مِنۡ عَذَابٍ اَلِیۡمٍ کی طرف ہے)

=رَبِّ سَلِّطۡنِیۡ عَلَی النَّارِ۔ (تذکرہ صفحہ 606) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 60 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

یعنی اے میرے خُدا مجھے آگ پر مسلّط کر دے۔ (یعنی عذاب کی آگ میرے حکم میں ہو جاوے)

=ھُوۡشَعۡنَا۔ نَعۡسَا۔ (زبور 118:25 و متی 21:9) یہ دونوں فقرے عبرانی زبان میں ہیں۔ (تذکرہ صفحہ 102)

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 60 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

یعنی اے خُدا میں دُعا کرتا ہوں کہ مجھے نجات بخش اور مشکلات سے رہائی فرما۔

=رَبِّ تَجَلَّ رَبِّ تَجَلَّ۔ (تذکرہ صفحہ 208 ایڈیشن چہارم) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 60 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

اے میرے ربّ مجھ پر تجلّی فرما۔ تجلّی فرما۔

=اَللّٰھُمَّ بَارِکۡ لِیۡ فِیۡ ھٰذِہِ الرُّؤۡیَا۔ (تذکرہ صفحہ 248) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 60 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

اے اللہ میری اس رؤیا کو میرے لیے بابرکت فرما۔

=اَللّٰھُمَّ اِنۡ اَھۡلَکۡتَ ھٰذِہِ الۡعِصَابَۃَ فَلَنۡ تُعۡبَدَ فِی الۡاَرۡضِ اَبَدًا۔ (تذکرہ صفحہ 430)

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 60 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

یعنی اے خُدا اگر تُو نے اس جماعت کو ہلاک کر دیا تو پھر اس کے بعد اس زمین پر تیری پرستش کبھی نہ ہوگی۔

=یا اللّٰہ فتح (تذکرہ صفحہ 72 ایڈیشن چہارم) (خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 60 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

(خزینۃ الدعا، حافظ مظفر احمد، صفحہ 60,57 سن اشاعت 2002ء، 2000ء)

Lajna Ima'illah Norway